تحریک آزادی ہند
اور
السواد الاعظم
ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

تحریکِ آزادیِ ہند
اور
السّواد الاعظم

پروفیسر محمد مسعود احمد

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور — کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	تحریک آزادئ ہند اور السواد الاعظم
مصنف	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	اپریل 2002ء
تعداد	500
کمپیوٹر کوڈ	1Z170
قیمت	Rs150-00 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

انتساب

خونِ شہیداں کے نام

جو

پاکستان سے دُور پاکستان

کے لئے بہتا رہا ہے

سرِ خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می پاشم

کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

اظہارِ تشکر

محترمی مولانا محمد اطہر نعیمی زید عنایتہم (ابن تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ) کا بصمیم قلب ممنون ہوں کہ موصوف نے ماہنامہ "السواد اعظم" کے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیانی سالوں کے تقریباً ایک سو "نادر و نایاب شمارے عنایت فرمائے۔ اس طرح تاریخی حقائق کے رخ سے پردہ اٹھا اور "تحریک آزادی ہند" کا ایک قیمتی باب محفوظ ہو گیا —— مکرمی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری زید لطفہم کا بھی شکر گزار ہوں کہ ممدوح نے بعض نایاب کتب و رسائل مرحمت فرمائے جو "پس منظر" کی تدوین میں ممد و معاون ثابت ہوئے —— مولانا غلام محی الدین فریدی، مولانا محمد منشا تابش قصوری، پروفیسر سراج الدین قریشی، پروفیسر عبدالباری صدیقی، پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش، پروفیسر معراج الدین قریشی، پروفیسر محمد بشیر خاں صاحب زید مجدہم کا ممنون ہوں کہ ان حضرات نے مقالہ کی ترتیب و تدوین میں مدد فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

السوادُ الاعظم

از

مولانا محمد آصف رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

سیر جنت کی ہے دیدار سواد اعظم — خوب پھولا پھلا گلزار سواد اعظم

تل کی جا آنکھ میں ہے بجائے سویدا دل میں — نور مضمون گہر بار سواد اعظم

نرگس خلد ہے گویا کریں آنکھیں شاہد — مدتوں سے ہوں میں بیمار سواد اعظم

صرف دنیا ہی میں طالب نہیں آصف یا رب!

خلد میں بھی رہے دیدار سواد اعظم

(ماخوذ از ماہنامہ "السواد الاعظم" (مراد آباد) شمارہ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ ص ۱)

آئینہ

السواد الاعظم

از

حضرت راغب مرادآبادی

۱۳۵۰ھ

فضائے عالم میں جب سے جلوہ دکھا رہا ہے سوادِ اعظم
نئی اداؤں سے ہر نظر کو لبھا رہا ہے سوادِ اعظم

دکھا کے اپنے کمال اس نے کیا ہے ایسا عروج حاصل
کہ اہلِ عالم کے دل میں مسکن بنا رہا ہے سوادِ اعظم

یہاں سے تا روم و شام و یورپ چہار جانب ہے گونج اسکی
جہاں میں نقارۂ صداقت بجا رہا ہے سوادِ اعظم

یہی وہ پرچہ ہے جس کو کہنا بجا ہے آئینۂ صداقت
رخِ مضامینِ تازہ کیا کیا دکھا رہا ہے سوادِ اعظم

جو قلب ہے وہ ہے اسکا خواہاں، جو آنکھ ہے وہ ہے اس کی جویاں
نگاہوں میں گھر دلوں میں مسکن بنا رہا ہے سوادِ اعظم

یہ بحر وہ ہے کہ جس کی تہ میں عجیب عجیب ہیں دُرِ مضامیں
جواہرِ واقعاتِ عالم لٹا رہا ہے سوادِ اعظم

ادائے مضمونِ صادقہ سے لبھا لیا ہے دلوں کو راغبؔ
ہر ایک اہلِ نظر کو مفتوں بنا رہا ہے سوادِ اعظم

(ماخوذ از ماہنامہ "السواد الاعظم" مرادآباد، شمارہ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ، ص ۱)

پس منظر

عکسِ نوادرات

حرفِ آغاز

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

چند ہستیاں ایسی بھی ہیں جو شمع کی طرح جلتی ہیں اور چاندنی کی طرح پھیلتی ہیں ؎

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

وہ چمکتی ہیں اور ایک عالم کو چمکا جاتی ہیں —— بجھتی نہیں، بلکہ ایک نئی آب و تاب کے ساتھ پھر طلوع ہوتی ہیں ؎

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

موت اسی کو مارتی ہے جو موت سے ڈرتا ہے، جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ رکھتا ہے اس کے لئے زندگی ہی زندگی ہے ؎

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

تو ان نہ مرنے والوں میں —— ان زندہ رہنے والوں میں —— ان چمک کر، چمکانے والوں میں ایک وہ بھی ہے جس کا نام نامی محمد نعیم الدین تھا اور جو مراد آباد کا رہنے والا تھا مگر سارا عالم اس کا عالم تھا —— اس نے مہ و پرویں پر کمند ڈالی —— زمانے نے اس کے قدم چومے ؎

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

برصغیر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس نے اسلام کی شمع روشن کی پھر وہ خود شمع بن

کر جلنے لگا ــــ اس کے دل کی دھڑکنوں میں ملت کا نصیبہ انگڑائیاں لے رہا تھا ــــ وہ سوتوں کو جگا رہا تھا ــــ وہ جاگتوں کو گرما رہا تھا ــــ وہ دلوں کو برما رہا تھا ــــ اور پھر جو دیکھا گھٹائیں چھٹ رہی تھیں، اجالا ہو رہا تھا ــــ قافلہ منزل پر پہنچ چکا تھا ــــ کانٹے چمن رہا تھا، پھول ہو رہا تھا ــــ مگر وہ قافلہ کو منزل پر چھوڑ کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو رہا تھا ؎

دل تو جاتا ہے اس کے کوچہ میں
جا مری جان، جا، خدا حافظ!

آسمان تاریخ کے نامعلوم کتنے ستارے ابھی ایسے ہیں جہاں ہماری نگاہیں نہ پہنچ سکیں ــــ وہ ہماری نگاہوں کے منتظر ہیں اور ہم ان کی روشنی کے متمنی ــــ ذوق و شوق ہو تو منزل کا سامان ہو ہی جاتا ہے ــــ چلتے چلتے صراط مستقیم مل ہی جاتا ہے ــــ خود بخود محرکات و اسباب فراہم ہوتے جاتے ہیں ــــ آئیے یہ داستان بھی سنئیے کہ ہم آسمان تاریخ کے ان ستاروں تک کس طرح پہنچے۔

چار پانچ برس ہوتے ہیں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی علمیت و عظمت اور سیاست و حکمت سے متعلق دو تحقیقی مقالات قلم بند کئے یعنی فاضل بریلوی اور ترک موالات (مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۱ء) اور فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۳ء) ــــ پاکستان اور بیرونی ممالک میں ان مقالات کی پذیرائی ہوئی اور کئی کئی ایڈیشن منظر عام پر آگئے ــــ بعض حضرات نے ان مقالات کی روشنی میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی مبسوط سوانح کی ضرورت پر زور دیا اور ؏

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

چنانچہ اس مقصد کے لئے مواد کی فراہمی کا آغاز کیا اور ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء تک تقریباً ۵۰۰ کتابیں، اخبارات و رسائل اور فتوے جمع کئے، اس میں ماہنامہ "السواد الاعظم" کے ایک سو شمارے بھی شامل ہیں جو حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی زید عنایتہٗ کی عنایت سے ملے ــــ ستمبر ۱۹۷۶ء

میں ان شماروں کا مطالعہ شروع کیا اور جلد ہی یہ محسوس کیا کہ اس سے قبل کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی مبسوط سوانح پیش کی جائے کیوں نہ پہلے ان کے خلیفۂ اجل صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور ان کے تلمیذ رشید تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی علیہما الرحمۃ کے وہ تاریخ ساز افکار و خیالات پیش کر دیئے جائیں جو ماہنامہ "السواد الاعظم" کے شماروں میں بکھرے پڑے ہیں اور جن کی طرف پاک و ہند کے مورخین نے اب تک توجہ نہ کی ــــ مورخ کا قلم بڑا رازدار ہے، ہزاروں راز اس قلم میں پیوست ہو کر رہ گئے ــــ محبوب کو مردود بنانا اور مردود کو محبوب بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے ــــ اندھیروں میں اجالے اور اجالوں میں اندھیرے دکھانا اس کا محبوب مشغلہ ہے ــــ بہرکیف تحقیق کا رخ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی سوانح کی تدوین سے یک لخت اس طرف پھر گیا اور اس حقیقت کا شدید احساس ہوا کہ نہ صرف فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بلکہ اگر ان کے بعض خلفاء و تلامذہ بلکہ خلفاء کے خلفاء و تلامذہ پر بھی لکھا جائے تو ضخیم مجلدات مرتب ہو جائیں ــــ اس راہ میں قدم قدم پر دل کھنچتا ہے اور نظر جمتی ہے ؎

چپہ چپہ میں ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز!

ماہنامہ "السواد الاعظم" کے مطالعہ کے علاوہ ایک فوری محرک یہ بھی ہوا کہ اسی زمانے میں لندن سے راقم کے ایک دیرینہ کرم فرما تشریف لائے، ایک قومی اور دو قومی نظریات کے بارے میں ان سے تبادلۂ خیال ہوا، راقم نے دو قومی نظریہ کی اہمیت و افادیت پر زور دیتے ہوئے اس کو برصغیر میں ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری قرار دیا، موصوف کو غالباً اختلاف تھا اس لئے انہوں نے قدرے بے دلی سے یہ فرمایا "ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو" ــــ جب "السواد الاعظم" کا مطالعہ کیا تو راقم کو اپنا خیال ہی صحیح معلوم ہوا، اس لئے ضروری سمجھا کہ تاریخی حقائق و شواہد کے ساتھ اس کو پیش کر دیا جائے تاکہ اگر کسی دل میں کوئی خلش ہو تو نکل جائے ــــ

راقم مذہب کی گود میں پلا اور ادب کی آغوش میں بڑھا، مگر بچپن میں تحریک

پاکستان کو پھلتے پھولتے اپنی آنکھوں سے دیکھا —— جس شاہی مسجد (فتحپوری دہلی) کی فضاؤں میں زندگی کے ابتدائی شب و روز گزارے، اس کے شاہی امام اور جد امجد کے عم محترم حضرت علامہ حافظ قاری محمد مصطفےٰ علیہ الرحمہ نے ۱۸۵۷ء میں فتویٰ جہاد پر دستخط فرمائے۔

جب تحریک پاکستان چلی، بچپن کا زمانہ تھا اور جب شباب پر آئی تو قدرے پختگی کا زمانہ تھا —— دہلی غیر منقسم ہندوستان کا دارالسلطنت تھا، تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین وہاں آتے تھے اور اپنی اپنی مناتے تھے، چنانچہ ۱۹۴۷ء سے پہلے بہت سے قائدین کو دیکھنے اور ان کی تقریریں سننے کا موقع ملا۔ ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح، شہید ملت لیاقت علی خان، پیر مانکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولوی ظفر علی خاں، مولوی شبیر احمد عثمانی، سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی، قاضی محمد عیسیٰ، مولوی عطاء اللہ بخاری، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولوی حسین احمد، مولوی ابوالکلام آزاد، مسٹر گاندھی، مسٹر جواہر لال نہرو، خان عبدالغفار خان اور علامہ عنایت اللہ مشرقی وغیرہ وغیرہ

الغرض سب کو سنا، خیالات میں پختگی پیدا ہوئی، پھر ملک تقسیم ہوا اور پاکستان عالم وجود میں آیا اور وہ مخالف جو اخوت و بھائی چارگی کا دم بھرتا تھا، کھل کر سامنے آیا، پھر جو کچھ ہوا نہ آنکھ اس کو دیکھ سکتی تھی اور نہ کان سن سکتا ہے —— کہنے کے لئے چیتے کا جگر چاہیے اور سننے کے لئے پتھر کا دل —— ؎

سنائیں کیا کہ کلیجہ ہی منہ کو آتا ہے
کسی کو چیر کے سینہ دکھا نہیں سکتے

یہ تھے وہ اسباب اور فکری پس منظر جس نے اس مقالہ کی تدوین کی طرف متوجہ کیا اور راہ ہموار کی —— ۹ ستمبر ۱۹۷۶ء کو مقالہ کی تیاری شروع کی اور مکمل سات ماہ بعد ۷ مارچ ۱۹۷۷ء (مطابق ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ) کو یہ مقالہ مکمل ہوا ——

فالحمد للہ علی ذالک

جن حضرات نے تحریک پاکستان اور تحریک آزادی ہند سے متعلق کتابیں لکھی ہیں ان میں سے کچھ جانب دیگر جھکے جھکے سے معلوم ہوتے ہیں —— عقیدت، احترام پر مجبور کرتی ہے پھر مورخ اس شخصیت کے بارے میں سچے واقعات نہیں لکھتا بلکہ دور از کار تاویلات سے کام لے کر اصل حقائق چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح تاریخ کو مسخ کر کے ملت کے سامنے پیش کرتا ہے —— بعض اوقات ایک بات نامعقول نظر آتی ہے لیکن جب دلائل و شواہد اور تاریخی حقائق کی طرف نظر جاتی ہے تو وہ معقول معلوم ہونے لگتی ہے —— اس طرح بعض اوقات ایک بات معقول نظر آتی ہے مگر جب دلائل و شواہد اور تاریخی حقائق پر نظر جاتی ہے تو وہ نامعقول لگنے لگتی ہے —— مورخ کا فرض ہے کہ وہ دلائل و شواہد اور تاریخی حقائق پر نظر رکھے اور محض عقیدت کی بنا پر کسی کے حق میں فیصلہ نہ سنا دے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان اور تحریک آزادی ہند کے بعض مورخین پر عقیدہ اور عقیدت غالب رہی ہے بالخصوص جہاں تحریک آزادی میں علماء کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ تاریخ کو عقیدے اور عقیدت پر غالب ہونا چاہیئے، دین اسلام کے مخلص خدمت گاروں میں یہ دیکھنا کہ کون ہمارا ہم عقیدہ ہے اور کون نہیں ہے، جو ہے اس کو آسمان پر چڑھا دو جو نہیں ہے اس کو زمین پر گرا دو —— یہ انداز فکر نہایت ہی غیر مورخانہ ہے ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل !
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جب مورخ ایک طرف جھکنے لگتا ہے تو اس کو ساری خوبیاں اور کمالات اسی طرف نظر آنے لگتے ہیں، دوسری طرف کچھ نظر نہیں آتا —— "نقش حیات" اس طرف، دوسری طرف "نقش ممات" —— "شاندار ماضی" اس طرف، دوسری طرف "غبار ماضی" —— "بجھانے چراغ" اس طرف، دوسری طرف "مردہ چراغ" —— "بڑے مسلمان" اس طرف، دوسری طرف "چھوٹے مسلمان" —— الغرض اُدھر دھوپ چمک رہی ہے اور اِدھر گھٹائیں چھا رہی ہیں، کوئی دیکھے تو کیا دیکھے اور سمجھے تو کیا سمجھے ؟

راقم کے سامنے ایسے نظائر موجود ہیں کہ ایک مورخ کے سامنے عزم و ہمت کے

عدیم المثال واقعات گزرے مگر وہ اس کا ہم عقیدہ نہ تھا ۔۔۔۔ اس لئے جب وہ تاریخ لکھنے بیٹھا تو اس کا دامنِ نظر اتنا تنگ ہو گیا کہ اس صاحبِ عزیمت کے احوال تو کیا لکھتا، نام تک لکھنا گوارہ نہ کیا ؛

میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی ملک و ملت کا حقیقی خیر خواہ ہے اور اس خدمت سے اس کی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تو محض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے اس کی تاریخ ساز جدوجہد کو ملیا میٹ نہ کر دینا چاہیئے، خصوصاً جبکہ وہ تحریک آزادی میں اساسی حیثیت کا مالک ہو، تمام گروہی تعصبات اور جماعتی وابستگیوں سے بالاتر رہ کر پاکستان کے مؤرخ کو ۔۔۔ ۔۔۔ تاریخی حقائق پر خالی الذہن ہو کر غور کرنا چاہیئے اور "دانش برہانی" و "دانش نورانی" کے سہارے یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ وہ کون علماء حق تھے جن سے حقیقی طور پر علامہ اقبال اور قائد اعظم نے اکتساب فیض کیا اور جن کی جدوجہد نے برصغیر میں مسلمانوں میں جذبہ اسلامی اور تشخص ملی کو برقرار رکھا اور بالآخر ان کا عزمِ صمیم ایک بڑی اسلامی مملکت "پاکستان" کی تمہید ثابت ہوا ۔۔۔ ان علماء حق میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ آپ کے ہی خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور ان کے تلمیذ رشید مفتی محمد عمر نعیمی کی سیاسی خدمات کا اس مقالے میں جائزہ لیا جا رہا ہے

دنیا کے عبقری، ملک و ملت کا اثاثہ ہوتے ہیں، ان کو کسی طبقے کی ملکیت خیال کرنا سخت غلطی ہے ۔۔۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ایک بے مثال "عبقری" تھے اور اپنے وقت کے امام برحق ؎

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

جب ہم تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو اقبال کے ان اشعار کا مفہوم اور واضح ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

ان کی شخصیت پر ہزار پردے ڈال دیے گئے تھے، اب ہٹ رہے ہیں، اٹھ رہے ہیں، حقیقت آشکار ہو رہی ہے ۔۔۔ تعجب ہے پاکستان میں قوم پرست علماء پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، ان کے نام پر اکیڈمیاں قائم ہو سکتی ہیں. مگر جنہوں نے خلوص دل سے اسلام اور پاکستان کی حمایت کی اور اس کے لئے جان کو جان نہ سمجھا اور عزت و آبرو کو آبرو ان پر کتابیں لکھنا اور ان کے نام پر اکیڈمیاں قائم کرنا بعض لوگوں پر گراں ہے گویا ان حضرات کے لئے پاکستان کی سرزمین، پاکستان نہیں ہے ۔۔۔ یہ نہایت ہی افسوسناک طرز فکر ہے۔ ضرورت ہے کہ پاکستان کی تاریخ کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھا جائے، تعصب و تنگ دلی کے پردے ہٹا کر اس ذخیرے کو تلاش کیا جائے جس کو ہمارے مؤرخ نے اب تک چھوا بھی نہیں۔

سیاست جدیدہ میں ہوا کا رخ دیکھا جاتا ہے، قائدین اسی طرف چلتے ہیں جس طرف ہوا چلتی ہے ۔۔۔ مگر اسلامی سیاست میں اس طرز عمل کا عمل دخل نہیں، وہاں وہی کیا جاتا ہے جو خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو منظور ہوتا ہے ۔۔۔ یہ سیاست جذبات نفسانیہ کے سایہ میں نہیں بڑھتی بلکہ عقل و دل کے سہارے آگے بڑھتی ہے، اس لئے تحریک آزادی ہند میں ایسے مرحلے بھی آئے جب جذبات، عقل و دل پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں مگر فیصلہ ہمیشہ وہی دیرپا ہوتا ہے جو عقل و دل کی روشنی میں کیا جاتا ہے ۔۔۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے جذباتی دور میں جب کہ قائد اعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ، اسلامی حمیت و غیرت اور بے مثال جوش و جذبے کے ساتھ منظر عام پر آتے ہیں، نہ ان کو اپنی جان کی پروا، نہ عزت کی، وہ بستر مرگ پر پڑے تھے اور تہمت خلق کے سیاہ بادل چاروں طرف منڈلا رہے تھے ۔۔۔ ہاں انہوں نے اور ان کے بعض خلفاء و تلامذہ نے جس مومنانہ فراست کا ثبوت دیا وہ اب چاند کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے ۔۔۔ مگر اس وقت جذبات کی آندھیوں نے دمکتے چہرے چھپا دیے تھے ۔۔۔ ان آندھیوں میں وہ بڑھتے رہے ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

تعجب ہے کہ "متحدہ قومیت" کے علم برداروں نے دو قومی نظریہ کے داعی اور مجاہد فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے کچھ اس طرح بدگماں کیا ہے کہ بدگمانی، بدگمانوں کے رگ و ریشہ میں رچی بسی معلوم ہوتی ہے، متوجہ کرنے کے باوجود محققین متوجہ ہوتے نظر نہیں آتے، سنی سنائی باتوں سے بددل ہو جانا محقق و مؤرخ کو زیب نہیں دیتا مگر ہمارے ملک میں یہ بھی ہوتا ہے ——— "میں کہتا ہوں، خود دیکھو، خود پرکھو" ——— وہ کہتے ہیں "ہم کو ضرورت نہیں، جو سن لیا ہے، وہی کافی ہے" ——— ان حضرات کا یہ طرزِ عمل کم از کم راقم کے لئے ناقابلِ فہم ہے ——— ایک طرف یہ افراط کہ "متحدہ قومیت" کے علم برداروں اور پاکستان کے مخالفوں کے لئے دل میں عزت و احترام ہے اور دوسری طرف یہ تفریط کہ دو قومی نظریہ کے علم برداروں اور اسلام کے محافظوں کے لئے دل میں نفرت و حقارت ——— تیس[۳۰] سال گذر چکے ہیں مگر یہ نفرت کم نہیں ہوئی ——— جب ہندوؤں کے ساتھ "متحدہ قومیت" کے نقطے پر اور قوم پرست علماء اور مسلمانوں سے عقیدے کی یکسانیت پر قربت و محبت ممکن ہے تو صرف "پاکستان" کے نقطے پر ان حضرات سے قربت و محبت کیوں ممکن نہیں؟ ——— اگر وہ ممکن ہے اور یہ ممکن نہیں تو پاکستان کے مؤرخ کے دل میں شکوک و شبہات کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے ———

یہ ضروری نہیں کہ اب تک جو کہا گیا اور جو سنایا گیا ہے، صحیح ہو ——— تاریخی واقعات، عقائد نہیں ——— بلکہ عقائد میں بھی جبر و اکراہ نہیں، پھر تاریخ میں جبر و اکراہ کیسے ممکن ہے؟ ——— کوئی اختلاف کرنا چاہتا ہے، اس کو اختلاف کی پوری آزادی ہے بشرطیکہ اختلاف کی بنیاد ذاتی تعصب اور تنگ دلی نہ ہو، صرف حقائق و شواہد ہوں ——— اس سلسلے میں کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمود حسین مرحوم نے بڑی دل لگتی بات فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"تاریخ میں اختلاف رائے ایک معمولی امر ہے، یہ تحقیق میں کسی طرح حارج نہیں۔ تاریخی مسائل میں اختلاف رائے کا پایا جانا ایک اعتبار سے ضروری بھی ہے۔

علم تاریخ میں ایک فرد کی کوشش بالکل ناکافی ہوتی ہے، کیونکہ کسی مؤرخ کی آنکھ میں اتنی تیزی نہیں کہ واقعہ کو اس کے پورے پس منظر میں دیکھے، مختلف آنکھوں کی مدد ہی سے وہ بصیرت حاصل ہو سکتی ہے جس سے واقعہ کی ماہیت کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے ——— مختلف نقطہ ہائے نظر سے مسئلے کے سمجھنے میں الجھاؤ ضرور پیدا ہو جاتا ہے، لیکن دلائل کی تنقیدی جانچ سے اس الجھاؤ کو دور کیا جا سکتا ہے اس لئے ——— تاریخ بنیادی طور پر ایک ایسا علم ہے جس میں تنقید کے ذریعہ ہی حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے ———"

(محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۲۴)

لیکن ہماری بعض تحقیقات، سیاست بن کر رہ گئی ہیں، جس بات کو قبولِ عام حاصل ہو چکا ہے، وہی کہنی چاہیئے، اس کے خلاف زبان کھولی تو علمی حلقے بھی چراغ پا نظر آتے ہیں ——— دلائل و شواہد کی کوئی نہیں سنتا کہ سیاست میں دلیل سے زیادہ جذبات کی پوچھ ہوتی ہے ——— پاکستان کے ایک فاضل نے بہت خوب فرمایا:

"ریسرچ اور سیاست میں بڑا فرق ہے، سیاست داد کی طالب ہے اور قبولِ عام حاصل کرنا چاہتی ہے، اس میں صحیح یا غلط کا امتیاز بہت کم کیا جاتا ہے ——— سیاست یہ ہے کہ جو بات جمہور کی خواہش کے مطابق ہے، اسے اپنایا جائے اس کے برعکس ریسرچ کے تقاضے مختلف ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ ریسرچ کے نتیجے میں جو فکری شہ پارے پیش کریں، ان پر تنقید ہو اور آپ مطعون قرار دیئے جائیں اور آپ کا کام قبولیت کے درجے پر فائز نہ ہو ——— لیکن بندۂ آزاد، داد کا طالب نہیں ہوتا۔"

(ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۲۲۹)

واقعی ریسرچ، سیاست نہیں ——— مگر ہماری تاریخ کے ایک حصے پر جو علماء و صوفیہ سے متعلق ہے، سیاست چھائی ہوئی ہے ——— بعض مؤرخ تو وہ ہیں جو علماء حق سے قریب نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بے خبر رہے ——— بعض کی وفاداریاں قوم پرست علماء کے ساتھ تھیں وہ کھل کر لکھ نہ سکے بلکہ بعض نے تاویلات سے کام لے کر تاریخ کو مسخ

کرنے کا فریضہ ادا کیا ہے —— بعض محض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے اپنے مخالف علماء کی خدمات کو نہ سراہ سکے ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آزادی ملے ہوئے تیس برس بیت جائیں اور قوم اپنے محسنین سے ناآشنا رہے —— محسن کشی، احسان فراموشی یا یوں کہیے کہ خود فراموشی کی بدترین مثالیں پیش کی گئیں —— پاکستان کی تاریخ میں علماء حق کے کردار کو جو بانظر اجاگر کرسکتا تھا وہ مسخ ہوگیا —— اس لئے اب جب وہ لکھا جاتا ہے جو نہ لکھا گیا، وہ کہا جاتا ہے جو نہ کہا گیا اور وہ سنایا جاتا ہے جو نہ سنایا گیا تو جنہوں نے اس خزانے کو دفن کیا تھا حیران ہو ہو کر پوچھتے ہیں "کیا نئی تاریخ گھڑی جا رہی ہے"؟ —— سبحان اللہ! دفینوں کی کھوج لگانا اور چھپے خزانوں کو نکالنا بھی جرم ہے! —— علماء حق نے تاریخ اسلام خصوصاً تاریخ پاک و ہند پر جو دور رس اثرات چھوڑے ہیں، تحقیقی نظر سے ان کا جائزہ لیا جانا چاہیئے، یہ کام کوئی علمی اور تحقیقی ادارہ ہی بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ اگر کسی فاضل نے اس طرف توجہ نہ فرمائی تو ان شاءاللہ، فقیر ہی اس اہم کام کا بیڑا اٹھائے گا۔

پیش نظر مقالے میں اس مدفون خزانے کی صرف ایک جھلک دکھائی ہے اور علماء اہلسنت کے صرف دو نابغۂ روزگار ہستیوں کی سیاسی خدمات کا جائزہ لیا ہے (یعنی صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی رحمہما اللہ تعالےٰ) اور یہ بتایا ہے کہ ان حضرات نے کس دل سوزی اور لگن کے ساتھ اسلام کی خدمت کی اور سیاسی سطح پر مسلمانوں میں اسلامی حرارت پیدا کی اور اس طرح پاکستان کے لئے فضا کو سازگار اور راہ کو ہموار کیا ؎

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

لیکن ان خدمات کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ ان حضرات کی کوشش فرقہ پرستانہ نہ تھی بلکہ مومنانہ تھی —— ہنود کے سیاسی طرز فکر نے اس میں اور شدت اور گہرائی پیدا کردی تھی —— یہ کہنا حقیقت واقعہ کے خلاف ہے کہ قوم پرست ہندو مسلمان سیدھے سادے طریقے سے ہندوستان اور اس کے باسیوں کو متحد رکھنا چاہتے تھے،

اسلام پرستوں نے تفرقہ ڈالا —— مخالفین کی طرف سے قائد اعظم پر بھی یہی الزام لگایا جاتا ہے —— اس لئے ضروری سمجھا کہ جہاں السواد الاعظم کے مضامین کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے علماء حق کی خدمات کا جائزہ لیا جائے وہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ "متحدہ قومیت" کا تصور محض سیدھا سادا تصور نہ تھا، اس کی جڑیں بہت گہری تھیں —— دراصل دو فلسفوں کا کھلا تصادم تھا —— "شرار بولہبی" "چراغ مصطفوی" سے آمادۂ پیکار تھا —— ایک طرف "فلسفہ گاندھی" تھا تو دوسری طرف "فلسفہ محمدی" (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ——

شاید "فلسفہ گاندھی" کے غیر مسلم مؤیدین اسلامی حکومت کے یہ معنی لیتے تھے کہ جہاں مسلمانوں کے علاوہ ساری اقلیتیں غیر محفوظ ہوں —— لیکن یہ بات "سوراج" میں ممکن تھی کہ ہنود کے علاوہ سب غیر محفوظ رہیں —— "سوراج" کی بات چھوڑیئے "لادینی حکومت" کی بات کیجئے، یہاں بھی اقلیتیں اتنی محفوظ و مامون نہیں جتنی اسلامی حکومت میں ہوتی ہیں —— دنیا کی اسلامی حکومتوں اور لادینی حکومتوں کے تقابلی جائزہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی —— اور لادینی حکومتوں میں اقلیتوں کے ساتھ رہا سہا جو حسن سلوک ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ اس اقلیت کی ہم مذہب حکومتیں ہیں یا پھر عالمی دباؤ ہے —— حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں اقلیت کے ساتھ حسن سلوک پر خوف خدا ابھارتا ہے اور لادینی حکومتوں میں بندوں کا خوف —— خدا ہر جگہ ہے، بندہ ایک جگہ —— بندہ کی نظر سے بندہ بچ سکتا ہے، خدا کی نظر سے نہیں بچ سکتا —— جب فرد میں خشیت الٰہی کا یہ عالم ہو تو وہ ہر حالت میں اقلیت کا نگہبان ہوگا اس لئے "فلسفہ گاندھی" سے "فلسفہ محمدی" (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) بہت اونچا ہے ؎

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیئے

تو بات اتنی نہ تھی کہ وہ کہتے تھے "مل جل کر رہو" اور ہم کہتے تھے "نہیں ہم الگ رہیں گے" —— یہی سمجھا گیا اور یہی سمجھایا گیا اور ایک عظیم تاریخی حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل

رکھا گیا ——— نہیں نہیں بات یہ نہ تھی، بات یہ تھی کہ "رہنا ہے تو ہمارے بن کر رہو۔" اور ہم کہتے تھے "ہم تو محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہیں، تمہارے بن کر نہیں رہ سکتے" ——— یہ محبت کی آن کا مسئلہ تھا ——— حریم ناز میں محبوب کی لاج کا مسئلہ تھا ——— معمولی مسئلہ نہ تھا ——— بہت اہم مسئلہ تھا ———

اسلام کی نظر میں حقیقی آزادی یہ ہے کہ حکومت میں احکام الٰہیہ اور نظام مصطفےٰ کا اقتدار اعلیٰ ہو اگر یہ نہیں تو پھر انگریز کی حکومت ہو یا ہندو کی، اسلام کی نظر میں برابر ہے بلکہ اس کی زیادہ بہتر ہے جس کی حکومت میں مسلمان شعائر اسلامی پر پابند رہتے ہوئے زیادہ محفوظ ہوں ——— اگر "متحدہ قومیت" کا تصور صحیح تھا تو ۱۹۴۷ء سے قبل اور بعد کے واقعات و حادثات پر نظر ڈالیئے اور خود فیصلہ فرمایئے اور یہ دیکھئے کہ وہاں مسلمانوں کی حالت اب بہتر ہے یا پہلے بہتر تھی؟ لازمی طور پر بعد میں بہتر ہونی چاہئے تھی مگر ایسا نہیں ہوا ———

اس نازک دور میں جب کہ قوم کا سیاسی شعور پختہ نہیں بعض حضرات "متحدہ قومیت" کے علم بردار علماء کے کردار کو محسن اسلام بنا کر پیش کر رہے ہیں اور شاید وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ غیر شعوری طور پر نئی نسل کے دل میں ان کی محبت قائم کر کے بالواسطہ طور پر "متحدہ قومیت" کے تصور کو پھیلا رہے ہیں، یہ طرز عمل نہایت ہی خطرناک ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کی غلطیوں سے قوم کو آگاہ کر کے ان کے مقابلے میں علماء حق کے کردار کو روشن کرتے اور اس طرح ان کے سیاسی شعور کو پختہ تر کرتے مگر افسوس ایسا نہیں ہوا ——— ان کے مقابلے میں بعض منصف مزاج اور درد مند قلم کاروں نے ایسی کتابیں پیش کی ہیں جن سے علماء حق کے اس مقدس گروہ کے کچھ احوال معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں مولوی محمود احمد قادری کی تذکرہ علمائے اہل سنت (مطبوعہ کانپور ۱۹۷۱ء) جناب محمد صادق قصوری کی اکابر تحریک پاکستان (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء) مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی تذکرہ اکابر اہل سنت (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض اداروں نے بھی سنجیدہ مقالات اور رسائل شائع کئے ہیں ان میں مرکزی مجلس رضا لاہور، مکتبہ قادریہ لاہور، مکتبہ حامدیہ لاہور، مکتبہ رضویہ لاہور، مکتبہ

نوریہ لاہور، مکتبہ نبویہ، لاہور، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، مجلس رضا، سرائے عالمگیر، مکتبہ رضویہ، گجرات، رضا پبلی کیشنز، لاہور قابل ذکر ہیں ——— چند حضرات مفید کام کر رہے ہیں، ان میں مولانا محمد مرید چشتی سیالوی، مولانا اختر الحامدی، مولانا جلال الدین، مولانا محمد یٰسین اعظمی مبارکپور، جناب محمد صادق قصوری، جناب سید نور محمد قادری، سید محمد فاروق القادری گڑھی اختیار خاں اور جناب خواجہ رضی حیدر صاحب قابل ذکر ہیں۔

یہ کوششیں گو قابل قدر ہیں مگر اس تحریک پر محیط نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی مرکزی تحقیقاتی ادارہ اس طرف توجہ کرے کیونکہ اس تحریک میں ایسی بھاری بھرکم شخصیتیں نظر آتی ہیں جن پر انفرادی طور پر تحقیقی مقالات لکھنے کی ضرورت ہے، یہ سلسلہ مقالات آگے چل کر انسائیکلو پیڈیا کی شکل اختیار کر سکتا ہے، سردست ایک سوانحی قاموس کی تدوین کی طرف فوری توجہ دینی چاہیئے، اس قاموس میں جدید تحقیقی قواعد و ضوابط کو سامنے رکھ کر قابل ذکر اکابرین کی مساعی کا مجمل مگر جامع جائزہ پیش کیا جائے۔

پیش نظر مقالے میں مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں:۔

(۱) بعض اشخاص کے لئے ناموں کے بجائے ان کے مشہور و معروف القاب استعمال کئے ہیں اور ایسا اختصار کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ مثلاً مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے لئے "فاضل بریلوی"، مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کیلئے "صدر الافاضل" اور مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کیلئے "تاج العلماء" ——— کے القاب استعمال کئے ہیں۔

(۲) یہ اہتمام رکھا گیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اصل ماخذ سے استفادہ کیا جائے۔ مثلاً وہ کتابیں، رسائل و اخبارات، اشتہارات اور فتوے جو اس دور سے متعلق ہیں اور اسی دور میں شائع ہوئے ——— ثانوی ماخذ سے اسی وقت استفادہ کیا گیا ہے، جب اصل ماخذ سے اس کی تائید ہوتی نظر آئی۔

(۳) مخالف و موافق سب کا احترام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مگر واقعات کے بیان میں مؤرخانہ دیانت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۴) واقعات و حادثات کو اسلامی نقطۂ نظر سے پرکھا ہے، کسی عقیدے کی اس پر چھاپ نہیں، تاریخ اسلام، اسلام کے تابع ہے، آزاد نہیں اور اسلام دین فطرت ہے، اس لئے اسلامی نقطۂ نظر دراصل انسانی نقطۂ نظر ہے

(۵) چونکہ موضوع السواد الاعظم کے مندرجات سے بحث کرنا تھا اس لئے دوسرے علماء کی خدمات اور کارناموں کا سرسری ذکر کیا گیا ہے۔

راقم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ واقعات کو دلائل و شواہد کی روشنی میں بیان کر دیا جائے۔ پھر بھی اگر استدلال میں یا استنباط نتائج میں غلطی ہوگئی ہو تو محققین و مورخین دلائل و براہین کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر سے مطلع فرمائیں ان شاء اللہ تعالےٰ دوسرے ایڈیشن میں ضروری اصلاح کردی جائے گی، جو کچھ کہا گیا ہے، "تلمیذانہ" ہے "استادانہ" نہیں — بیان حقائق میں اگر کسی کی دلآزاری ہوئی ہو تو راقم معذرت خواہ ہے، راقم کا مقصود ہرگز ہرگز کسی کی تذلیل و تحقیر نہیں صرف پوشیدہ حقائق کو ظاہر کرنا ہے —

اصل میں یہ کام ان مورخین یا محققین کا تھا جو ہمارے علمی و تحقیقی اداروں اور جامعات سے متعلق ہیں مگر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ شاید یہ مواد ان تک نہ پہنچ سکے یا پہنچے تو بعض وجوہ کی بنا پر وہ نہ لکھ سکیں اور اس طرح تاریخ کا یہ روشن باب المناک طریقے سے فراموشی کی نذر ہو جائے، اس طرف توجہ کی گئی اب یہ منصف مزاج مورخ کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ تاریخ پاکستان میں اس کو وہ مقام دے جس کا یہ مستحق ہے — اس مقالہ کا مقصد وحید تاریخ کے منتشر اوراق مرتب کرنا ہے تاکہ نئی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہو کر اپنے جسموں میں نئی حرارت محسوس کرے، تحریک عمل میں اسلاف کے کارنامے اکسیر اعظم کا حکم رکھتے ہیں، جس قوم کا ماضی اس کے سامنے نہیں وہ نہ حال میں جی سکتی ہے اور نہ مستقبل کی تعمیر کر سکتی ہے اس لئے قوم میں زندگی و حرارت کے لئے ماضی کا آئینہ دکھانا ضروری ہے تو ہم صرف آئینہ دکھانا چاہتے ہیں :-

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ
وہی زمیں، وہی آسماں ہے قم باذن اللہ

کیا نوائے اناالحق کو آتشیں تو نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے قم باذن اللہ

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
ٹھٹھہ (ضلع تھرپارکر، سندھ)

۷ مارچ ۱۹۷۷ء

تقدیم

از

سید انور علی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان

(۱)

قیامِ پاکستان "سوادِ اعظم" کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اس کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ سوادِ اعظم یعنی اہلِ سنت وجماعت برصغیر پاک وہند کی مسلم آبادی کا تقریباً نوّے فی صد ہے، ظاہر ہے کہ پاکستان کا حصول ان کی تائید کے بغیر ممکن نہ تھا بلکہ بعض حقائق وشواہد سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ "تصورِ پاکستان" اور "تحریکِ پاکستان" از ابتدا تا انتہا علماء اہلِ سُنت وجماعت کے افکارِ عالیہ اور مساعیٔ جمیلہ کی مرہونِ منّت ہے۔

سوادِ اعظم کی رہنمائی ہمیشہ اہلِ اللہ اور علمائے حق کے ہاتھوں میں رہی ہے اور ان نفوسِ قدسیہ کا ہر کام محض رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حضرات ذاتی اغراض و مقاصد اور نام ونمود سے بے نیاز رہ کر اپنا کام انجام دیتے رہے اور اس کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ بنو امیّہ اور بنو عباس سے لے کر مغل بادشاہوں تک تمام مسلم سلطنتوں میں حاکم ومحکوم دونوں کی دینی اور بڑی حد تک سیاسی رہنمائی میں ان حضرات کا دخل رہا ہے مگر یہ لوگ ہمیشہ نام ونمود سے بے نیاز رہے غالباً اسی لئے ان کا ذکر کتبِ تاریخ میں نہیں، کتبِ سیر میں ملتا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں بھی یہی کچھ ہوا۔ جن بزرگوں نے مسلمانانِ ہند کے لئے ایک جداگانہ مملکت کا تصور پیش کیا اور پھر اس مملکت کو حاصل کرنے کے لئے انتھک جدوجہد کی وہ اپنی فطری سادگی وخلوص ذہنی

جاہ وجلال سے بے نیازی اور شہرت ناپسندی کی وجہ سے پردۂ گمنامی میں چلے گئے اور کامیابی کا سہرا چند ایسے علماء کے سر باندھ دیا گیا جو ساری عمر متحدہ ہندوستان کے لئے کوشش کرتے رہے اور بہت بعد میں اس وقت تحریکِ پاکستان میں شامل ہوئے جب کہ معمولی بصیرت رکھنے والا انسان بھی پاکستان کو ذرا دیکھ رہا تھا۔

حق وانصاف کا تقاضا تھا کہ تحریکِ پاکستان کے ان محسنوں کی خدمات کا تاریخی حقائق وشواہد کی روشنی میں جائزہ لیا جائے جنھوں نے برسہا برس کی جدوجہد کے بعد پاکستان کے لئے راہ ہموار کی ــــ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور سات ماہ کی طویل محنت کے بعد پیشِ نظر کتاب مکمل کی جس کی اساس، بے بنیاد قیاسات اور خلافِ حقیقت خوش فہمیوں پر نہیں بلکہ تاریخی حقیقتوں پر ہے۔ مگر یہ اصل کام کا محض ایک حصہ ہے کیونکہ اس کتاب میں اہلِ سُنت وجماعت کی جدوجہد آزادی کی پوری داستان نہیں بلکہ ماہنامہ "السواد الاعظم" (مراد آباد) کی روشنی میں صرف دو علماء اہلِ سنت یعنی حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت مفتی محمد عمر نعیمی کے سیاسی افکار وخدمات کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے جو برصغیر پاک وہند میں احیاءِ اسلام، ملّتِ اسلامیہ کی بقاء اور تحریکِ پاکستان سے متعلق ہے۔

ماہنامہ السواد الاعظم ۱۹۱۸ء میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی سرپرستی اور مفتی محمد عمر نعیمی کی ادارت میں مدرسہ عالیہ اہلِ سنت وجماعت (مراد آباد) سے جاری ہوا۔ اس کے بنیادی مقاصد یہ تھے :-

۱۔ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو واپس لانا۔

۲۔ ملّی وحدت کو قائم کرنا۔

۳۔ اخلاق اور طرزِ معاشرت کی اصلاح کرنا۔

(۲)

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے السواد الاعظم سے جو تاریخی مواد پیش کیا ہے اس کو برصغیر کے مکمل سیاسی پس منظر سے علٰحدہ کر کے سمجھنا ذرا مشکل تھا اس لئے انھوں نے

کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت اور اس کے اجزاد ترکیبی پر پس منظر میں سیر حاصل بحث کی ہے، اور اس کے ذیل میں تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک ترک گاؤکشی کا ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم اجمل خاں اور مفتی محمد کفایت اللہ وغیرہ کی سرگرمیوں پر طائرانہ نظر ڈالی ہے، اور عجیب وغریب انکشافات کئے ہیں، اس مخصوص پس منظر میں ان حقائق وواقعات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے جو السواد الاعظم کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں۔

(۳)

تحریک پاکستان میں دو قومی نظریہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس نظریہ کا تعارف بظاہر تو قرارداد پاکستان سے ہوا جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور (۱۹۴۰ء) میں منظور ہوئی مگر حقیقت میں اس کی بنیاد بہت پہلے پڑ چکی تھی۔

مسلمان اپنے ایمان وعمل کے اعتبار سے ایک جداگانہ قومیت کی حیثیت رکھتے ہیں برصغیر میں مسلمان اگرچہ اقلیت میں رہے مگر وہ یہاں ناصح ومصلح اور فاتح وحاکم کی حیثیت سے آئے اور صدیوں تک غیر مسلم اکثریت پر راج کیا، غیر مسلم اکثریت اگرچہ مسلمانوں کے جاہ وجلال اور جذبہ جہاد کے سبب سر نہ اٹھا سکی مگر اس نے سیاسی چالوں کے ذریعہ مسلم اقلیت کو غیر مسلم اکثریت میں ضم کرنے کی کوشش کی، اس قسم کی سب سے پہلی کوشش دسویں صدی ہجری میں اکبر بادشاہ کے ایجاد کردہ مذہب "دین الٰہی" کے ذریعہ کی گئی، اس نئے مذہب کا مقصد یہی تھا کہ تمام مذاہب بشمول اسلام ایک مشترکہ مذہب میں ضم ہو جائیں تاکہ کفر و اسلام میں امتیاز باقی نہ رہے اور اس طرح مسلمانوں کی ملی وحدت خود بخود ہندو اکثریت میں فنا ہو جائے مگر اس کوشش کو ناکام بنانے کے لئے ایک طرف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاموش کوشش کی، تو دوسری طرف خانوادۂ نقشبندیہ کے ایک باعظم عظیم المرتبت مجاہد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ مجاہدانہ سرگرم عمل ہوئے بالآخر دین الٰہی کا شیش محل پاش پاش ہو گیا اور برصغیر سے اس کے اثرات تک زائل ہو گئے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے بعد آپ کے صاحبزادگان اور نبیرگان نے اصلاحی

تحریک کو آگے بڑھایا، اور اس طرح ایک قومی نظریہ کے داعی اکبر بادشاہ کے بعد اس کا پوتا اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ دو قومی نظریہ کی عملی تفسیر بن کر سامنے آیا۔ غالباً اسی لئے اورنگ زیب ایک قومی نظریہ کے حامیوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، کہیں اسی کھٹک نے مولانا آزاد کو سرمد کے پردے میں دارا شکوہ کی حمایت اور اورنگ زیب کی مخالفت پر تو آمادہ نہیں کیا؟

برصغیر میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تحریک، صوفیہ کے ہاتھوں چلنے والی پہلی دو قومی نظریہ کی تحریک تھی، اس کے بعد بارہویں اور تیرھویں صدی ہجری میں سلطنت مغلیہ کے انحطاط کے بعد مسلمانوں کو بحیثیت قوم متحد رکھنے اور ان کی دینی و دنیوی زندگی کو صحیح خطوط پر چلانے کے لئے حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادگان نے بالخصوص اور دوسرے علماء نے بالعموم گراں قدر خدمات انجام دیں۔

برصغیر میں مسلمانوں کی ملی وحدت کو فنا کرنے کی دوسری کوشش آل انڈیا کانگریس کے تعاون سے چلائی جانے والی تحریک ترک موالات اور مسلمانوں کے تعاون سے چلائی جانے والی تحریک ترک گاؤکشی، اور تحریک ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ کی گئی۔ یہ تحریکیں برصغیر میں چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں پورے شد ومد کے ساتھ چلیں اور اکثر مسلمان علماء اور سیاست داں کانگریسی لیڈر مسٹر گاندھی کے ہمنوا بن کر میدان میں آئے، اس نازک دور میں اہل سنت وجماعت کے بطل جلیل مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ آگے بڑھے۔ اور موثر دلائل سے ان تمام تحریکوں کو "اسلام دشمن" اور "مسلمان دشمن" ثابت کر کے علماء حق کی رہنمائی فرمائی اور مسلمان سیاستدانوں کی آنکھیں کھول دیں چنانچہ آپ کے فتاویٰ کی اشاعت کے بعد مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور دوسرے اکابرین نے اپنے سیاسی طرز عمل کا جائزہ لیا۔ اور ان تحریکوں سے علٰحدگی اختیار کر لی۔ رفتہ رفتہ یہ جذباتی تحریکیں بھی ختم ہو گئیں اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا احساس ابھرنے لگا جو مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے زیر اثر علماء اہل سنت کی مساعی کا مرہون منت ہے۔ علماء دیوبند نے اپنے متبعین کی اکثریت کے دینی جذبہ کو اس انداز سے ابھارا

گروہ ایک قومی نظریہ کے حامی ہوکر ہنود کے قریب چلے گئے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں
بریلوی اور ان کے متبعین نے اس جذبہ کو اس طرح ابھارا کہ مسلمان ہنود سے دور ہوکر
اسلام کے قریب آگئے۔ دونوں کی دینی خدمات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بہرکیف
مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے زیر اثر علماء کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ برصغیر کی
تقسیم اور مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا تصور سامنے آیا جو بعد میں ایک ہمہ گیر تحریک کی
صورت اختیار کر گیا۔ اس تحریک میں آل انڈیا سنی کانفرنس (مؤسسہ ۱۹۲۵ء) کے
جھنڈے تلے اہل سنت و جماعت کے علماء و صوفیہ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آگے بڑھے
اور پھر حصول پاکستان کی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔ ضرورت اس بات کی ہے
کہ ان تمام بزرگوں کی خدمات کو روشناس کرایا جائے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اپنی
دوسری تالیف میں جو وہ اس کے بعد پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، برصغیر میں مسلمانوں کی
آمد سے لے کر حصول پاکستان تک کی پوری تاریخ کا جائزہ لے کر اہل سنت و جماعت کے
علماء و صوفیہ کی ان خدمات کا تعارف کرائیں گے۔ اور اس طرح وہ اس عظیم کام کو تکمیل تک
پہنچائیں گے جس کا آغاز انہوں نے اس کتاب کی تالیف سے کر دیا ہے۔

(۴)

درحقیقت اس قسم کی علمی و تحقیقی کتابیں لکھنا پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ہی کے بس
کی بات ہے۔ انہوں نے شہروں میں بیٹھ کر بھی لکھا ہے اور ویرانوں میں بھی ـــــ ان کے
عزم بلند کے سامنے نہ شہروں کے بلاخیز ہنگامے آڑے آئے اور نہ ویرانوں کے وحشت خیز
سناٹے ـــــ وہ آجکل صحرائے تھر (سندھ) کے ایک کالج کے پرنسپل ہیں اور وہیں بیٹھ کر
انہوں نے ـــــ یہ کتاب مکمل کی ہے ـــــ "اطمینان قلب" کی یہ دولت ان کو
اپنے والد ماجد حضرت مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر سے ملی
ہے۔ حضرت مفتی اعظم پاک و ہند کے جلیل القدر عالم اور فقید المثال عارف تھے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کو علمی اور تاریخی تحقیق کا فطری ذوق ہے۔ زمانہ طالبعلمی
سے ان کی نگارشات منظر عام پر آرہی ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے وہ مسلسل لکھ رہے ہیں۔ گذشتہ

بیس برسوں میں ان کی ۲۰ تصانیف شائع ہو چکی ہیں اور چند منتظر اشاعت ہیں۔ اس کے
علاوہ پاک و ہند کے مؤقر جرائد میں ان کے ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ تحقیقی مقالات و مضامین
شائع ہو چکے ہیں۔ چند مقالات انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اپنے والد ماجد مفتی اعظم علیہ الرحمہ
سے فیض یافتہ ہیں جن کے پاس علماء و عرفاء کے علاوہ اہل سنت کے بڑے بڑے سیاستدان
آتے تھے، مثلاً علامہ معین الدین اجمیری، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا
محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، قائد اعظم محمد علی
جناح، قائد ملت لیاقت علی خاں وغیرہ وغیرہ ـــــ پروفیسر صاحب نے ۱۹۴۷ء سے قبل اپنی
نوعمری کے زمانے میں خود اپنی آنکھوں سے تحریک پاکستان کو پروان چڑھتے دیکھا ہے
اور بڑے بڑے سیاستدانوں کو دیکھا بھی ہے اور سنا بھی ہے چنانچہ تحریک پاکستان کا پورا
پس منظر ان کی نظر میں تھا اس کے علاوہ وسیع و عمیق مطالعے سے انہوں نے ان حقائق
کا پتا بھی لگا لیا جو مخالفین کے معاندانہ پروپیگنڈے کے سبب عام نظروں حتیٰ کہ مورخوں
کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہو گئے تھے چنانچہ ان کے حساس دل نے گوارا نہ کیا کہ حقیقت
فراموشی کا یہ تماشا خاموشی سے دیکھتے رہتے اور ان حقائق کو واشگاف کرنے کیلئے قلم نہ اٹھاتے

(۵)

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب محققانہ انداز فکر کے ساتھ ساتھ غیر متعصب قلب و نظر
بھی رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حقائق کو بے لاگ پیش کرتے
ہیں۔ نہ کسی کی دلآزاری ان کا مقصود ہوتا ہے اور نہ کسی کی تذلیل و تحقیر ـــــ بعض اہل قلم
حقائق کو ایک طے شدہ رائے کی بنیاد پر سامنے لاتے ہیں، مگر پروفیسر صاحب اس کے برعکس
رائے کو حقائق کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں اور میرے خیال میں یہی چیز ایک محقق کے شایانِ
شان ہے بھی۔

اس کتاب میں جو حقائق و شواہد پیش کئے گئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ
مسلمانان ہند کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا واضح و مفصل خاکہ سب سے پہلے ۱۹۲۰ء میں

اہل سنت وجماعت کے ایک فاضل عالم محمد عبدالقدیر بدایونی نے مسٹر گاندھی کے نام ایک خط میں پیش کیا تھا یہ مفصل و مبسوط خط اخبار ذوالقرنین بدایوں، بھارت میں مارچ واپریل ۱۹۲۰ء میں قسطوار شائع ہوا اس کے بعد رسالے کی صورت میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس سے شائع ہوا۔ اس خط میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کا جو تفصیلی خاکہ مختلف اضلاع پر مشتمل پیش کیا گیا تھا وہ تقریباً وہی تھا جو آگے چل کر پاکستان کی صورت میں ہمیں حاصل ہوا اس میں شک نہیں کہ یہ ایک چونکا دینے والی حقیقت ہے لیکن اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ مؤرخین اہل سنت کی خاموشی سے تاریخ پاکستان نے کیا صورت اختیار کر لی، اور اہم واقعات وحقائق پس منظر میں چلے گئے لیکن اب بعض مؤرخین ومحققین اس طرف توجہ کر رہے ہیں۔ مگر نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر اب بھی اظہار حقائق میں قدرے اخفا سے کام لے رہے ہیں۔ مثلاً پاکستان کے مشہور مؤرخ ومحقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی انگریزی کتاب "دی اسٹرگل فار پاکستان" میں محمد عبدالقدیر بدایونی اور ان کے محولہ بالا تاریخی خط کا غالباً پہلی بار ذکر کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے مورخین ومحققین کشادہ دلی سے کام لے کر اہل سنت وجماعت کے کارناموں کو تاریخ میں محفوظ کریں تاکہ قوم اپنے حقیقی محسنوں سے واقف ہو سکے۔

(۶)

اس حقیقت کے پیش نظر کہ پاکستان کا مفصل خاکہ ۱۹۲۵ء میں جناب محمد عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمہ نے پیش کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصور پاکستان علامہ اقبال نہیں بلکہ موصوف تھے۔ علامہ اقبال نے پانچ برس بعد ۱۹۳۰ء میں آپ ہی سے روشنی حاصل کر کے سیاسی پلیٹ فارم سے تصور پیش کیا۔ اس حقیقت کا اعتراف ہر انصاف پسند شخص کو کرنا چاہیئے۔

علمائے اہل سنت نے نہ صرف نظریۂ پاکستان پیش کیا بلکہ سب سے پہلے مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اس مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے ۱۹۲۵ء میں مرادآباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی جس کے وہ خود ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے اور حضرت پیر

سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر منتخب ہوئے۔ اس کانفرنس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانان ہند کے داخلی وخارجی انتشار کو دور کر کے ان کو ایک متحدہ قوت بنایا جائے چنانچہ اس کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۷ء، ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۰ء میں پاک وہند کے علماء وصوفیہ نے شرکت کی اور برصغیر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ ۱۹۳۰ء کے اجلاس میں جو حضرت مولانا محمد نعیم الدین کے شیخ طریقت شاہ ابو احمد محمد علی حسین الاشرفی الجیلانی سجادہ نشین کچھوچھہ شریف کی زیر صدارت بمقام بہرال (ضلع مالدہ بنگال) منعقد ہوا، یہ قرارداد منظور کی گئی :-

"موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کانگرس کی تحریکات سے علیحدہ رہنا ضروری ہے۔ مذہب کا یہی حکم ہے اور اقتصادی مصالح کا بھی یہی تقاضا ہے۔"

۱۹۲۰ء میں علمائے اہل سنت نے جن مذہبی واقتصادی مصالح کی بناء پر مسلمانان پاک وہند کو کانگرس سے علیحدگی کا مشورہ دیا اور تقسیم ہند کی تائید کی، ۱۹۴۱ء میں انہیں مصالح کی بناء پر قائد اعظم محمد علی جناح نے مطالبہ پاکستان پیش کیا۔ ان تاریخی حقائق سے علماء اہل سنت کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۹۳۰ء کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کے جو اجلاس ہوئے ان میں بھی کانگرس سے علیحدگی پر زور دیا جاتا رہا اور مدرسہ دیوبند کی جمعیۃ العلماء کی کانگرس نواز پالیسی کی مذمت کی جاتی رہی۔

قائد اعظم محمد علی جناح ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کے مسئلے پر کانگرس سے علیحدہ ہوئے اسی زمانے میں مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ترک موالات کے خلاف اپنا تاریخی فتویٰ جاری کیا، جس نے یقینی طور پر علامہ اقبال اور قائد اعظم کو متاثر کیا کیونکہ یہ دونوں حضرات عام سیاسی روش سے ہٹ کر ترک موالات کے مسئلے پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ہم نوا معلوم ہوتے ہیں —— قائد اعظم ۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ میں دوبارہ شامل ہوئے اور اس کو مستحکم کر کے اس کے پلیٹ فارم سے دو قومی نظریہ کو مسلمانان پاک وہند کے نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۰ء کے اجلاس منعقدہ لاہور میں اس مطالبہ کو آئینی شکل دے کر تحریک پاکستان کی مہم کا باقاعدہ آغاز کیا۔

قائد اعظم کی شخصیت میں مسلمانان پاک و ہند کو وہ مدبرانہ قیادت مل گئی جس کی انہیں اپنی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے ضرورت تھی چنانچہ علماء اہل سنت نے اس مطالبے کی پرزور حمایت کی اور پھر آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بنارس ۱۹۴۶ء میں متحدہ طور پر پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا اور اس کے لئے ملک گیر مہم شروع کی اور کونے کونے میں پاکستان کا پیغام پہنچایا۔

(۷)

یہ وہ حقائق ہیں جن کو اجمالی طور پر اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی یہ خدمت قابل داد ہے کہ انہوں نے بزرگان سلف کی پر خلوص خدمات کو روشناس کرانے کے لئے قلم اٹھایا جو حیرت انگیز طریقے پر اب تک نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ امید ہے کہ اس کام کو زیادہ تفصیل اور جامعیت کے ساتھ اپنی دوسری تالیف میں پیش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ — اللہ تعالیٰ ان کو ہمت و حوصلہ عطا فرمائے اور اس کا پورا پورا صلہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

پاکستان کی بنیاد حضرات اہل اللہ اور علمائے اہل سنت و جماعت کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی اور لاکھوں فرزندان توحید کے خون سے اس گلشن کو سینچا گیا۔ اب یہ اجاگر نہیں جاننا کہ یہی وجہ ہے کہ پچھلے ۳۰ سال سے متواتر حوادث کا شکار ہونے کے باوجود پاکستان قائم ہے اور ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کا جو سانحہ پیش آیا وہ بھی اس لئے کہ ہم نے حضرات اہل اللہ و علمائے اہل سنت کی تعلیمات سے منہ موڑ کر مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ پاکستان تا قیام قیامت قائم رہے گا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بن کر رہے گا اور اس طرح وہ مقصد پورا ہو کر رہے گا جس کے لئے اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے تاریخ ساز جدوجہد کی اور قائد اعظم نے اسی جدوجہد کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فضا میں اپنی حیرت انگیز قائدانہ صلاحیتوں سے تصور پاکستان کو عملی شکل دے کر عجائبات عالم میں ایک عظیم عجوبہ کا اضافہ کیا اور مسلمانان عالم کے لئے ایک مستحکم قلعہ مہیا کیا۔

سید انور علی۔ (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)

۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء۔ کراچی

تعارف

السواد الاعظم

تعارف السّوادالاعظم

تقریباً ۱۳۲۹ھ/۱۹۰۹ء میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی سرپرستی میں مدرسہ عالیہ اہلِ سنت وجماعت، مراد آباد (یو۔ پی۔ بھارت) میں قائم ہوا، ماہنامہ السواد الاعظم اسی ادارے سے ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۸ء میں جاری کیا گیا، اس کے سرپرست ونگران مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی تھے اور مدیر مولانا مفتی محمد عمر نعیمی —— اس رسالے کی پیشانی پر جو دو اشعار نظر آتے ہیں ان سے اس کے اجراء کے اصل مقصد کا اندازہ ہوتا ہے، ملاحظہ ہوں:

زخواب اے لالۂ سیراب برخیز!
چو نرگس، خواب چند؟ از خواب برخیز!

بروں آور سر از بردِ یمانی!
کہ روئے تست صبحِ زندگانی!

ایک جگہ سرپرست سوادِ اعظم مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کے یہ پرسوز دعائیہ اشعار نظر آتے ہیں :-

کھول دو سینہ مرا فاتحِ مکہ آکر — کعبۂ دل سے صنم کھینچ کر کر دو باہر
پردے غفلت کے نگاہوں سے اٹھا دو یکسر — مجھ سیاہ کار پہ فرما دو عنایت کی نظر

نورِ ایماں سے مرا سینہ منور کردو
دل میں عشقِ رُخِ پُرانور کا جذبہ بھر دو[؎]

؎ السوادالاعظم، شمارہ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ، ص ۲

ان اشعار میں دین اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے بلا کا درد و سوز بھرا ہوا ہے ،
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ جس جوش و جذبہ سے نکالا گیا وہ کتنا عظیم تھا۔ ویسے اس
رسالے میں اس کے اغراض و مقاصد کی صراحت کر دی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

اغراض و مقاصد السواد الاعظم

۱۔ مذہب مقدس کی حمایت و حفاظت۔
۲۔ دشمنان دین اور مخالفین اسلام کے حملوں کی مدافعت اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ ان کے اعتراضات کا رد کرنا۔
۳۔ فرقہ بندی کو شکست دینا۔
۴۔ ملت اسلامیہ میں اختلاف کے اسباب پر عمیق نظر ڈال کر اتحاد و اتفاق کی کوشش کرنا اور اس کے لئے مناسب تدابیر پیش کرنا۔
۵۔ مسلمانوں کو اسلامی اخلاق اور معاشرت کی تعلیم دینا۔
۶۔ کھوئی ہوئی دولت کا پتا لگانا۔
۷۔ گزرے زمانے کو واپس لانا۔
۸۔ سوتوں کو جگانا، مردوں کو جلانا یعنی مسلمانوں کی اصلاح کر کے ان کو سابقہ حالت پر لانا۔
۹۔ ناواقف مسلمانوں کو مذہب سے واقف کرنے کی کوشش کرنا۔
۱۰۔ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی زندگی کو کامیاب بنانا۔[1]

ان مقاصد کے علاوہ مضمون نگاروں کے لئے آداب تحریر کی بھی وضاحت کر دی گئی۔ ان آداب کو اس جذباتی دور کے پس منظر میں دیکھا جائے تو نہایت ہی قابل قدر اور سبق آموز معلوم ہوتے ہیں۔

---

[1] السواد الاعظم، شمارہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ، (ملخصاً)

آداب السواد الاعظم

۱۔ فصیح و شستہ زبان رسالے کے لوازم ضروریہ میں داخل ہے۔
۲۔ علمی مباحث میں محققانہ رنگ ہو، مناظرات میں سخت و شنیع الفاظ سے احتراز کیا جائے۔
۳۔ مناظرات میں تعصب و نفسانیت کی روش سے رسالہ پاک رہے۔
۴۔ مباحثات میں عدل و انصاف کے ساتھ حکم لگایا جائے۔[1]

راقم نے رسالہ السواد الاعظم کے بہت سے شمارے مطالعہ کئے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا اغراض و مقاصد کو پوری طرح سامنے رکھا گیا اور آداب پر پورا پورا عمل کیا گیا، قول و عمل میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ فی زمانہ صحافتی دنیا کی حالت ہے ۔۔۔۔ اور اشتہارات میں بھی نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا گیا اور اس کے لئے یہ صراحت کر دی گئی ہے :۔

لیکن یہ ملحوظ ہے کہ خلاف شرع اشتہارات کسی معاوضہ پر بھی السواد الاعظم میں ۔۔۔۔ نہیں چھپ سکتے۔ نیز السواد الاعظم میں اشتہار دینے والے مبالغہ آمیزی سے احتیاط فرمائیں، اور ان شاء اللہ العزیز سادہ اشتہارات کامیاب ثابت ہوں گے۔[2]

اس وضاحت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو شخص اشتہارات کی اشاعت میں اتنا محتاط ہے، وہ واقعات و حادثات کے بیان کرنے اور تجزیہ کرنے میں کتنا محتاط ہوگا :۔
لیکن باوجود اس سنجیدگی و شائستگی و دردمندی و دل سوزی اور حزم و احتیاط کے قوم پرست اخبارات نے اس جریدے کی بھی مخالفت کی۔ چنانچہ ۲۴، اور ۲۹، فروری ۱۳۴۵ھ کے اخبار ہند (کلکتہ) میں السواد الاعظم کے خلاف مضامین شائع ہوئے جب فاضل مدیر کے علمی

---

[1] السواد الاعظم شمارہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ (ملخصاً)
[2] السواد الاعظم شمارہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ص ۱۸

اس کا جواب لکھنے کے لئے ہر طرف سے خطوط آئے تو انہوں نے تحریر فرمایا :-

میرے بعض تلامذہ نے ایڈیٹر مذکور کو اس کی حیثیت کے لائق جواب دینے کی اجازت چاہی لیکن میں اس قسم کے کلام کو پسند نہیں کرتا جو تہذیب سے گرا ہوا ہو۔ نہ صحیفہ منیفہ السواد الاعظم کے مبارک صفحات میں ایسے مضامین شائع کئے جا سکتے ہیں۔ [۱]

مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے السواد الاعظم (شمارہ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ) میں "دشمنان دین کی اسلام سے عداوت اور مسلمانوں کی غفلت" کے عنوان سے اظہار خیال فرمایا ہے، اس میں مدیر اخبار ہند کی مخالفت کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے علمائے اہلسنت کے لئے احمق، جاہل، دشمن اسلام، سفیہ، فاسق وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں [۲]

اس زمانے میں ایسے بہت سے اخبارات نکل رہے تھے جو قوم پرستوں کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے اور جن کو اسلام اور مسلمانوں سے من حیث الجماعت کوئی سروکار نہ تھا، ظاہر ہے ایسے اخبارات کی موجودگی میں دین اسلام کی حمیت اور مسلمانوں میں یکجہتی کا پیدا ہونا بہت دشوار تھا، چنانچہ فاضل مدیر مفتی محمد عمر نعیمی ایسے اخبارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

آج کتنے اخبار نکل رہے ہیں جو بے محابا شرائع و احکام ملت طاہرہ اسلامیہ کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، اپنا نام مسلمانوں کا سا ظاہر کرتے ہیں، مسلمانوں میں ان پرچوں کی اشاعت ہوتی ہے، مسلمانوں میں اپنے خیالات فاسدہ کی اشاعت کرتے ہیں، مسلمانوں کے دین و ملت کو بگاڑتے ہیں، جن کے مطالعہ میں یہ پرچے آئیں گے، جن کے دماغوں میں یہ ناپاک مضامین گزریں گے کہاں تک وہ کسی اثر سے متاثر نہ ہوں گے، جہاں لُو چلتی ہو اور باد سموم کے طماچے

---

[۱] السواد الاعظم، شمارہ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ ص ۲۴

[۲] السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ ص ۲۳، ۲۴

رہے ہم صدمہ پہنچا رہے ہوں وہاں بے پناہ بیٹھنے والوں کی طرف سے کیا امن ہے کہ وہ سب کے سب محفوظ رہیں گے؟ —— تندرستی عزیز ہو تو حفاظت کی ہی جاتی ہے، دین پیارا ہو تو ایسے مخرب اخلاق، دشمن تہذیب، عدو میت مضامین کی ہیبت سے بچو اور جو پرزہ کاغذ کا ایسا ہاتھ آ جائے اس کو جلا دو خاکستر کر ڈالو مبادا کسی دوسرے انسان پر اس بدترین زہر کا اثر ہو۔ [۱]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مدیر لٹریچر کی اثر پذیری سے بخوبی واقف ہیں اور اس کا شدید احساس رکھتے ہیں، جن ملکوں اور قوموں کی بنیاد نظریاتی ہے وہاں اسی طرح نظریہ کی حفاظت کی جاتی ہے۔

---

[۱] السواد الاعظم، شمارہ صفر المظفر و ربیع الاول ۱۳۵۱ھ، ص ۱۹

تحریکِ آزادی

اور

السّوادالاعظم

حیاتِ صدرُالافاضل

حیاتِ تاجُ العلماء

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے

فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

اقبالؔ

صدر الافاضل

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

(سرپرست السواد الاعظم)

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی ولادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ (یکم جنوری ۱۸۸۳ء) کو مراد آباد (یو۔پی۔ بھارت) میں ہوئی۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۰ء میں مدرسہ امدادیہ (مراد آباد) سے دستار فضیلت حاصل کی۔ استاد گرامی مولانا شاہ محمد گل رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل اور فاضل اجل تھے، فاضل ممدوح کے عشق و محبت اور علمیت و فقاہت کی ایک جھلک ان کی تالیف "ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ" (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) میں نظر آتی ہے — آپ کا سلسلہ حدیث براہ راست حجاز مقدس سے مربوط ہے، برصغیر پاک و ہند کے دوسرے سلاسل حدیث کے مقابلے میں آپ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے —

صدر الافاضل ایسے جلیل القدر استاد کے تلمیذ رشید تھے، وہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے بالخصوص فن حدیث اور علم التوقیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم طب میں بھی مہارت حاصل تھی اور حکیم شاہ فضل احمد امروہوی سے شرف تلمذ تھا، شاعری میں اپنے والد ماجد استاذ الشعراء مولانا معین الدین نزہت سے فیض حاصل کیا اور نعیم تخلص فرماتے تھے، آپ کا دیوان ریاض نعیم شائع ہو چکا ہے۔

صدر الافاضل حضرت شاہ محمد گل علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے، بیعت کے بعد حضرت شاہ صاحب نے آپ کو حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۵ھ) کے سپرد کر دیا، صدر الافاضل نے آپ سے استفاضہ کیا اور آپ ہی سے خلافت و اجازت حاصل

کی، آپ ہی کی اجازت سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ (م ۱۹۲۱ء) سے بھی خلافت واجازت حاصل کی۔ صدر الافاضل، فاضل بریلوی کے رازدار اور رمز شناس تھے، آپ نے ان کے مشن کو بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی اور مذہبی امور میں رہنمائی فرمائی۔

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں مراد آباد میں آپ نے مدرسہ انجمن اہل سنت وجماعت کی بنیاد رکھی، بعد میں ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں اس مدرسہ کا نام جامعہ نعیمیہ قرار پایا۔ اس جامعہ کے فیض یافتہ اور صدر الافاضل کے تلامذہ پاک و ہند میں بہت سے جامعات کے بانی، بہت سی کتابوں کے مصنف اور بہت سے رسالوں کے مدیر ہیں، مثلاً یہ حضرات:-

۱- مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ (بانی مدرسہ بحر العلوم مخزن عربیہ، کراچی) آجکل یہ مدرسہ دار العلوم نعیمیہ کے نام سے ایک ٹرسٹ کے زیر انتظام چل رہا ہے۔

۲- علامہ ابو الحسنات مولانا محمد احمد قادری علیہ الرحمہ —— ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے وقت اجلاس لاہور میں موجود تھے، ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس (بنارس) میں شرکت کی۔ ۱۹۴۸ء میں تحریک آزادی کشمیر میں حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں سرگرمی سے جدوجہد کی، جمعیۃ العلماء پاکستان کے پہلے صدر تھے آپ کی تصانیف میں یہ قابل ذکر ہیں:-
تفسیر الحسنات (چھ جلدیں)، ترجمہ کشف المحجوب، شمیم رسالت، شرح قصیدہ بردہ شریف، اوراق غم، صبح نور، قراطیس المواعظ، فرشتۂ رحمت، اظہار الاستقام، مظہر الاسرار، التبیان، مونس الاطباء وغیرہ وغیرہ

۳- ابو البرکات مولانا سید احمد قادری (ناظم مرکزی مدرسہ انجمن حزب الاحناف لاہور) آپ ہی کے صاحبزادے علامہ محمود احمد رضوی بخاری شریف کے شارح اور ماہنامہ رضوان (لاہور) کے مدیر ہیں ——

۴- ابو الخیر مولانا مفتی محمد نور اللہ صاحب (بانی مدرسہ دار العلوم حنفیہ، بصیر پور ساہیوال) آپ فتاوی نوریہ کے مصنف ہیں، آپ ہی کی سرپرستی میں یہاں سے ماہنامہ نور الحبیب

نکل رہا ہے۔

۵- علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب (دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف) آپ کی تفسیر ضیاء القرآن شہرت عام حاصل کر چکی ہے، آپ کی سرپرستی اور ادارت میں پنجاب کا منفرد علمی اور مذہبی مجلہ ضیائے حرم بڑی کامیابی سے نکل رہا ہے۔

۶- مولانا مفتی محمد حسین نعیمی (بانی جامعہ نعیمیہ، لاہور)
آپ کی سرپرستی وادارت میں ماہنامہ عرفات نکل رہا ہے۔

۷- مولانا مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ
آپ کی تالیف تفسیر نعیمی مقبول و معروف ہے، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔
علم المیراث، جاء الحق، شان حبیب الرحمٰن، سلطنت مصطفےٰ، دیوان سالک، علم القرآن، اسرار الاحکام، مرآۃ شرح مشکوٰۃ شریف آٹھ جلدوں میں، نعیم الباری فی شرح البخاری، نور العرفان فی حاشیۃ القرآن، مواعظ نعیمیہ، فتاوی نعیمیہ، اسلامی زندگی وغیرہ۔

راقم الحروف ایام نوعمری میں صدر الافاضل کی زیارت سے مشرف ہوا ہے اور ان کی تقاریر سنی ہیں، صدر الافاضل ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء سے بہت قبل مسجد جامع فتحپوری، دہلی کی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲ ربیع الاول کی شب کو ہر سال تقریر فرماتے تھے، پھر ۱۲ ربیع الاول کو بعد نماز ظہر بھی تقریر فرماتے تھے۔ اس محفل پاک کے بانی راقم کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) تھے۔ صدر الافاضل اور آپ کے درمیان نہایت ہی مخلصانہ تعلقات تھے، بارہویں شب مبارک کو محفل میلاد میں شرکت فرمانا ہی اس خصوصی تعلق ومحبت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صدر الافاضل تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں ہمہ تن مصروف رہتے، اس سلسلے میں آپ نے عیسائیوں اور آریوں سے کامیاب مناظرے فرمائے۔ آپ نے اپنے رسالہ السواد الاعظم میں بھی ان لوگوں کا رد کیا مثلاً پنڈت دیانند سرسوتی

کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے اسلام اور شارع اسلام پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جواب دیے۔ مگر تحریر و تقریر میں کسی مقام پر تہذیب و شائستگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اس جذباتی دور میں یہ خوبی نہایت ہی قابلِ تحسین ہے ـــــ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے الموڑہ، نینی تال، ہلدوانی وغیرہ کے پہاڑی علاقوں کا دورہ کیا، تبلیغ اسلام کے لئے وہاں قیام فرمایا اور ایک رسالہ "پراچین کال" تحریر فرمایا جو غالباً پہاڑی زبان میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ہی ہے ـــــ اشاعت اسلام کے لیے آپ نے پھیری والوں کے روپ میں اپنے گماشتے بھیجے جنہوں نے گھر گھر جاکر اسلام کو پھیلایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ علماء بالعموم تبلیغ اسلام سے بے خبر تھے، بلکہ ہندو مسلم اتحاد کی باتیں کر رہے تھے۔

۱۹۱۹ء/۱۳۳۸ھ اور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت، تحریک ترک موالات کے جذباتی دور میں آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں تک اسلام کے سچے پیغام کو پہنچایا اور صدر جمعیۃ العلماء ہند کو ہندو مسلم اتحاد کے خطرات سے آگاہ کرکے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے روکا ـــــ پھر دہلی جاکر مولانا محمد علی جوہر کو سمجھایا بالآخر وہ ہندو مسلم اتحاد کی دعوت سے دست بردار ہو کر تائب ہو گئے۔ مولانا محمد اطہر نعیمی اپنے والد ماجد تاج العلماء سے اور وہ صدر الافاضل سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کیلئے لندن جانے سے قبل مولانا محمد علی جوہر، صدر الافاضل سے ملنے آئے، صدر الافاضل نے پھر ہندو مسلم اتحاد کے نتائج و عواقب کی طرف ان کو متوجہ کیا، اس پر انہوں نے فرمایا:

"اگر زندہ رہا تو اس کی تلافی کی کوشش کروں گا۔"

مولانا شوکت علی خود مراد آباد جاکر صدر الافاضل کے دولت کدے پر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے ہندو مسلم اتحاد کی حمایت و تائید سے دست کش ہوئے ـــــ دونوں بھائیوں کو ہندوؤں کی بیوفائی کا شدید احساس تھا۔

گوکل کی تحریک چلائی گئی تو صدر الافاضل نے اس کے مقابلے کے لئے اعاظم و اکابر اہل سنت کو مراد آباد جمع کیا، جہاں ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس (الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ) کی بنیاد رکھی گئی جس کے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل منتخب

ہوئے اور مستقل صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء)

۱۹۲۴ء/۱۳۴۳ھ اور ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ کے درمیان شدھی کی تحریک چلی تو اس کی مدافعت کے لیے صدر الافاضل نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ بریلی میں جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی گئی جس کے تحت اس فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا گیا، صدر الافاضل نے آگرے کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور بالآخر شردھانند کے اس فتنے کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء میں مراد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا اور اس کے ذریعہ مذہبی اور سیاسی میدانوں میں مسلمانانِ ہند کی رہنمائی فرمائی۔ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان مولوی ابوالکلام آزاد کے البلاغ اور الہلال میں بھی مستقل مضامین لکھتے رہے۔ الہلال کے قلم کاروں میں شبلی نعمانی ـــــ حسرت موہانی اور سید سلیمان ندوی شامل تھے

اس شعر سے آپ کے عزم و حوصلہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ؎

پھر جنوں کہتا ہے خود کو پا بہ جولاں دیکھیے
چلیے اٹھیے اب کے پھر وحشت میں زنداں دیکھیے
نعیم

۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس (لندن) میں جب علامہ اقبال نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تو آپ نے اس کی پرزور تائید کی اور اس تجویز کے مخالف ہندو اخبارات و رسائل کا خوب تعاقب فرمایا اور اپنے موقف کی حمایت میں نہایت معقول اور دل نشین دلائل پیش کیے ـــــ ۱۹۴۰ء/۱۳۵۹ھ جب لاہور میں "قرارداد پاکستان" منظور ہوئی تو اس موقع پر آپ کے تلمیذ رشید مولانا ابوالحسنات محمد احمد علیہ الرحمہ موجود تھے اور جلسہ کے سرگرم کارکن تھے۔ ۱۹۴۶ء میں نواب محمد اسماعیل خاں (صدر یو۔پی مسلم لیگ) کے ذریعہ قائد اعظم کو تار دلوایا کہ جب تک حکومت برطانیہ پاکستان کے مشرقی اور مغربی علاقے کے درمیان ایک بین الاقوامی آزاد علاقہ تسلیم نہ کرے، تقسیم کی تجویز منظور نہ کریں۔

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں صدر الافاضل ہی کی کوششوں سے بنارس (بھارت) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے چار روزہ تاریخی اجلاس ہوئے (یعنی ۲۷ اپریل تا ۳۰ اپریل)

—— اس کانفرنس میں پاک و ہند کے دو ہزار علماء و مشائخ اور ۲۰ ہزار دوسرے حاضرین شریک تھے۔ "قرار داد پاکستان" کی حمایت میں جو تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔ اس کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں :-

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان
کی پر زور حمایت کرتا ہے۔"

(خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ ، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء ، ص ۲۹)

مطالبہ پاکستان کی حمایت و اشاعت کے لیے صدر الافاضل نے ہندوستان اور پاکستان کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا، حتیٰ کہ مراد آباد سے بنگال تک تشریف لے گئے اور وہاں مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی جو آگے چل کر مشرقی پاکستان کی تعمیر و تشکیل میں معین و مددگار ثابت ہوئی۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے مذکورہ بالا اجلاس کے بارے میں حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) کے تاثرات قابل توجہ ہیں —— مولانا ئے موصوف کی ذات تحریک آزادی ہند میں بڑی اہمیت کی حامل ہے —— آپ تحریک خلافت میں علی برادران کے ساتھ رہے —— تحریک شدھی میں اس کی سخت مزاحمت کی —— بنگال میں مولوی حسین احمد کے مقابلے میں مسلم لیگ کے نمائندے کو کامیاب کرایا —— ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس میں قائد اعظم کے سامنے قرار داد پاکستان کی حمایت میں پر زور تقریر فرمائی —— ۱۹۴۵ء میں والیِ دکن اور قائد اعظم کی ملاقات کے لئے راہ ہموار کی، —— ۱۹۴۶ء میں علماء کا وفد حجاز لے گئے اور حکومت سعودیہ کو پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا —— الغرض انہوں نے تنہا وہ خدمات انجام دیں جو ایک جماعت کے بس کی نہ تھیں —— ایسا مجاہد جب کوئی بات کہے تو وہ بات معمولی نہیں، بہت وزنی ہے —— آل انڈیا سنی کانفرنس (۱۹۴۶ء) کے بارے میں آپ فرماتے ہیں :-

"میں نے اپنی چالیس سالہ قومیات کی زندگی میں صدہا کانفرنسیں دیکھیں اور

بیسیوں خود منعقد کیں لیکن میں کہتا ہوں کہ بنارس کی سنی کانفرنس کی طرح گزشتہ چالیس سالوں میں کوئی کانفرنس بھی نہ ہو سکی۔"

(غلام معین الدین ، حیات صدر الافاضل ، مطبوعہ لاہور ، ص ۲۰۰)

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد صدر الافاضل لاہور اور پھر کراچی تشریف لائے، دستوری خاکہ کے لئے آپ سے عرض کیا گیا لیکن اچانک طبیعت ناساز ہو گئی اور واپس ہندوستان تشریف لے گئے اور پھر وہاں ممالک اسلامیہ اور خلافت عثمانیہ کے دساتیر و قوانین کو سامنے رکھ کر پاکستان کے لئے ایک اسلامی دستور کا خاکہ تیار کرنا شروع کیا، ابھی ۱۱ دفعات لکھنے پائے تھے کہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ (۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء) کو مراد آباد میں وصال فرما گئے۔ مزار مبارک جامعہ نعیمیہ (مراد آباد) کے احاطہ میں واقع ہے۔

صدر الافاضل کی اولاد امجاد میں چار فرزند ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) مولوی ظفر الدین (۲) مولوی محمد اختصاص الدین، (۳) جناب ظہیر الدین
(۴) جناب اظہار الدین

السواد الاعظم کے مطالعہ سے اتنا پتا چلتا ہے کہ ۲۱ و ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء کو طاعون کی وبا میں یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں فوت ہو گئیں، اس وقت صدر الافاضل علی پور تشریف رکھتے تھے اور تدفین کے بعد دولت کدے پہنچے اس لئے یہ غم معمولی غم نہ ہو گا۔ دو صاحبزادیاں اور تھیں، ایک زوجہ مولوی حکیم سید یعقوب علی (مقیم کراچی) اور دوسری زوجہ حافظ سید حامد علی (مقیم مراد آباد)

صدر الافاضل متبحر عالم اور صاحب بصیرت سیاستداں تھے، علمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے الطاری الداری کا مسودہ آپ کو دکھایا۔ اور جب آپ نے بعض ترمیمات کی سفارش کی تو قبول کر لی گئیں —— آپ نے بیس سال کی عمر میں الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ تصنیف فرمائی۔ ڈیڑھ درجن سے زیادہ کتب و رسائل آپ سے یادگار ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے :-

تفسیر خزائن العرفان ، اطیب البیان ، مجموعۂ فتاوی ، تبرکات صدر الافاضل ، سوانح کربلا ،

کتاب العقائد ، ابداق ، اسواط العذاب ، آداب الاخیار ، فرائد النور ، کشف الحجاب ، التحقیقات لدفع التلبیسات ، زاد الحرمین ، ریاض نعیم ، گلبن غریب نواز ، پراچین کال ، احقاق حق ، ارشاد الانام فی محفل المولود والقیام ، القول السدید وغیرہ وغیرہ۔

صدر الافاضل کی تصانیف مراد آباد سے بھی شائع ہوئیں اور ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ، از ہر بک ڈپو کراچی ، مکتبہ اہل سنت (کراچی) نوری کتب خانہ لاہور ، اور مکتبہ فریدیہ کراچی نے بھی بعض کتابیں شائع کی ہیں۔

الغرض صدر الافاضل چودھویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر عالم اور ماہر سیاست داں تھے ، مذہب و سیاست پران کی بہت گہری نظر تھی پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شائع ہونے والی تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند میں پروفیسر عبد القیوم نے بجا طور پر صدر الافاضل کے لئے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے :-

> مولوی سید نعیم الدین مراد آبادی ایک جلیل القدر عالم دین اور نامور فاضل تھے اور ہزاروں لوگ آپ کے فیض سے بہرہ ور ہوئے ، آپ نے خزائن العرفان کے نام سے قرآن کریم کی ایک عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ (جلد دوم۔ صہ ۴۲۳)

مآخذ و مراجع

احمد رضا خاں ؛ الاستمداد ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ، صہ ۹۱

اقبال احمد فاروقی ؛ حواشی الاستمداد ، مطبوعہ لاہور ، ۱۹۷۶ء صہ ۹۱ ، ۹۲

سید محمد محدث کچھوچھوی ؛ خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ ، مطبوعہ بریلی ۱۹۴۶ء صہ ۲۹

سید محمد جیلانی ؛ المیزان ، امام احمد رضا نمبر ، مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۶ء صہ ۱۸۹

عبد القیوم پروفیسر ؛ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ، جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ، صہ ۴۲۳

غلام معین الدین نعیمی ؛ حیات صدر الافاضل ، مطبوعہ لاہور

محمد صادق قصوری ؛ اکابر تحریک پاکستان ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ، صہ ۲۶۶ تا ۲۷۴

محمد عبد الحکیم شرف قادری ؛ تذکرہ اکابر اہل سنت ، مطبوعہ لاہور ، ۱۹۷۶ء

محمد مسعود احمد ؛ فاضل بریلوی اور ترک موالات ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ، صہ ۷۷ تا ۸۰

محمد مسعود احمد ، مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (پنجاب یونیورسٹی - لاہور) جلد دہم جزو پنجم

محمد نعیم الدین مراد آبادی ؛ کتاب العقائد ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء

محمد نعیم الدین مراد آبادی ؛ سوانح کربلا ، مطبوعہ کراچی

محمود احمد قادری ؛ تذکرہ علمائے اہل سنت ، مطبوعہ کانپور ، صہ ۲۵۳

السواد الاعظم (مراد آباد) ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء صہ ۹ تا ۵۶

السواد الاعظم " ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء ،

السواد الاعظم " صفر المظفر ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

السواد الاعظم " رمضان و شوال ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴-۵ء ، صہ ۱۳

الہام (بہاولپور) ۲۱ نومبر ۱۹۷۶ء صہ ۵ ، ۶

نوٹ ؛ بعض معلومات مندرجہ ذیل علماء سے حاصل کیں

۱۔ مولانا غلام محی الدین فریدی نعیمی (ابن حکیم غلام احمد فریدی خلیفہ فاضل بریلوی و برادر عم زاد صدر الافاضل)

۲۔ مولانا محمد اطہر نعیمی (ابن مفتی محمد عمر نعیمی تلمیذ رشید صدر الافاضل و مہتمم جامعہ نعیمیہ ، مراد آباد)

تاج العلماء

مولانا مفتی محمد عمر نعیمی

(مدیر "السواد الاعظم")

تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ (اکتوبر ۱۸۹۳ء) کو مراد آباد (یو۔پی۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کی خدمت میں جامعہ نعیمیہ (مراد آباد) حاضر ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ دستار بندی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۰ھ) نے فرمائی۔ اس کے بعد آپ جامعہ نعیمیہ ہی میں مہتمم ہو گئے اور بعد میں شیخ الحدیث بھی ہو گئے ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء تک مسلسل ۴۰ سال مہتمم رہے۔ جس سے آپ کی دیانت اور صدر الافاضل کی نظر میں آپ کی عزت و وقعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں حضرت سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۵۵ھ) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں آپ ہی سے اجازت و خلافت حاصل کی۔

فن فتویٰ نویسی میں تاج العلماء کو ید طولیٰ حاصل تھا، نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک آپ نے درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیے۔ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بحیثیت وائس پرنسپل تقرر ہو رہا تھا مگر جامعہ نعیمیہ میں معمولی مشاہرہ پر خدمت دین کو اس عہدۂ جلیلہ پر فوقیت دی اور یکسوئی کے ساتھ کام کرتے رہے۔

۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں صدر الافاضل کے ساتھ مراد آباد سے اور ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

میں کراچی سے حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے مشرف ہوئے ــــــ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۸ء میں ماہنامہ السواد الاعظم (مراد آباد) کے مدیر ہوئے اور بڑی کامیابی اور وقار کے ساتھ اس کو چلاتے رہے ــــــ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں جب مراد آباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس قائم ہوئی تو آپ اس کے نائب ناظم ہوئے ــــــ پھر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں تحریک پاکستان کی پر زور تائید کی۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء میں ترک وطن کر کے پاکستان آ گئے اور کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم کے نام سے قائم کیا جس میں آپ خود درس دیتے رہے اور جامعہ مسجد آرام باغ میں اعزازی طور پر خطابت فرماتے رہے۔ مدرسہ مذکور اب مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری کی زیر نگرانی دار العلوم نعیمیہ کے نام سے ایک ٹرسٹ کے ماتحت چل رہا ہے اور جامعہ مسجد میں تاج العلماء کے صاحبزادے مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

راقم الحروف تاج العلماء کی زیارت سے مشرف ہوا ہے اور ملاقات بھی کی ہے، تقسیم ہند سے قبل دہلی میں اور تقسیم ہند کے بعد حیدرآباد (سندھ) اور کراچی میں ــــــ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران جب آپ سنٹرل جیل میں نظر بند تھے تو راقم ہی آپ کا پروانۂ رہائی لے کر جیل پہنچا تھا۔ آپ نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ (۳۱ مارچ ۱۹۶۶ء) کو آپ نے کراچی میں وصال فرمایا اور مسجد دار الصلوٰۃ ناظم آباد (کراچی) میں مدفون ہوئے۔

آپ کی اولاد امجاد میں مندرجہ ذیل صاحبزادگان کراچی میں مقیم ہیں :-

(۱) مولانا محمد اطہر نعیمی (۲) حافظ محمد ازہر نعیمی (۳) جناب محمد اطیب نعیمی۔
(۴) مولانا محمد طیب نعیمی (۵) جناب محمد طاہر نعیمی۔

ان کے علاوہ صاحبزادیاں ہیں، از وجہ محمد یوسف علی صاحب (مقیم کراچی) اور زوجہ محبوب حسین صاحب (مقیم کراچی)

چونکہ تاج العلماء تدریسی، صحافتی اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے اس لئے

تصنیف وتالیف کے لئے فرصت نہ مل سکی لیکن اگر السواد الاعظم میں آپ کے مطبوعہ مضامین اور اداریوں کو جمع کیا جائے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو سکتی ہیں، اسی طرح اگر آپ کے فتووں کو جمع کیا جائے تو وہ بھی کئی جلدوں میں سمائیں۔ سردست ایک کتاب تفرقۂ اقوام کے عنوان سے ملی ہے جو مراد آباد سے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی یہ اگرچہ مختصر ہے لیکن سیاسی حیثیت سے نہایت اہم ہے۔ حضرت تاج العلماء نہایت متوازن اور سلجھی ہوئی تقریر فرماتے تھے جو دلنشین بھی ہوتی اور دلپذیر بھی، راقم الحروف ان کے ارشادات سے مستفیض ہوا ہے۔ یہ تقاریر بھی جمع کی جاتیں تو ایک قابلِ قدر علمی سرمایہ محفوظ ہو جاتا۔

تاج العلماء نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمۂ قرآن کنز الایمان اپنے نعیمی پریس مراد آباد سے پہلی بار چھپوا کر شائع کیا۔ پھر صدر الافاضل کے تفسیری حواشی خزائن العرفان کو بھی آپ ہی نے قلم بند کیا۔ صدر الافاضل ارشاد فرماتے رہے اور آپ لکھتے رہے، اس کے بعد یہ بھی چھپوا کر شائع کئے —— پاکستان آنے کے بعد کراچی میں ازہر بک ڈپو کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا جو تاج العلماء کے انتقال کے بعد قائم نہ رہ سکا —— الغرض تاج العلماء کی ساری زندگی مذہب و ملت کی خدمت میں گزر گئی اور اس شعر کا مصداق بن گئی ؎

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

ماخذ و مراجع

۱۔ جمیل احمد نعیمی، مولانا : ترجمانِ اہلسنت، کراچی، شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء

۲۔ عبد الحکیم شرف قادری، مولانا : تذکرہ اکابر اہلسنت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، صفحہ ۴۹۶ تا ۴۹۷

۳۔ محمد اطہر نعیمی، مولانا ابن تاج العلماء علیہ الرحمہ، سے ذاتی طور پر بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔

سندِ خلافت و اجازت
مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ — جو ۱۶ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۲ء کو حضرت مولانا شاہ محمد حسین الاشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عنایت فرمائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible]

شجرۃ طیبۃ اصلها ثابت وفرعها فی السماء

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ...

والحمد للہ رب العالمین

پس منظر

ماہنامہ "السواد الاعظم" نے پاک و ہند میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور مسلمانوں کی ملی وحدت کے لئے جن سیاسی حالات میں اپنی ہمہ گیر تحریک کا آغاز کیا، اُن کا ایک مختصر تاریخی جائزہ۔

الحمد للہ

رسالہ مبارکہ

تفرقہ اقوام

مصنفہ

حضرت مولنا مولوی عمر نعیمی صاحب دامت برکاتہم

مرادآبادی

مطبوعہ نعیمی پریس مرادآباد

۱۹۲۶ء

سرورق: رسالہ "تفرقۂ اقوام" مصنفہ مولنا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مرادآباد، ۱۹۲۶ء

۱۔ ایک ملک (یعنی بھارت ورش)
۲۔ ایک قوم (یعنی ہندوستانی یا ہندو)
۳۔ ایک زبان (یعنی ہندی بخط ناگری)
۴۔ ایک تہذیب (یعنی ہندو تہذیب)
۵۔ ایک مذہب (یعنی ہندو مذہب یا دینِ الٰہی جیسا کوئی نیا مذہب)
۶۔ ایک آئین (یعنی فلسفۂ گاندھی)

ان ارکان ستہ کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "متحدہ قومیت" کا اصل مقصود اسلامی آثار اور نشانیوں کو مٹانا، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی دستور شریعت اور اسلامی اخوت و محبت، کو ضعیف کرنا تھا ـــــ مگر اس کا ایک نفسیاتی سبب ہے، جس کو فرانس کے مشہور مستشرق گارسین دتاسی نے اس طرح بیان کیا ہے :۔

ہندو تعصب کی وجہ سے ہر ایک ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں۔
جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلاتے۔ [1]

اور اس حقیقت کی تصدیق ایک جن سنگھی لیڈر کے بیان سے ہوتی ہے، اردو زبان پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں :۔

اردو ایک غیر ملکی زبان ہے، اور یہ ہماری غلامی کی مظہر ہے،
اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیئے۔ [2]

بقیہ حاشیہ ص۶۹ فرمانے جو ارمغان حجاز کے آخر میں شامل ہیں، پھر جغرافیائی حدود اور مسلمان کے عنوان سے مقالہ لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا۔ بعد میں سوانح قائداعظم محمد علی جناح (مرتبہ عبدالعزیز، مکتبہ بیگ، بمبئی) میں شامل کیا گیا۔ مولانا حسین احمد نے اس کے جواب میں ایک مضمون متحدہ قومیت اور اسلام لکھا جو ڈاکٹر اقبال کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔ (مسعود)

[2] رسالہ جامعہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۶ء [3] اخبار ہریجن ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء

[1] عبدالستار صدیقی : گارسان دتاسی کے تمہیدی خطبے، ص ۳۱

[2] کیپٹن محمد حامد "اپنے دشمن کو پہچانئے" مشمولہ ضیائے حرم لاہور۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۹۲

اب ہم مندرجہ بالا ارکان ستہ کے بارے میں بالترتیب حقائق و شواہد پیش کرتے ہیں تاکہ جس نتیجے پر ہم پہنچے ہیں اس کو سمجھنے میں آسانی ہو اور ہر بات تاریخ کی روشنی میں واضح ہو جائے۔

۱۔ ایک مُلک

"متحدہ ہندوستان" کانگرس کے اہم مقاصد میں سے ایک تھا جس کے لئے وہ اب تک کوشاں ہے، یہ بات ڈھکی چھپی نہیں بلکہ اتنی واضح ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ـــــ مسٹر گاندھی نے بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس منعقدہ ۲۴ اپریل ۱۹۳۵ء کی صدارت کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ ابتداء سے انتہا تک کانگرس کی مساعی کا نچوڑ ہے، انہوں نے فرمایا :۔

ہم سری نگر سے کنیا کماری تک اور کراچی سے لے کر
ڈبرو گڑھ تک جو پردیش ہے اسے ایک مانتے ہیں
اور اس کے لوگوں کو ایک پرجا سمجھتے ہیں۔ [1]

اس ذہنیت کا اظہار تقسیم ہند کے بعد بھی بار بار ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں جب لال بہادر شاستری (وزیر اعظم ہند) کے لئے رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں تعزیتی جلسہ ہوا اور جس میں پاکستانی وفد بھی موجود تھا، دہلی کے میئر جناب نورالدین بیرسٹر مرحوم نے بے ساختہ فرمایا کہ "جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان اور پاکستان ایک ہی ہیں" ـــــ یعنی تقسیم غیر فطری اور ذہنی طور پر ناقابلِ تسلیم ہے ـــــ بہرکیف اس قسم کے خیالات کا اظہار ذمہ دار حضرات کی طرف سے کیا جاتا رہا ہے۔ یہ حقائق اس بات کی شہادت دیتے کہ مسٹر گاندھی جس "متحدہ ہندوستان" اور "متحدہ قومیت" کا پرچار کرتے تھے وہ دلوں سے اب تک محو نہیں ہوا ـــــ اور حقیقتوں کو اب تک تسلیم نہیں کیا گیا۔

---

[1] ماہنامہ جامعہ (دہلی) مئی ۱۹۳۹ء

دسمبر ۱۹۴۷ء میں جن سنگھ لیڈر کھارے نے ایک تقریر میں کہا:

پاکستان کو ختم کر کے اسے دوبارہ بھارت دیش کا ایک حصہ
بنایا جائے۔ [۱]

ان خیالات کی روشنی میں ۱۹۷۱ء میں ہونے والے مشرقی پاکستان کے سانحہ کو دیکھا جائے تو بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے ـــــ کہنے والے تشدد پسند تھے مگر کرنے والے اعتدال پسند ـــــ اس سانحہ سے اعتدال پسندی کا راز معلوم ہو سکتا ہے۔

[۱] کیپٹن محمد حامد "اپنے دشمن کو پہچانیے" مشمولہ ضیائے حرم (لاہور) اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۱۸

۲۔ ایک قوم

بعض متشدد ہندو لیڈروں کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے، مسلمانوں کی حیثیت ثانوی ہے، چنانچہ مشہور ہندو مہاسبھا لیڈر پرمانند نے اجمیر شریف کے مہاسبھا سیشن میں کہا:

ہندوستان صرف ہندوؤں کی سرزمین ہے، یہاں رہنے
والے مسلمان اور عیسائی صرف مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں
انہیں اس وقت تک یہاں رہنے کی اجازت دی جا سکتی
ہے جب تک مہمان بن کر رہیں۔ [۱]

اسی طرح راشٹریہ سیوک سنگھ کے کیمپ کا افتتاح کرتے ہوئے مسٹر کیشور آپٹے نے کہا:

ہندوستان کے اصل باشندے صرف ہندو ہیں، مسلمان
ہندوستان کے شہری نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ عرب سے آئے
ہیں اور آج بھی اسی مذہب اور عقیدے پر قائم ہیں
مسلمانوں کو اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندوستانی
تہذیب و تمدن کو اپنانا ہوگا، ہندوستان، ہندوؤں کا ملک
ہے اور ہندی، ہندوؤں کی زبان۔ [۲]

اس میں شک نہیں کہ یہ خیالات متشدد ہندوؤں کے ہیں، جو اعتدال کے راستے پر چل رہے تھے۔ ان کے یہ خیال نہ تھے، لیکن اس میں خلوص سے زیادہ مصلحت کو دخل تھا، جس کا اندازہ آگے چل کر تاریخی شواہد سے ہو جائے گا۔

[۱] ایضاً ص ۸۰

[۲] کوہستان (راولپنڈی) ۱۲ جولائی ۱۹۶۷ء

۲- ایک زبان

ملک وقوم کی تعمیر وتشکیل میں "زبان" جو اہم کردار ادا کرتی ہے اس سے ہندوستان کے ہندو روزِ اول سے بخوبی واقف تھے۔ اور یہ ان کے سیاسی شعور کی پختگی کی دلیل ہے۔ زوال وسقوط سلطنت مغلیہ ۱۸۵۷ء ہندوؤں کے ملی عروج کا نقطۂ آغاز تھا۔[1] انہوں نے اس انقلاب کے فوراً بعد اپنی ملی تعمیر وتشکیل کے لئے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں صوبہ بہار میں سرکاری دفاتر میں اردو کی جگہ کیتھی رسم الخط اور پھر اترپردیش میں ناگری رسم الخط جاری ہوا۔ اور ہندی زبان کی تحریک شروع ہوئی۔ جس کو دیکھ کر بنارس کے کمشنر شیکسپیر سے سر سید احمد خاں نے یہ بات کہی :-

> یہ پہلا موقع تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر ایک قوم بنانے کی کوشش کرنا محال ہے۔[2]

اس کے علاوہ نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں سر سید احمد خاں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ہندوؤں کا یہ رجحان ایک دن ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ کر دے گا۔[3]

---

[1] جس طرح سیاسی سطح پر انقلاب ۱۸۵۷ء ہندوؤں کے لئے پیغامِ حیات ثابت ہوا۔ اسی طرح مسلمانوں کے ایک خاص مکتبِ فکر کے لئے (جس کو سلطنت مغلیہ میں سازگار ماحول نہ مل سکا) مذہبی سطح پر پیامِ زندگی لے کر آیا ـــــ اسی طرح ۱۹۲۴ء میں زوال وسقوط خلافت عثمانیہ سے ایک طرف ہندوستان میں ہندوؤں کی سیاست پروان چڑھی تو دوسری طرف ہندوستان اور ممالک اسلامیہ میں اس مکتبِ فکر کو عروج ملا۔ مسعود

[2] صلاح الدین ناسک ، تحریک آزادی ص ۲۷

[3] قومی زبان (کراچی) ، دسمبر ۱۹۷۶ء ص ۲۹

اردو کو ختم کرنے کے لئے ہندوؤں نے بنارس میں ایک قومی مجلس قائم کی۔ بابو فتح نرائن سنگھ کا مکان اس تنظیم کا مرکز تھا۔ مختلف شہروں میں اس تنظیم کی ذیلی کمیٹیاں اور سبھائیں قائم کی گئیں ـــــ ۱۸۸۲ء میں اردو کے خلاف بھرپور کوشش کی گئی، شمال مغربی اضلاع اور پنجاب کے ہندوؤں نے اردو زبان اور فارسی خط کے خلاف اپنی سعی کوشش کی جس کے جواب میں پنجاب میں انجمن حمایت اردو قائم کی گئی ـــــ ۱۸۹۸ء میں گورنر اضلاع شمال مغرب و اودھ سر انٹونی میکڈانل کی خدمت میں سر برآوردہ ہندوؤں نے ایک محضر نامہ پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ عدالتوں، کچہریوں اور سرکاری دفتروں میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے بجائے بھاشا اور ناگری رسم الخط کو جاری کیا جائے۔[1]

اس پس منظر میں اب ان حقائق کو دیکھا جائے ـــــ ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ مسٹر گاندھی نے مدراس میں ہندی زبان کو رائج کرنے کی کوشش کی اور مارواڑیوں نے اس کام کیلئے ان کو پچاس ہزار روپیہ فراہم کیا۔ مسٹر گاندھی کے بیٹے مسٹر دیوداس گاندھی نے ہندی کی ترویج کے لئے مدتوں صوبہ مدراس میں قیام کیا اور شہر مدراس میں ہندی پرچار کا ایک مستقل مرکز قائم کیا ـــــ[2]

مسٹر گاندھی نے یہی کچھ نہیں کیا بلکہ مدیر معارف لکھتے ہیں :-

> مسٹر گاندھی فرماتے ہیں کہ اردو اور ہندی ایک ہی ہے صرف رسم الخط کا فرق ہے امید ہے ہندوستان کے مسلمان (بڑی آبادی کی سہولت کیلئے) بہ تکلیف گوارہ کریں گے اور دیوناگری بہ مسرت تمام سیکھ لیں گے۔[3]

---

[1] الطاف حسین حالی، حیات جاوید ص ۱۶۵، ۱۶۶

[2] معارف (اعظم گڑھ) جون ۱۹۲۰ء ص ۳۲۸

[3] کہا جاتا ہے کہ مسٹر گاندھی نے یہ بھی فرمایا کہ "اردو مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے، مسلمان بادشاہوں نے اسے اپنے زمانہ حکومت میں بنایا اور پھیلایا تھا۔" (قومی زبان کراچی) دسمبر ۱۹۷۶ء ص ۳۰

مسٹر گاندھی نے مسلمانوں سے یہ توقع اس لئے کی کہ وہ اس سے پہلے ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے کی قربانی چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، اور نہ معلوم کن کن باتوں کے لئے تیار ہو گئے تھے اور بہت کچھ کر کے بھی دکھا دیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ایک طرف تو مسٹر گاندھی واشگاف الفاظ میں اپنے مدعا کا اظہار فرماتے ہیں اور دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزاد اس کی بڑی حسین تاویل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

زبان کی تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ جس قدر مسلمان طلبہ ہیں ان
کو ہندی یعنی دیوناگری رسم الخط اور اس کے خاص لٹریچر
کی تعلیم دی جائے اور اسی طرح جس قدر ہندو ہوں ان کو
اردو زبان رسم الخط کی تعلیم دی جائے تاکہ زبان کا تفرقہ دور
ہو جائے۔[۱]

واردھا اسکیم بنائی گئی جس نے مخلوط تعلیم کی سفارش کی، موسیقی کو لازمی مضمون قرار دیا گیا، اسکولوں کا نام ودیا مندر تجویز کیا گیا، اور بقول شیر بنگال فضل الحق مرحوم ہر تقریب میں ہندوستان کا ترانہ وندے ماترم گایا گیا۔[۲] ہندی زبان کو رائج کیا گیا اور مدارس میں اس کو

---

[۱] محمد ابرار صدیقی : ترک موالات، مدینہ پریس بجنور ۱۹۲۰ء صـ ۲۶

[۲] اس ترانے کے مطالعہ سے کانگریس کی آرزوؤں، تمناؤں، ارادوں اور سیاسی حکمت عملی ——— کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ حکمت عملی اسلامی روح سے کس قدر متضاد تھی ——— مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ترانے کے چند بول پیش کر دیے جائیں ——— اس میں زمین وطن کو خطاب کر کے کہا گیا ہے :

ا - کیا اتنی قوت ہوتے ہوئے بھی
اے ماں تو کمزور ہے
تو ہی ہمارے بازوؤں کی قوت ہے
میں تیرے قدم چومتا ہوں

باقی اگلے صفحہ پر

لازمی مضمون قرار دیا گیا[۱] ——— اسی زمانے میں ۸، ۹، اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا تو اس میں انھوں نے اس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا :-

" اردو کا خاتمہ کر کے سنسکرت آمیز ہندی، ہندوستان
کی عام زبان قرار دی جا رہی ہے۔[۲]

بقیہ حاشیہ صـ ۷۶

تو دشمن کے لشکر کی غارت گر ہے، میری ماں
ب۔ تو ہی میرا علم ہے، تو ہی میرا دھرم ہے
تو ہی میرا باطن ہے، تو ہی میرا مقصد ہے
تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے
تو ہی بازوؤں کی قوت ہے
دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے
تیری ہی محبوب مورتی ہے
ایک ایک مندر میں
ج۔ لہلہاتے کھیتوں والی مقدس
موہنی آراستہ و پیراستہ
بڑی قدرت والی، قائم و دائم ماں
میں تیرا بندہ ہوں

(صدیق علی خاں : بے تیغ سپاہی، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء صـ ۱۴۱-۲)

[۱] قومی زبان کراچی : دسمبر ۱۹۷۶ء

[۲] قومی زبان کراچی : دسمبر ۱۹۷۶ء صـ ۲۵

نوٹ :- ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ ماہ اکتوبر میں قائداعظم نے بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کو دعوت دی تھی۔ اس اجلاس میں مولوی

باقی اگلے صفحہ پر

یہ بات غلط نہیں کہی تھی، تقسیم ہند کے بعد جو کچھ ہوا ہمارے سامنے ہے اور ہندوستان سے جس زبان میں ہم خبریں سنتے ہیں، تقسیم سے قبل وہ زبان سننے میں نہیں آئی تھی۔

مشہور ہندو لیڈر گولوالکر نے واضح الفاظ میں کہا :-

"ہندوستان میں رہنے والے غیر ہندو افراد کو ہندو تہذیب
اور زبان کو اپنا لینا چاہیئے" ؎۱

اسی طرح جن سنگھ کے ایک لیڈر نے کہا :

"اردو ایک غیر ملکی زبان ہے اور یہ ہماری غلامی کی مظہر ہے،
اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیئے۔ اردو ملیچھوں (نجس اور
گندے لوگوں) کی زبان ہے جس نے ہمارے قومی مقاصد
کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ یہ ہندوستان میں
مقبول ہوتی جا رہی ہے۔" ؎۲

مندرجہ بالا اقتباسات سے ہندی کے مسئلے پر اعتدال پسند اور تشدد پسند دونوں حضرات کی آراء کا اندازہ ہوجاتا ہے اور ان کی نیتوں کا پتا چل جاتا ہے ——— یہ عجیب اتفاق ہے کہ پاکستان کے جن صوبوں میں اردو کے خلاف نفرت کی مہم چلائی گئی وہاں ہندو موجود ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو ذہنیت پاکستان وجود میں آنے سے قبل مصروف کار تھی ——— بعد میں بھی اپنے مشن کی تکمیل کے لئے کوشاں رہی —

بقیہ حاشیہ صہ ۷۷

صاحب کی یہ قرارداد ضروری ترمیم کے بعد پاس ہوئی :-

"ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اردو تمام ہندوستان کی عام زبان ہو جائے۔"

(قومی زبان، دسمبر ۱۹۷۶ء، صہ ۱۲)

؎۱ ضیائے حرم (لاہور) اکتوبر ۱۹۷۶ء، صہ ۸۱

؎۲ ایضاً، صہ ۸۲

اردو کے بارے میں سندھ کے جلیل القدر عالم اور سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی، سندھ، علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی مرحوم نے ۱۹۳۸ء میں یوم اردو کے موقع پر کراچی میں جن افکار و خیالات کا اظہار فرمایا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ پاکستان کے تمام محبان وطن ان خیالات کو اپنے سینے سے لگائیں۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں :-

ان لوگوں کے نزدیک جن کے پاس آنکھیں ہیں، اردو ایک علامت
ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، آفاقیت کی، بین الاقوامیت کی
اور دنیا کے تین عظیم تمدنوں کے نقطۂ اتصال کی ——— ہندی
الہامی تمدن، سامی تمدن اور منگولی تمدن ——— اور یوں یہ ایشیا
کی عوامی زبان ہونے کی حیثیت رکھتی ہے، یہ ایسی اساسی زبانوں
میں سے ایک ہے کہ جس سے مستقبل کی عالمی زبان پیدا ہونی چاہیئے ؎۱

علامہ مرحوم جس زبان کو "ایشیا کی عوامی زبان" کہہ رہے ہیں اور جس کے متعلق مستقبل میں "عالمی زبان" ہونے کی پیش گوئی فرما رہے ہیں، اس کا پاکستان میں ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہونا اسی ذہنیت کی کارفرمائی کا نتیجہ ہو سکتا ہے جس کو ہم نے شرح و بسط کے ساتھ اوپر بیان کیا ہے ——— یہ ذہنیت خالص ہندوستانی ہے، اس کو نہ پاکستان سے کوئی تعلق ہے اور نہ نظریہ پاکستان سے ——— لیکن علاقائی زبانوں کی اپنی جگہ پروان چڑھنے والی بات معقول ہے نامعقولیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان کو اردو کے مقابل لایا جاتا ہے!

؎۱ فکر و نظر (اسلام آباد)، ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۶ء، صہ ۱۸۴-۱۸۵

۴۔ ایک تہذیب

مسٹر گاندھی نے متحدہ قومیت جدید تہذیب و تمدن کے بارے میں کہا تھا کہ ہندو مسلم

> تہذیبوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تہذیب مرتب ہو گی [1]

تین پاؤ دودھ میں اگر ایک پاؤ پانی ملایا جائے تو پھر اس کو دودھ ہی کہیں گے نہ کوئی اس کو پانی کہے گا اور نہ شربت۔ ظاہر ہے جس تہذیب میں غالب عنصر ہندو تہذیب کا ہوتا وہ تہذیب ہندو تہذیب نہ ہوتی تو کیا ہوتی؟ —— مگر بعض مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ اخبار الجمعیۃ نے لکھا ہے:۔

> اس اعتبار سے آج ہم ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں، ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔ [2]

یو۔ پی کے وزیر تعلیم سوامی سمپورنانند نے بھی اس نئے تمدن و تہذیب کا ذکر کیا تھا [3] لیکن حقیقت میں یہ ہندو تہذیب و تمدن ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ متشدد ہندو لیڈروں نے واضح الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کر دیا ہے۔ مسٹر گوالکر کہتے ہیں:۔

> "ہندوستان میں رہنے والے غیر ہندو افراد کو ہندو تہذیب اور زبان کو اپنا لینا چاہیئے۔" [4]

اسی طرح مسٹر کشور آپٹے کہتے ہیں:۔

> مسلمانوں کو اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو انہیں ہندو بن کر رہنا ہے اور ہندو تہذیب و تمدن کو اپنانا ہو گا۔ [5]

[1] اخبار ہریجن ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء

[2] اخبار الجمعیۃ دہلی، رجب ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

[3] مولانا رازی، متحدہ قومیت اور اسلام، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء (بحوالہ لیڈر و مدینہ، ص ۶-۷)

[4] ضیائے حرم (لاہور)، اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۸۱ [5] ایضاً، ص ۸۳

ان واضح بیانات سے معلوم ہو گیا کہ جس تہذیب کو مسٹر گاندھی نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ہندو مسلم تہذیبوں کا امتزاج قرار دیا اور جس کو قوم پرست اخبارات نے نئے اور زندہ تہذیب و تمدن سے تعبیر کیا وہ حقیقت میں وہی تہذیب و تمدن تھا جو ہندوؤں کو جان سے زیادہ عزیز ہے اور جس کے اندر ہزار سالہ اسلامی دور حکومت میں بھی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی جس کو فرانس کے مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے محسوس کیا اور خصوصیت سے اپنی کتاب تمدن ہند میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ ایک مذہب

پنڈت جواہر لال نہرو کو نہ معلوم کیوں مذہب سے پرخاش تھی۔ انہوں نے اپنی آپ بیتی میں مذہب کو مٹا ڈالنے کی آرزو کی ہے[۱] — مگر مسٹر گاندھی کا ظاہر و باطن خالص مذہبی تھا بظاہر وہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے لیکن حقیقت میں وہ ہندو مذہب تھا۔ — ۲ جون ۱۹۲۰ء کو الہ آباد میں خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ اس کی رپورٹ میں مولوی شوکت علی مرحوم فرماتے ہیں :

> الہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ایثار و رفاقت
> کی اسپرٹ کو ان شاء اللہ ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو
> جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاگ یا سنگھ
> کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔[۲]

۱۹۳۳ء میں سیرت کمیٹی کے تحت سے ایک "تنظیم" بنائی گئی جس میں تمام مسلمانوں، ہندوؤں

---

[۱] جواہر لال نہرو : میری کہانی، صـ ۱۶۱

[۲] اخبار ہمدم (لکھنؤ) ۸ جون ۱۹۲۰ء

[۳] مولوی حشمت علی خاں نے راز سیرت بمبئی (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) مطبوعہ بمبئی اور سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری سجادہ نشین، مارہرہ نے بھی رد سیرت کمیٹی (۱۳۵۴ھ) کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا تھا۔

سکھوں اور پارسیوں وغیرہ کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ بظاہر مقصد یہ بتایا گیا کہ اس تنظیم کے تحت ۱۲ ربیع الاول کو جلسے کیے جائیں گے مگر اندرون خانہ ایک نئے مذہب کی تشکیل کی جا رہی تھی —

اہل سنت و جماعت، سواد اعظم کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس لئے ہر جدید فرقہ کی نظر اسی کی طرف ہوتی ہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں میں جتنے نئے فرقے اور مذاہب پیدا ہوئے ان کے محلات اہل سنت و جماعت ہی کے سنگ و خشت سے بنے

مولود خوانی اہل سنت کا محبوب مشغلہ ہے اور ذکر حبیب خدا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار جسم و جاں ہے، اس لئے جدید مذہب کے بانیوں نے اس راہ سے اہل سنت کی صفوں میں داخل ہونا چاہا

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جلسے سیرت کمیٹی نے ترتیب دیے ان کی خصوصیت کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے :-

> ان جلسوں کی کامیابی کا واحد معیار یہ ہے کہ ان میں حاکم و محکوم
> اچھوت و برہمن، رنگ و نسل اور ملک و زبان کی تمام تفریق و
> تمیز اٹھائی جائے اور تمام قومیں اخوت و مساوات کے دعوے
> سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور سیرت نبوی پر تقریریں
> کریں —[۱]

اس اقتباس میں یہ جملہ خاص طور پر قابل غور ہے :-

> "اور تمام قومیں اخوت و مساوات کے دعوے سے ایک
> پلیٹ فارم پر جمع ہوں"

اس جملے کی وضاحت سیرت کمیٹی کے ایک مصنف کے رسالہ نور کامل (مطبوعہ آفتاب پریس، امرتسر) کی مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی تشریح و تفسیر سے ہو جاتی ہے۔

---

[۱] ضمیمہ اخبار ایمان نمبر ۱۶ جلد ۲، جولائی ۱۹۳۳ء صـ ۳۱۲

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصریٰ والصابئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۝

اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر علوم قرآن سے بعض ناآشنا حضرات آج بھی وہی کرتے ہیں جو سیرت کمیٹی کے ارکان نے کی تھی۔ چنانچہ ہمارے ملک کے ایک تحقیقی ادارے کے مجلہ میں اسی قسم کے ایک عالم نے یہی تفسیر و تشریح کی تھی۔

مصنف نورِ کامل نے آیت مذکورہ بالا کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"ایمان والے ہوں، یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں، صابی ہوں، کوئی ہوں، جو بھی خدا اور آخرت پر ایمان لایا اور نیک کام کئے اس کے لئے خدا کے ہاں اجر ہے، اس کے لئے کوئی خوف و غم نہیں۔"[1]

لیکن علومِ قرآنی سے آشنا حضرات نے یہ ترجمہ کیا ہے:۔

"بیشک ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم۔"[2]

ان دونوں ترجموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پہلے ترجمے سے اس نئے مذہب کی تائید ہوتی ہے جو سیرت کمیٹی یا کانگریس تشکیل دینا چاہتی تھی اور دوسرے ترجمے سے اس خیال باطل کی تردید ہوتی ہے۔

مصنف نورِ کامل نے جدید مذہب کے عقائد و اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

رہنمایانِ ہند میں رام چندر جی، گوتم بدھ اور سری کرشن اور دوسرے رشی منی اور ہادیانِ عجم میں فریدون، زرتشت اور دوسرے وخشور وغیرہم کو مامور

---

[1] حشمت علی خان: رازِ سیرت کمیٹی (۱۳۵۰ھ/۱۹۳۹ء) مطبوعہ بمبئی ص۵
[2] ایضاً، ص۱۰

من اللہ مان کر ان روایات کو جو ان کی شان کے منافی ہیں، غلط فہمی پر محمول کرنا چاہیئے ——— ہندوستان اور ایران کے ہادیان ملت پر ایسا ہی ایمان لانا چاہیئے جیسا کہ اہل کتاب کے پیغمبروں پر۔[1]

مسٹر گاندھی بھی یہی سمجھتے تھے کہ قرآن نے نجات و سعادت کے لئے صرف اسلام ہی کو واحد ذریعہ قرار نہیں دیا بلکہ ہر دین و مذہب نجات و سعادت کی نشاندہی کرتا ہے، ان کے بقول ان کے اس عقیدے کو ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن (جلد اول) میں ثابت کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر گاندھی نے اس حصے کا گجراتی میں ترجمہ کرا کے تقسیم کرایا ——— یہ انکشاف مسٹر گاندھی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے ۱۹۴۰ء سے پہلے فرمایا ———[2]

سیرت کمیٹی کے قیام سے بہت پہلے اس ذہنیت کی پرورش ہونے لگی تھی، غالباً اس وقت سے جب تحریک موالات کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا ——— چنانچہ ۱۹۱۶ء میں پنڈت دینا ناتھ معجز دہلوی نے مخزن الاسرار کے نام سے گیتا کے اٹھارہ ادھیائوں کا منظوم ترجمہ لکھا، جو منظر عام پہ چھپ کر شائع ہوا[3] ——— ۱۹۱۷ء میں حسن نظامی نے کرشن بیتی لکھی جس پر اکبر الہ آبادی نے ارشاد فرمایا ؎

خوب ہے اردو میں لکھے جس نے حالات کرشن
اس مصنف کو مگر دلی ہی پیدا کر سکی[4]

۱۹۱۹ء میں شیعہ سنی اتحاد کے لئے خواجہ حسن نظامی نے یزید نامہ لکھا ———[5] بہرکیف مسلمانوں کی غیر محتاط رواداری نے اس مذہب کے عناصر اربعہ تیار کئے ———

---

[1] رسالہ نورِ کامل، مطبوعہ آفتاب پریس امرتسر، ص۱۶
[2] رسالہ ایمان، پٹی (ضلع لاہور) ۱۵ اپریل ۱۹۴۰ء
[3] مکتوب اکبر الہ آبادی محررہ ۱۵ جولائی ۱۹۱۶ء
[4] ایضاً محررہ ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء
[5] ایضاً محررہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء

مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کمیٹی کے اراکین اہل سنت وجماعت کو جس راہ پر لگانا چاہتے تھے وہ اس راہ پر نہ لگے، مخفی حکمتوں سے واقف ہوگئے اور اس طرح نئے مذہب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، اسی طرح ختم ہوگیا جس طرح دورِ اکبری میں "دینِ الٰہی" ختم ہوگیا تھا ــــــ بلکہ واقعات وشواہد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کوششوں کا الٹا اثر ہوا اور اہل سنت وجماعت پہلے سے زیادہ اہتمام اور مستعدی سے :۔

۱۔ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موقع پر جلوس نکالنے لگے۔

۲۔ ۱۲ ربیع الاول اور اس کی شب کو عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں سجانے لگے

۳۔ اشتہارات میں ان مجالس ومحافل کے لئے جشن عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اصطلاح اپنائی گئی۔

۴۔ دل کھول کر چراغاں کیا گیا اور فقراء کو کھانا کھلایا گیا۔

سیرت کمیٹی کے اراکین جب اپنے مشن کی تکمیل سے مایوس ہوگئے اور بجائے نفع کے ان کی نظر میں نقصانات ظاہر ہونے لگے تو انہوں نے مسلک دیوبند کے مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم سے فتویٰ لیا اور اس کو عنوان ذیل سے شائع کیا :۔

"میلادالنبی کی شرعی حیثیت پر مولانا مفتی محمد کفایت صاحب کا اہم فتویٰ"۔ اس فتوے میں مفتی صاحب نے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل ہدایات دیں، جو مرکزی سیرت کمیٹی نے جاری کیں :

۱۔ جلوس بند کردیے جائیں۔

۲۔ ۱۲ ربیع الاول سے پہلے یا بعد سیرت کے جلسے کئے جائیں اور ۱۲ ربیع الاول کو نہ کئے جائیں۔

۳۔ اشتہاروں میں "عید میلاد" یا "جشن میلاد" کی اصطلاح استعمال نہ کی جائے۔

۴۔ ہر کام کو نہایت کفایت شعاری سے کیا جائے۔ [1]

اس طرح نئے مذہب کو قائم کرنے کے لئے کی جانے والی کوششیں ۱۹۳۷ء میں بے اثر ہوکر رہ گئیں۔ [2]

---

[1] اخبار ایمان نمبر ۹ جلد ۷، ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء، ص ۳ (ملخصاً) حاشیہ ۲ اگلے صفحہ پر

۶۔ ایک آئین

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال (۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) اور زوال سلطنت مغلیہ سے ہندوستان میں اسلامی مفادات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ کمزور مرکز کی وجہ سے بہت سے نشیب وفراز آئے جس سے ہندوستان کی غیر مسلم رعیت نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسی وقت سے سوراج کی منصوبہ بندی شروع ہوچکی تھی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء نے رہی سہی کسر پوری کردی اور سوراج کا چھپا ہوا منصوبہ رفتہ رفتہ ظاہر ہونے لگا۔ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں "مسلمان عرب سے آئے تھے، عرب جائیں"۔ "ہندوستان کی سرزمین صرف ہندوؤں کے لئے یا ان لوگوں کے لئے جو ہندو بن کر یہاں رہنا چاہیں" یہاں اس اسلامی آئین اور شریعت محمدی کی گنجائش نہیں جو اورنگ زیب علیہ الرحمہ کے ایام حکومت میں نافذ رہا ــــــ وغیرہ وغیرہ

سبحان اللہ! دنیا والے یہ کہیں کہ تم زمین پر تھے ہی نہیں، تم تو آسمان سے آئے ہو، آسمان پر جاؤ ــــــ کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ مینہ آسمان ہی سے برستا ہے مگر گل بوٹے تو زمین ہی پر کھلتے ہیں ــــــ کس باغبان نے محض اس بنا پر پھولوں کا دامن چاک کیا

---

[2] (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب عبدالرشید ارشد نے ماہنامہ الرشید (لاہور) کے دارالعلوم دیوبند نمبر مارچ ۱۹۷۶ء کے ص ۔۔۔ پر لکھا ہے کہ قاضی عبدالمجید قریشی نے سیرت کمیٹی کے نام سے ایک مرکزی کمیٹی بنائی، مولوی حشمت علی لکھنوی نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ جناب ارشد صاحب نے نہ معلوم کیوں سیرت کمیٹی کی بداعمالیوں پر پردہ ڈال کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ بڑی اچھی تحریک تھی، مولوی حشمت علی نے ازراہ عناد اس کی مخالفت کی۔ اس طرح ارشد صاحب نے مسلک اہل سنت کے اکابر کو بدنام کرنے کی غیر مؤرخانہ کوشش کی ہے اور قارئین کو اندھیرے ہی میں رکھا۔ علمی حیثیت سے یہ بات نہایت ہی تکلیف دہ ہے، ساری خرابیاں اسی قسم کی تاریخی خیانتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں

مسعود

ہے یا پودوں کو اکھیڑا ہے کہ تم زمین پر اُگتے ہی نہیں، آسمانی بارش نے تم کو جنم دیا ہے
—— تم ہمارے نہیں، تم خدا کے ہو، جاؤ خدا کے پاس جاؤ، زمین پر تمہارے لئے
جگہ نہیں!

ذرا غور تو کیجئے وہ مسلمان جس نے سرزمین ہند میں قریباً ہزار سال نہایت
عدل وانصاف اور رواداری کے ساتھ حکومت کی —— بقول ایک ہندو مورخ
"رواداری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ ہندوستان کے اسلامی دورِ حکومت میں
جو شہر دار السلطنت رہے وہاں مسلمانوں کی نہیں، ہندوؤں کی اکثریت رہی" ——
لیکن اس کے باوجود اسی محسن کے لئے اب اسی ہندوستان میں کوئی جگہ نہ رہی تھی
ماسوائے اس کے کہ وہ اپنی ہندو رعایا کا زیرِ نگیں ہو کر رہے، محسن کو بھلا دیا گیا، اور اس
کے بیکراں احسانات کو فراموش کر دیا گیا، شاید چشم عالم نے احسان فراموشی کا اس
سے بڑھا حادثہ نہ دیکھا ہوگا —— ! بہرکیف اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد، ہنود
نے پوری قوت سے اپنے آئین اور دستور کے نفاذ کے لئے جدوجہد شروع کر دی،
لیکن وہ اس کو پورے ہندوستان میں نافذ نہ کر سکے ——

ہندو اسٹیٹ اور سوراج کے قیام کی ایک بڑی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ مذہبی حیثیت
سے ہنود کا کسی گوشۂ عالم میں نہ حق ہے نہ گنجائش اور نہ تعلق، اس لئے ان کے لئے
اس کائنات ارضی میں جو کچھ ہے یہی سرزمین ہے، برخلاف مسلمان کے کہ اس کے لئے مذہبی
حیثیت سے دنیا کے بہت سے گوشوں میں جگہ ہے اور اپنے عقیدے کے لحاظ سے وہ
ایسا وسیع النظر ہے کہ جہاں جاتا ہے اس کو اپنا ہی ملک سمجھتا ہے کہ ؎

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

بقول پروفیسر سید سلیمان اشرف (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) ہندوؤں کو سوراج کی
تصویر آربندو گھوش نے دکھائی تھی[1] —— تحریک خلافت ہو یا تحریک ترک موالات

---

[1] محمد سلیمان اشرف: النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۲۳

جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے وہ اس تحریک کے پردے میں سوراج کے حصول کی
انتھک کوشش کر رہے تھے، بلکہ یہ بات تو قوم پرست علماء کو بھی اچھی طرح معلوم تھی،
چنانچہ :-

مسٹر ابوالکلام آزاد نے کہا کہ کوشش اور لڑائی صرف اماکن مقدسہ اور
خلافت کے لئے نہیں ہے بلکہ ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دلانے کے لئے
ہے، اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم ہماری جدوجہد جاری
رہے گی، اس وقت تک کہ ہم گنگا اور جمنا کی مقدس زمین کو آزاد نہ کرا لیں[1]

"خود اختیاری حکومت"، اور گنگا جمنا کی مقدس زمین کو آزاد کرانے" کا مقصد ممکن
ہے مولانا آزاد کے ذہن میں واضح نہ ہو ورنہ ہندوؤں کے ذہن میں اس کا یہ مطلب تھا
جو لالہ ہر دیال ایم۔ اے نے اپنے ایک طویل مضمون میں بیان کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے:

"ہنود کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہو سکتا، اس لئے تمام مسلمانوں کو
ہر جائز و ناجائز کوشش سے ہندو بنا کر ... ہنود کے کسی نہ کسی فرقے
میں داخل کر لو اور اس طرح 'سوراجیہ' حاصل کر لو اور بھارت ورش کو تمام
غیر ہندوؤں سے پاک اور شدھ کر لو —— اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو پہلے
سوراجیہ حاصل کر لو —— اور ہندو ریاست قائم کر کے پھر سلطنت کے
رعب، جاہ و حشم کی تخویف اور زر کی لالچ سے تمام مسلمانوں کو گمراہ کر کے
ہندو بنا لو[2]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ آئینی طور پر ہندوستان کو ایک ہندو اسٹیٹ

---

[1] اشتہار منجانب یوسف کھڑگ پوری مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ء مطبوعہ کل بھاسکر پریس، الٰہ آباد

[2] ا۔ اخبار ملاپ (لاہور) ۱۹۲۵ء

ب۔ اخبار زمیندار (لاہور) ۱۹۲۵ء

ج۔ اخبار تنظیم (امرتسر) ۱۹۲۵ء

بنانا تھا، جہاں مسلمان کی بحیثیت مسلمان گنجائش نہ تھی ——— لیکن اسلامی اسٹیٹ کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے، وہاں کا فرد مشرک سب کے لئے گنجائش ہے حتیٰ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت کی جاتی ہے، اس لئے اسلامی اسٹیٹ چاہنے والا نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ نوع انسانی کا خیر خواہ ہے۔

جس ہندو اسٹیٹ کا لالہ ہر دیال نے ذکر کیا ہے، اس کی آئینی حیثیت کے بارے میں کانگریس کے جنرل سیکرٹری اچاریہ کرپلانی کا یہ بیان نہایت واضح ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

"گاندھی جی نے کانگریس کو بتایا کہ ہمارا کام صرف یہ نہیں کہ ملک کی سیاسی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ سے چھین کر اہل ملک کے ہاتھ میں دے دیں بلکہ سب سے ضروری ہے کہ ہم تمام جدوجہد کی بنیاد کسی ایسے فلسفہ حیات پر رکھیں جس کے دائرے میں ہماری معاشرت، اخلاق، اور روحانیت سب کچھ داخل ہو۔[۱]

ایسا فلسفہ حیات "اسلام" کی شکل میں موجود تھا لیکن ہندوؤں کا وہ مطلوب و مقصود نہ تھا، اس لئے فلسفۂ حیات مسٹر گاندھی نے دیا جس کو "فلسفہ گاندھی" کہا جائے تو بجا ہے۔ چنانچہ یہی اچاریہ کرپلانی ایک جگہ اس فلسفے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ کانگریس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفے کے ماتحت چلائی جائے گی۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آپ کسی اسکیم اور کسی اور فلسفہ زندگی کے اصول پر چلا سکیں، کانگریسی اسکیموں کا قلم کسی اور فلسفہ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ فلسفہ زندگی دنیا کے کسی اور فلسفہ زندگی کے ماتحت نہیں بنایا جا سکتا ہے ——— گاندھی کا فلسفہ زندگی ایک ایسا مکمل فلسفہ ہے جس سے اجتماعاً قوم بھی صحیح رہبری حاصل کر سکتی ہے اور فرداً فرداً اشخاص بھی اس سے سیدھا راستہ پا سکتے ہیں۔[۲]

[۱-۲] اخبار مدینہ (بجنور) ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء

نوٹ :- ظاہر ہے جن حضرات نے مسٹر گاندھی کی پیروی کی انہوں نے شعوری یا غیر شعوری

کسی نئے فلسفے کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ پرانا فلسفہ قلب و دماغ سے معدوم ہو جائے، تحریک شدھی سنگھٹن کے ذریعہ یہ کوشش کی گئی، چنانچہ علمائے اہل سنت نے ملت مسلمہ کو بر وقت متنبہ کیا اور ہندوستان کے طول و عرض میں اپنی سی کوشش کی۔

مولوی حشمت علی خاں صاحب[۱] کی ایک تقریر جو انہوں نے جماعت رضائے مصطفےٰ کے زیر اہتمام ایک اجلاس میں کی تھی، "تقریر منیر قلب" کے نام سے ۱۹۲۲ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی، اس میں انہوں نے جس درد و سوز اور جوش و ولولے کے ساتھ مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے، اس سے ان کی سیاسی بصیرت اور حکمت و دانائی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے انہوں نے کیا کیا، اپنے مخالفین کی طرح ہنود کے ہاتھ مضبوط نہیں کئے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھ مضبوط کئے ——— ہم یہاں ان کی تقریر کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں :-

۱- افسوس آج وہ وقت آگیا پتھروں کے پجاری، پاخانے اور پیشاب کو پوتر (پاک) سمجھنے والے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو ماننے والے، اسلام اور مسلمین کو مٹانے کو تیار ہیں، ان کے دعوے ہیں کہ ہندوستان کے ساڑھے سات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰ طور پر "فلسفہ گاندھی" کو اپنایا اس طرح نظری اور عملی سطح پر اسلامی فلسفہ کو نظر انداز کر دیا گیا ——— فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی مسلم زعما اور علماء کے اس طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

یارب چہ گروہ ست فسون دم گاندھی	لیڈر پس رو، امام اقدم گاندھی ؟
پتنگ دہ، گاندھی زن، گاندھی افگن	مشرک نہ بجز سواری باید کرد

(حامد رضا خاں، الطاری الداری (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) بریلی، صفحہ ۷۸، ۷۹)

[۱] مولوی حشمت علی خاں کے لئے مخالفین کی طرف سے بعض باتیں کہی جاتی ہیں، ممکن ہے وہ صحیح ہوں۔ مگر ان کی تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دامن دوسرے بہت سے علماء کی طرح موالات ہنود کے داغ سے داغدار نہیں، ان کی سیاست خالص اسلامی

کروڑ ملکش مسلمانوں کو جلد جلد ہندو بنا ڈالو، اور اگر یہ ہندو نہ ہوں تو انہیں بھارت ورت (ہندوستان) سے نکال دو، وہ کہتے ہیں کہ ہم کعبہ کی چھت پر جاکر رام کا جھنڈا گاڑیں گے۔ [۱]

۲۔ اٹھو، جاگو، ہوشیار ہو، بیدار ہو! — بہت سو چکے — سونے کا نتیجہ بھی بھگت چکے، کیا تم ابھی اپنی پاداش کو نہیں پہنچے — ؟ برائے خدا، ہندوؤں سے ہوشیار ہو — ان سے اتحاد و داد توڑ ڈالو، اپنا رشتہ پیارے اسلام سے جوڑ دو، مشرکین سے اپنا تعلق توڑ دو، کیا اب اس وقت کا انتظار ہے جب معاذ اللہ اسلام کا لہلہاتا باغ، خدانہ کردہ، تمہاری آنکھوں کے سامنے اجاڑ ڈالا جائے، اس کی بلبلوں کو ذبح کر دیا جائے، اس کے غنچوں کو مسل کر پھینک دیا جائے، اس کے پھول پتیاں سب ایک دم سے کملا جائیں ؟

اٹھو! — اللہ پھر رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھروسہ کرکے دین الٰہی کی حمایت کے لئے کمر ہمت چست باندھو، آج اعدائے دین تمہارے پیارے مذہب اسلام کو مٹانے کے لئے، سونے

بقیہ الحاشیہ صـ ۹۱ سیاست تھی، اور اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنا یہی چاہیے کہ ان کی کوششیں دینی و سیاسی سطح پر ملت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئیں یا سود مند؟ مسعود

[۱] حشمت علی خاں: تقریر منیر قلب، (۱۳۴۲ھ/۱۹۲۲ء) مطبوعہ یونائیٹڈ پریس لکھنؤ، صـ ۳

چاندی کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں، تم بھی تیار ہو جاؤ —! [۱]

---

[۱] ایضاً، صـ ۲۲، ۲۳

نوٹ:۔ ابوالمسعود محمد عبدالعظیم کی تالیف مصحح دماغ مجنوں (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مسعود علی (سیکرٹری خلافت کمیٹی بریلی) ظہور الدین و عبدالودود نے مشترکہ طور پر ایک تحریر شائع کرائی جس کا عنوان تھا۔

حب الوطن من الایمان

اس تحریر کا مفہوم یہ تھا کہ ہندوستان کی محبت ایمان ہے۔ مولوی حشمت علی لکھنوی (مناظر جماعت رضائے مصطفیٰ) نے اس کے جواب میں ایک تحریر شائع کی جس کا عنوان تھا،

حب الگاندھی ہادم الایمان

اس کے جواب میں مسعود علی اور عبدالودود نے دوبارہ ایک تحریر شائع کی جس کا عنوان تھا:۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کے مولوی

اس میں مولوی حشمت علی پر بعض الزامات لگائے گئے ہیں۔

مصحح دماغ مجنوں کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی حشمت علی خاں لکھنوی نے کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہند کے تعاقب اور مخالفت میں مندرجہ ذیل رسائل لکھے تھے۔

(۱) کھلی مسلمانی چٹھی (۲) اسلامی پیغام (۳) اسلامی خط (۴) فرنگی محل ہوس میں کفر کی مشین (۵) کمیٹی کا پاکیزہ فوٹو گراف (۶) حق کا خنجر وغیرہ وغیرہ

(مصحح دماغ مجنوں (۱۳۴۰ھ) بریلی، صـ ۳)

مسعود

(ب) اسباب وعوامل

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے اندازہ ہوگا کہ ہنود، ہندوستان میں ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس کی بنیاد ان اصولوں پر ہو :-

۱۔ ایک وطن
۲۔ ایک قوم
۳۔ ایک زبان
۴۔ ایک مذہب
۵۔ ایک تہذیب
۶۔ ایک آئین

وطن[1] وہ جس میں پاک و ہند کی پوری سرزمین شامل ہو بلکہ ممکن ہو تو پڑوسی ریاستوں اور حکومتوں کو بھی شامل کر لیا جائے ـــــ قوم[2] وہ جس کا نام ہندوستانی ہو ـــــ زبان[3] وہ جس کا نام ہندی ہو، اور جو سنسکرت آمیز ناگری رسم الخط میں لکھی جائے ـــــ مذہب[4] وہ جو تمام مذاہب ہند کا مجموعہ ہو مگر غالب عنصر ہندومت کا ہو ـــــ تہذیب[5] وہ جو ہندوستان کی ساری تہذیبوں سے مرکب ہو مگر غالب عنصر ہندو تہذیب کا ہو ـــــ آئین[6] وہ جس کو مسٹر گاندھی کے فکر و خیال نے جنم دیا ہے یعنی "فلسفۂ گاندھی" ـــــ

ہنود کے سامنے یہ مقاصد تھے، ان مقاصد کے حصول کے لئے رفتہ رفتہ فضا سازگار ہونے لگی اور داخلی اور خارجی حوادث نے منزل کو اور قریب کر دیا ـــــ پہلا سبب عظیم زوال و سقوط سلطنت مغلیہ ہے گویا ۱۸۵۷ء سے ان مقاصد کے حصول کی کوشش کی جانے لگی ـــــ پھر دوسرے نشیب و فراز آتے رہے تا آں کہ

۱۹۲۴ء میں زوال و سقوط خلافت عثمانیہ نے اس منزل کو بالکل نزدیک کر دیا ـــــ اس سے قبل بھی کچھ حادثات رونما ہوئے مثلاً ۱۹۰۹ء میں پین اسلام ازم کی تحریک چلی، ۱۹۱۱ء میں جب اٹلی اور ٹرکی کے درمیان جنگ ہوئی اور سلطنت برطانیہ غیر جانب دار رہی تو مسلمانوں کو بے حد صدمہ ہوا ـــــ اس کے بعد تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کیا گیا ـــــ ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کا المناک واقعہ پیش آیا ـــــ ۱۹۱۸ء میں کٹار پور میں چودہ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا ـــــ اسی زمانے میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا افسوسناک سانحہ رونما ہوا ـــــ اسی زمانے میں رولٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ شائع کی جس میں مسلمانان ہند پر بغاوت کا الزام لگایا گیا اور ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۸ء تک جو سیاسی تحریکات چلیں اس کا جائزہ پیش کیا گیا ـــــ ان حادثات و واقعات اور اسی قسم کے دوسرے حادثات نے ہنود کے مقاصد کی تکمیل میں مثبت کردار ادا کیا ـــــ لیکن فوری طور پر جس نے مقصد کے قریب تر کیا وہ مسئلہ خلافت عثمانیہ تھا ـــــ

خلافت عثمانیہ اپنے زمانۂ عروج میں ان علاقوں پر حکمراں تھی، بحر قزوین، خلیج فارس، بحر روم، بحر اسود، اناطولیہ، انگورا، قسطنطنیہ، سلیمیا، دمشق، بیروت، بیت المقدس، بصرہ، بغداد، مقدونیا، البانیہ، طرابلس، اسکندریہ، کربلا، موصل، حرمین شریفین، بحر قلزم، طائف، صنعاء، یمن، عدن، مسقط وغیرہ۔

اس عروج کے بعد زوال ہوا، جس کی ایک جھلک ایک معاصر عالم دین اور سیاستداں

---

[1] پین اسلام ازم کا نعرہ جنگ بلقان کے زمانے میں سنا گیا، اس کا مقصد مسلمانوں کو مذہبی، معاشی اور اقتصادی طور مستحکم و متحد کرنا تھا ـــــ یہ مقصد نہ تھا کہ غیر مسلموں پر حکومت کر کے ان کو پامال کیا جائے، جیسا کہ عام طور پر غیر مسلم حضرات سمجھتے ہیں، حقیقت میں غیر مسلم تو غیر مسلم، مسلمان بھی صحیح معنی میں اسلام سے واقف نہیں، واقف ہو جائیں تو عالم میں اس سے بہتر نظام نہ پائیں

مسعود

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف[1] (صدر شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کی زبانی سنیئے :-

اٹلی حملہ آور ہوا، جنگ طرابلس شروع ہوئی، نوجوانوں نے چندہ کی بنیاد ڈالی، جو جنگ بلقان تک جاری رہی، اس عرصے میں اٹلی کے مال کا بائیکاٹ

---

[1] سید صاحب، مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ تھے۔ مرحوم پروفیسر رشید احمد صدیقی (صدر شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے ۴۵ صفحات پر مشتمل موصوف کا مفصل خاکہ پیش کیا ہے اور جن تاثرات کا اظہار کیا ہے اس سے سید صاحب کی شخصیت بہت ہی تابناک معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اس شعر سے اپنے مضمون کا آغاز کیا ہے ؎

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
وہ دانا مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری ؟

علامہ اقبال سید صاحب سے بہت متاثر تھے، جب علامہ نے سید صاحب کی تصنیف المبین پڑھی تو علی گڑھ میں ایک دعوت میں سید صاحب سے فرمایا :

"مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے، جن کی طرف میرا ذہن پہلے کبھی منتقل نہیں ہوا تھا۔"

(گنج ہائے گراں مایہ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ص ۴۳)

بقول رشید احمد صدیقی، سید صاحب کو فن خطابت میں کمال حاصل تھا :

"آواز میں کڑک، اور چمک دمک بھی ـــــ خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا کہ صفیں الٹ دیں گے۔"

(گنج ہائے گراں مایہ، ص ۳۱)

سید صاحب کے سوز و گداز کا ذکر کرتے ہوئے، رشید احمد صدیقی، سید صاحب کی امامت اور قرأت کا واقعہ اس انداز سے بیان کرتے ہیں :-

کیا گیا حتیٰ کہ ترکی ٹوپیاں، جو ترکوں کا نشان تھیں لیکن اٹلی سے بن کر آتی تھیں، سرِ راہ جلا دی گئیں ـــــ لیکن اسی کے ساتھ جب ہندوستانی فوجیں اس جنگ میں ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجی جانے لگیں تو کسی نے کچھ نہ کہا بلکہ مسٹر گاندھی نے فوجوں کو بھیجنے اور سپاہی بھرتی کرنے میں بڑی جد و جہد کی، حتیٰ کہ ان کی صحت خطرناک مرض میں مبتلا ہو گئی" ـــــ [1]

۲۰-۱۹۱۹ء میں خلافت عثمانیہ کا جہاز منجدھار میں آ گیا، اس موقع پر مسلمانوں کی طرف سے بڑی سرگرمی دکھائی گئی اور بے مثال جوش و جذبے کا اظہار کیا گیا۔ مسٹر گاندھی اس سے فائدہ اٹھا کر فوراً تحریک خلافت سے وابستہ ہو گئے بلکہ اس کے ایک اجلاس کی صدارت بھی کی۔

اس سرگرمی اور جوش و جذبے کے باوجود خلافت عثمانیہ ختم ہو گئی اور افسوسناک بات یہ ہے کہ خود ترکوں نے ختم کی ـــــ محدث علی پوری، پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) سے اس کا آنکھوں دیکھا حال سنیئے :-

---

(بقیہ حاشیہ ص ۹۶) مولانا نے کہا "اللہ اکبر" ـــــ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس صدا نے فضا کی ہر صدا کی لرزش چھین لی ـــــ اس کے بعد قرأت شروع کی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے خالد کی تلوار میدان جہاد میں کوندتی، لرزتی، گرجتی، چمکتی، کاٹتی، سمٹتی، تیرتی، ابھرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے"۔

(گنج ہائے گراں مایہ، ص ۳۲)

سید صاحب نے تحریک ترک موالات کی سختی سے مزاحمت کی جس پر اخبارات میں سید صاحب کے خلاف بہت سے مضامین چھپے، مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور رشید احمد صدیقی نے اظہار افسوس کیا تو فرمایا :-

"یہ نہیں دیکھتے کون کہہ رہا ہے، یہی دیکھتے ہو کس کے خلاف کہہ رہا ہے"؟ (ص ۳۵)

[1] محمد سلیمان اشرف : النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۱۴۷-۱۴۹ (ملخصاً)

سینکڑوں مجلسیں قائم کی گئیں، لکچر، وعظ اور تقریریں کی گئیں، اگریہ وزاری الحاح وتضرع سے بارگاہ رب العزت میں التجائیں اور دعائیں کی گئیں،
غیرت مولیٰ کریم جوش میں آئی اور مصطفےٰ کمال پاشا نے اناطولیہ میں نوجوان ترکوں کی جماعت کی مدد سے ایک خود مختار ترکی حکومت کی بنیاد ڈالی، اور دول یورپ کے پنجوں سے پہلے تو خلیفۂ اسلام اور مقام خلافت کے رہا کرانے کی کوشش کی اور دوسرا خلیفہ منتخب کیا۔ مگر خدا جانے کہ اس کو کیا منظور ہے کہ ایک طرف تو تمام عالم اسلام میں خلیفہ کے تقرر اور خود مختاری کے لئے شور برپا تھا اور دوسری طرف ترکان احرار کی اسی مجلس نے سال گزشتہ (۱۹۲۴ء) خلیفۂ اسلام کو ملک بدر کر دیا۔ [1]

پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اپنی آپ بیتی میں مسلمانوں کی ناکامیوں اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا اس طرح ذکر کیا ہے:

اسی زمانے میں ہندی مسلمانوں کو پیہم صدمات پہنچے اور ان کے بہت سے خیالات جن کی پرورش رنگین تمناؤں سے کی گئی تھی، پاش پاش ہو گئے، اسلام کے غازی مرد ترک نے نہ صرف یہ کہ خلافت ہی کو ختم کر دیا جس کے لئے ہندوستان ۱۹۲۰ء میں اتنا لڑا تھا بلکہ یکے بعد دیگرے ایسے قدم اٹھائے جو مذہب سے اس کو دور ہی لے جا رہے ہیں۔ [2]

خلافت عثمانیہ کے خاتمہ سے مسلمانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا شیش محل چکنا چور ہو گیا، لیکن خلافت کے لئے کی جانے والی یہ کوششیں بار آور نہ ہوتے ہوئے بھی بار آور ہوئیں، ان سے سب سے زیادہ فائدہ ہندو نے حاصل کیا اور اپنے ان مقاصد

---

[1] منور حسین، ملفوظات امیر ملت مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، صہ ۱۸۱
(خطبہ صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد ۱۹۲۵ء)
[2] قومی زبان (کراچی) دسمبر ۱۹۷۶ء، صہ ۲۶ (بحوالہ میری کہانی از نہرو)

کی تکمیل میں لگ گئے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی نفسیاتی حالت تو ڈھیر ہو چکی تھی لیکن اخلاقی اور معاشی حالت بھی ابتر تھی، ایک صاحب بصیرت معاصر پروفیسر محمد سلیمان اشرف نے مسلمانوں کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ قابل مطالعہ ہے، موصوف ہندو مسلمان کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ دولت لگا رہے تھے، وہ ثروت بنا رہے تھے —— یہ بیچتے تھے، وہ خریدتے تھے —— یہ قرض سود دیتے تھے، وہ سود در سود کے پیچ میں ان کی جائیدادیں وصول کرتے تھے —— وہ پڑھ رہے تھے، یہ پڑھا رہے تھے —— یہ تعلیم کے نام سے کانپ جاتے تھے، وہ محنت کرتے تھے، جفاکشی اٹھاتے تھے۔

—— یہ کاہلی اور تن آسانی کی لذتیں لے رہے تھے، وہ معاشرت میں کفایت شعاری ملحوظ رکھتے تھے —— یہ اپنی حیثیت سے کہیں بڑھ کر معاشرت میں رنگینی پیدا کرتے تھے، وہ باوجود باہمی مخالفت مذہبی پھر بھی ایک زبردست مرکز اتحاد رکھتے تھے —— یہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اختلاف پیدا کرتے تھے اور عداوت کی حد تک اسے پہنچا کر کے چھوڑتے تھے، آخر اس کا نتیجہ یہی تھا کہ یہ دنیا میں باقی تو رہیں لیکن مفلس، جاہل اور بداخلاق ہو کر نہ ان میں عبرت و بصارت ہوں، نہ ان میں حمیت ہو، نہ غیرت، نہ صدق وصفا پایا جائے نہ عہد و وفا۔ [1]

جب تک کسی قوم کی اخلاقی اور معاشی حالت نہ سدھرے، حکومت حاصل کرنا مشکل ہے، جوش و جذبہ اس وقت کام دیتا ہے جب اس کی بنیاد ٹھوس قسم کی اخلاقی اور معاشی اساس پر قائم ہو —— مسلمانوں میں یہ اساس بظاہر معدوم نظر آتی تھی، مگر ہندوؤں کا حال اس سے مختلف تھا، وہ پہلے ہی سنبھل چکے تھے، جب انہوں نے

---

[1] محمد سلیمان اشرف: النور۔ مطبوعہ علی گڑھ، صہ ۳۲

ج) قیادت

اوپر ہم نے پہلے ـــــ ہنود کے مقاصد کا ذکر کیا پھر ان کے مقاصد کے حصول میں جو اسباب ممد و معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ ان کا ذکر کیا۔ اور اب اس قیادت کا ذکر کرتے ہیں جو حصول مقاصد کے لئے ضروری ہے۔

مقاصد سامنے ہوں اور اسباب موجود ہوں تو ایک پختہ کار قائد قوم کو منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر مسٹر گاندھی جدید قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں آئے۔

قائد کی تین قسمیں ہیں :۔

۱۔ پہلا وہ جس کی منزل مقصود متعین، راہیں معلوم، دشواریوں کا علم اور ان کی تدبیر سے واقف۔

۲۔ دوسرا وہ جسے راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن منزل مقصود متعین، راہ کی طلب کامل اور خطرات پر غالب آنے کا حوصلہ و جرأت موجود۔

۳۔ تیسرا وہ جسے نہ منزل کی خبر نہ راستہ کی نہ دشواریوں کا علم نہ ان کو دور کرنے کی قدرت۔

مسٹر گاندھی ہنود کے پہلی قسم کے قائد تھے، لیکن مسلمانوں میں قائدانہ صلاحیتوں کا فقدان تھا مگر جذبے کی کمی نہ تھی ـــــ

عمل، عمل کے پیچھے مقصد، مقصد کے پیچھے نظریہ، ـــــ اور نظریہ کے پیچھے تمناؤں اور آرزوؤں کا ایک ہجوم ہوتا ہے ـــــ جس کی سیاست پر گہری نظر نہیں وہ صرف عمل کو سامنے رکھتا ہے اور اس کی مدافعت یا موافقت کے لئے اپنی طاقت و قوت صرف کر دیتا ہے ـــــ جو ذرا سوجھ بوجھ رکھتا ہے وہ عمل کے ساتھ مقاصد کا بھی جائزہ لیتا ہے۔ پھر بسا اوقات مقصد ہوتا کچھ ہے اور دکھایا کچھ جاتا ہے۔ اس لئے مقاصد کو معلوم

دیکھا کہ مسلمان انڈین نیشنل کانگریس سے علیحدہ ہیں اور شامل نہیں ہو رہے (یہ ۱۹۱۹ء سے پہلے کی بات ہے) تو انہوں نے اپنی کوششیں تینوں سمت تیز تر کر دیں :۔

۱۔ ایک جماعت اقتصادیات کو سدھارنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئی۔

۲۔ ایک جماعت تعلیم اور اس کے ثمرات کی طرف جادہ پیما ہوئی۔

۳۔ ایک جماعت نے سیاسیات کی طرف قدم بڑھایا۔

اس منصوبہ بندی کے ساتھ انہوں نے اپنی قوم کو بنایا ـــــ اور اس کے لئے ان کے حق میں سیاسی ماحول بھی سازگار ہوتا گیا ـــــ اور میدان سیاست میں ہر حادثہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں ایک سبب بن گیا ـــــ

کرنے کے لئے بھی بڑی بصیرت و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے ——— مقاصد کا عقدہ نظریہ سے کھلتا ہے، بہترین اور ماہر سیاستدان وہ ہے جو ہر عمل کے پیچھے مقصد اور مقصد کے پیچھے نظریہ اور نظریہ کے پیچھے ارادوں اور آرزوؤں کا پورا پورا اندازہ کرکے اپنے لئے راہ عمل کا انتخاب کرے، اس کے لئے بڑے تحمل و بردباری اور وقار و متانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جوشیلا آدمی یہ نظر نہیں پیدا کر سکتا ———

ایک طرف مسٹر گاندھی اپنی جدید قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ سامنے آئے اور دوسری طرف مسلمان بے پناہ جوش و جذبہ کے ساتھ ان کے ساتھ ہو گئے ——— قیادت و مقاصد مسٹر گاندھی کے اور جوش و جذبہ مسلمانوں کا، اس عجیب مرکب سے مسٹر گاندھی منزل کی طرف جادہ پیما ہوئے ———

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مسلمانوں میں جوش و جذبے کی فراوانی تھی مگر قیادت کی کمی ——— اور تو اور علماء کرام بھی مسٹر گاندھی کے پیرو ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت کے جلیل القدر عالم اہل سنت مولانا عبد الباری فرنگی محلی[1] نے اپنے ایک خط میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کو لکھا۔

---

[1] فاضل جلیل مولانا جمال الدین فرنگی محلی کے پوتے مولانا عبد الباری فرنگی محلی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے، مولانا عبد الباقی اور مولانا عین القضاۃ سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی، ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے اور وہاں حرمین شریفین کے شیوخ سے سند حدیث لی۔ آپ ہی کی کوشش سے فرنگی محل، لکھنؤ میں مدرسہ نظامیہ قائم ہوا۔ یہ دوسرا مدرسہ تھا اس سے پہلے یہاں مدرسہ عالیہ قدیمہ (موجودہ جامعہ بحر العلوم) قائم تھا، یہ دونوں مدارس ابھی تک قائم ہیں۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں بھرپور حصہ لیا، اور مسٹر گاندھی کو آپ کی ذات سے شہرت ملی۔ بلکہ اس سے پہلے خدام الکعبہ کے نام سے ایک تنظیم بنائی تھی جس کا مقصد مقامات مقدسہ کا تحفظ تھا ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

مکرمی دام مجدہم

السلام علیکم۔ جناب کا تار موصول ہوا۔ فقیر ان کو آپریشن کے مسئلے میں بالکل پیرو گاندھی صاحب کا ہے، کیونکہ اس طریق کار کا واقف نہیں ہے، ان کو اپنا راہ نما بنا لیا ہے، جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں، میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے ـــ

عمر یکہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ میں حجاز مقدس میں نجدیوں کے ہاتھوں مقامات مقدسہ اور قبوں کے مسمار کئے جانے کے خلاف خدام الحرمین کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، الغرض سیاست ہند میں بھرپور حصہ لیا۔ آخر عمر میں درس و تدریس میں مصروف رہے اور علوم قرآن و حدیث کی اشاعت فرمائی۔ ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء میں خارج کرنے سے انتقال فرما گئے۔

آپ کی علمی یادگار یہ تصانیف ہیں:

۱۔ حسرۃ المسترشد بوصال المرشد

۲۔ التعلیق المختار علی کتاب الآثار

۳۔ رسالہ فی حلۃ الغناء (۴) تعلیقات علی السراجیہ

۵۔ رسالہ فی ہیئۃ القدیمہ والجدیدہ (۶) مجموعہ فتاوی

۷۔ ملہم الملکوت شرح مسلم الثبوت (۸) الآثار المحمدیہ (۹) الآثار المتصلہ۔

(حکیم عبد الحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۴، ۲۱۶)

---

[1] ا۔ خواجہ حسن نظامی: مہاتما گاندھی کا فیصلہ، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۲۰ء

ب۔ محمد سلیمان اشرف: النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء ص ۲۶

ج۔ محمد جمیل الرحمن: پاسبان مذہب و ملت (۱۳۳۹ھ)، مطبوعہ مطبع اہل سنت، و شائع کردہ جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی شریف

اس مکتوب سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں :

۱۔ سیاست جدیدہ سے ناواقفیت ۔

۲۔ مسٹر گاندھی کی قیادت پر مکمل اطمینان و یقین ۔

جب جلیل القدر علماء کا یہ حال تھا تو غور کیا جاسکتا ہے کہ عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا ـــــ علماء حق ۱۸۵۷ء تک سیاست ملکی میں شریک رہے اور ان کو سیاسی بصیرت حاصل رہی، مگر اس حادثہ کے بعد ان کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور عرصہ دراز تک وہ بات پیدا نہ ہوسکی جو ہونی چاہیے ـــــ ۱۹۱۹ء۔۲۰ء کے دور پر آشوب میں جبکہ علماء دیوبند کے ساتھ ساتھ بہت سے بدایونی، بریلوی اور برکاتی، قادری علماء اہلسنت مسٹر گاندھی کے ہم نوا ہوگئے، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے جس مومنانہ فراست کا ثبوت دیا ہے، وہ اب تک مورخین کی نگاہوں سے اوجھل رہی ـــــ آپ نے شدید علالت اور مرض الموت میں مبتلا ہونے کے باوجود علماء کی اس روش کا سخت محاسبہ کیا اور ایک فاضلانہ رسالہ تالیف فرمایا، یہ ۱۹۲۰ء کی بات ہے۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال نے اسی طرح بستر مرگ پر ہوتے ہوئے مولوی حسین احمد کا تعاقب فرمایا تھا ـــــ فاضل بریلوی کے علاوہ ایک اور عالم اہلسنت علامہ معین الدین اجمیری[1] جو اگرچہ راجپوت نو مسلم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن بلا کا

---

[1] مولانا معین اجمیری ۲۵ صفر ۱۲۹۹ھ/ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ والدین نو مسلم راجپوت تھے مگر حرارت ایمانی سے معمور۔ مولانا اجمیری نے اساتذہ وقت ـــ مولانا برکات احمد ٹونکی اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے کسب فیض کیا۔ طب بھی پڑھی، آپ کا سلسلہ طبابت شیخ بو علی سینا تک منتہی ہوتا ہے۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں مولانا اجمیری نے مدرسہ معین الدین کے نام سے ایک عربی مدرسہ اجمیر شریف میں قائم کیا جو بعد میں جامعہ معینیہ عثمانیہ کہلایا ـــــ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء میں ایک مدرسہ دارالعلوم حنفیہ کے نام سے اجمیر ہی میں قائم کیا اور ایک عرصہ درس و

ـــــ جذبۂ ایمانی رکھتے تھے۔ موصوف اگرچہ جمعیۃ العلماء ہند کے ساتھ رہے اور ۱۹۲۰ء میں امروہہ کے سالانہ اجلاس میں اس کی صدارت بھی کی لیکن وہ اس کے قائل تھے کہ ہنود سے علٰحدہ رہ کر اپنے سیاسی و دینی مقاصد کو حاصل کیا جائے ـــــ بہرکیف علماء کی ایک جماعت نے مسٹر گاندھی کی قیادت پر یقین رکھتے ہوئے ان کا بھرپور ساتھ دیا گو بعض حضرات حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد، آخر میں مسٹر گاندھی سے الگ ہو کر تائب ہوئے ـــــ

ایک باکمال سیاسی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کے فکر و شعور پر اس طرح غالب آجائے کہ ان کی نظر میں اس کے سوا کوئی نہ رہے اور وہی ان کا ملجا و ماویٰ ہو جائے ـــــ اس نظر سے دیکھا جائے تو مسٹر گاندھی نے ایسی ہی شخصیت کا روپ دھارا تھا، ہنود تو ان کے جاں نثار و فداکار تھے ہی، مسلمان علماء اور عوام بھی ان سے بے حد متاثر تھے، یہاں تاریخ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ مسٹر گاندھی کس حد تک اپنے پیروؤں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

مولوی عبدالباری فرنگی محلی کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے ـــــ مولوی ابوالکلام آزاد جس قدر مسٹر گاندھی سے متاثر تھے، شاید کوئی عالم نہ ہوا ہوگا ـــــ مسٹر گاندھی کی نظر

بقیہ حاشیہ: ـــ تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ سندھ کے مشہور فاضل علامہ محمد ہاشم سرہندی مجددی علیہ الرحمہ اور علامہ مفتی محمد محمود الوری مدظلہ، آپ ہی کے تلامذہ میں ہیں۔

علامہ اجمیری نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے فوج و پولیس کی ملازمت کو حرام قرار دیا اور اس پاداش میں قید و بند کی صعوبت اٹھائی۔ جمعیۃ العلماء ہند میں شامل رہے مگر بعد میں الگ ہوگئے۔

علامہ اجمیری کا سیاسی مطمح نظر جمعیۃ سے مختلف تھا ـــــ ۱۹۲۰ء تک جمعیۃ العلماء ہند میں مختلف مسلک کے علماء شریک رہے مگر بعد میں یہ جمعیۃ خالص دیوبندی مسلک کی ترجمان ہوگئی۔ علامہ اجمیری نے ۱۰ محرم ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء کو وصال فرمایا۔[1]

[1] معین الدین اجمیری، معین المنطق مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء، التقدیم از حکیم محمود احمد برکاتی۔

انتخاب ان پر اس وقت پڑی جب ۱۹۰۸ء میں ان کے والد کا انتقال ہوا۔ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی شخص کا انتخاب کرنا آسان نہیں، تشخیص و تجویز میں ذرا سی غلطی سے معاملہ الجھ جاتا ہے۔ اس کے لیے بڑی دانائی اور بصیرت کی ضرورت ہے کہ جس کو انتخاب کیا جا رہا ہے وہ وفاداری کے ساتھ مقاصد کی تکمیل میں حصہ لے گا اور آگے چل کر اپنی قیادت اور اقتدار کے لئے چیلنج ثابت نہ ہوگا ـــــ بہرکیف ۱۹۰۸ء میں مسٹر گاندھی نے ٹرانسوال (افریقہ) سے تعزیتی تار بھیج کر تعلق کا آغاز کیا ـــــ پھر ۱۹۱۸ء میں وہ رانچی جیل میں مولانا آزاد سے ملنے گئے مگر گورنر بہار نے ملنے نہ دیا۔ اس کے بعد ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو حکیم اجمل خاں مرحوم کے مکان پر پہلی بار مسٹر گاندھی سے ملاقات ہوئی اور اس کے بعد بقول آزاد :-

اس دن سے آج تک جب ۱۹۴۸ء ہے ۲۷ برس
گذر چکے ہیں ـــــ ۲۷ برس کے یہ دن ہم پر ایسے گزرے
کہ ہم ایک ہی چھت کے نیچے رہے۔[1]

پھر یہ بات بھی نہیں کہ مولانا آزاد کوئی ضعیف الاعتقاد اور متلون مزاج قسم کے انسان ہوں ـــــ ان کے مزاج میں استقامت تھی وہ آسانی سے کسی کے گرویدہ نہ ہو سکتے تھے، ایسے شخص کو اس حد تک گرویدہ بنا لینا مسٹر گاندھی کا کمال ہے۔ آزاد لکھتے ہیں :-

میری طبیعت میں ایک طرح کا نقص اور خامی ہے وہ یہ کہ جب تک
کسی کی کوئی خصوصیت میرے سامنے نہ آجائے جو میرے دماغ پر چھا جائے
اور میری گردن دبا لے اس وقت تک وہ مجھے اپنے سامنے جھکا نہیں
سکتا، میری گردن کی رگیں سخت ہیں، میرے سامنے جب کوئی دماغ آتا
ہے تو پہلے تو میرا ذہن اس کے خلاف ہی جانا چاہتا ہے یہاں تک کہ وہ

---

[1] (الف) اخبار الجمعیۃ (دہلی)، ۴ دسمبر ۱۹۵۸ء

ب۔ اخبار الہام (بہاولپور) ۲۸ دسمبر ۱۹۷۶ء، صـ ۱۹

میرے ذہن کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لے۔[1]

غالباً مسٹر گاندھی کی یہی عقیدت و محبت تھی جس کی بناء پر تحریک موالات کے زمانے میں ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد نے ناگپور میں جمعہ کے خطبہ اولیٰ میں مسٹر گاندھی کی تعریف و توصیف فرمائی۔[2]

۱۹۲۰ء میں جمعیۃ العلماء ہند (دہلی) کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا :-

"اے اللہ ایک ہم سے نیک کام بھی ہو گیا ہے، یعنی میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی بھائی ہو گئے ہیں اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر بڑھائی ہے۔"[3]

رفاہِ عام (لکھنو) کے جلسے میں مولوی ظفر الملک اسحاق علی نے فرمایا :-

"اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"[4]

اسی طرح مولوی عبد الماجد بدایونی نے جمعیۃ العلماء دہلی کے جلسے میں فرمایا :-

---

[1] اخبار الجمعیۃ (دہلی) ۴ دسمبر ۱۹۵۸ء

نوٹ :- فروری ۱۹۴۶ء کو کانسٹی ٹیوشن کلب (دہلی) کی طرف سے نئی دہلی میں مسٹر گاندھی کی یادگار کے سلسلے میں ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا آزاد نے یہ اظہار خیال کیا۔ مسعود

[2] اخبار مشرق (گورکھپور) ۱۳ جنوری ۱۹۲۱ء

[3] (الف)۔ اخبار فتح (دہلی) ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء

ب۔ محمد سلیمان اشرف، النور، مطبوعہ علی گڑھ۔ صـ ۲۲۷

[4] (الف)۔ اخبار اتفاق (دہلی) ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء

ب۔ اخبار دبدبۂ سکندری (رامپور) یکم نومبر ۱۹۲۰ء

ج۔ اخبار پیسہ اخبار (لاہور) ۱۸ نومبر ۱۹۲۰ء

"خدا نے ان کو (گاندھی کو) تمہارے لئے مذکّر بنا کر بھیجا ہے، قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مذکّر کرکے بھیجا ہے" [1]

مولوی شوکت علی مرحوم نے دہلی کی جامع مسجد میں فرمایا :-

زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کروگے تو خدا کو راضی کروگے۔ [2]

یہ تو تھے مسٹر گاندھی اور ہنود کے بارے میں علماء کے اقوال اور تاثرات ——

—— اب عام مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوں ——

بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر کانگریس کمیٹی اور خلافت کمیٹی کے سیکریٹریوں کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان :-

"مہاتما گاندھی کی آمد"

کشور پریس، بریلی میں ۱۹۲۰ء میں طبع کراکے شائع کیا گیا۔ اس میں کہا گیا ہے:

"خدا کا شکر ہے کہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہمارے ملک کے لیڈر، ہمارے شہر کی خاک کو پاک کرنے کے لئے آرہے ہیں —— امید ہے

بقیہ حاشیہ صـ [5] مولانا عبدالماجد بدایونی نے شاہ محب رسول عبدالقادر بدایونی کے زیرِ عاطفت تربیت پائی، علمائے اطباء عصر سے علوم و فنون کی تحصیل کی۔ مسجد کانپور اور خلافت کی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا۔ لالہ لاجپت رائے اور شردھانند نے جب شدھی اور سنگھٹن کی تحریک چلائی تو اس کی سخت مزاحمت کی۔ خلافت وفد کے ساتھ حجاز مقدس گئے۔ تحریک خلافت میں پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور بدایوں کی "درگاہ قادری" میں مدفون ہوئے ——

(محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہل سنت، صـ ۱۴۶-۱۴۹ ملخصاً)

[1] اخبار فتح (دہلی) ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء۔ ب۔ محمد جمیل الرحمٰن، پاسبانِ مذہب و ملت مطبوعہ مطبع اہلسنت وجماعت۔ (بریلی) ۱۳۳۹ھ صـ ۲۹

[2] محمد جمیل الرحمٰن: پاسبانِ مذہب و ملت (مطبوعہ بریلی)

کہ ہمارے شہر میں ان کا استقبال ان کے مرتبے اور عزت کے موافق ہوگا"۔ [1]

اراکین انجمن اسلامیہ (بریلی) کی طرف سے منظوم سپاس نامہ پیش کیا گیا، جو پنجابی گزٹ پریس، بریلی میں چھپ کر شائع ہوا۔ یہ ایک طرح کا قصیدہ مدحیہ ہے —— کافی طویل ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

چل فخر قوم حضرت گاندھی کو دیکھ آئیں / جوش و خروش قوم کی آندھی کو دیکھ آئیں
فیض قدم سے جن کے بریلی بنی دلھن / اک اک گلی ہے رشک خیابان نسترن
ہر ایک مکاں قصور بہشتی پہ طعنہ زن / ہر ایک باغ روکش صد گلشن عدن
ایک مختصر سا شہر تھی گل زار ہو گئی / سج کے، نکھر کے، مطلع انوار ہو گئی
اک دھوم مچ گئی کہ مسیحا وہ آگئے / کرتے ہیں درد کا جو مداوا وہ آگئے
اقلیم دل پہ قوم کے حاکم یہی تو ہیں / حاکم نہ کیوں ہوں، قوم کے خادم یہی تو ہیں
تعریف کوئی کر سکے ان کی یہ نا درست! / خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست
بخشا ہے آج شوق لقائے عجب سرور / جذبات حب قوم کا اب دل میں ہے وفور
شوکت علی، محمد علی بھی تو ساتھ ہیں! / ہے قوم جسم آپ دماغ اور یہ ہاتھ ہیں!
رہتی ہے لب پہ ذلتِ قومی سے آہ سرد / قوم شکستہ حال کا ہے پاک دل میں درد
مردہ تھی قوم آپ نے اس کو جلا دیا / ہم سب کو آبِ چشمۂ حیواں پلا دیا
ہم سب کی خاطر اپنے کیا کیا نہیں کیا / ہے ہر زباں پہ آپ کا ذکر مہاتما
ہم بے کسوں کے حامی و یاور بنے ہیں آپ / گم کردہ راہ قوم کے رہبر بنے ہیں آپ
اس حال پرملال میں لیڈر بنے ہیں آپ / بھارت کے حق میں رحمت داور بنے ہیں آپ
لیکن یہی کریں گے موانع ہوں گو ہزار / ہم پر فدا ہیں آپ، تو ہم بھی ہیں جاں نثار
ہے منہ میں اک زبان ہمارے نہیں ہیں دو / حاضر ہیں جان و مال سے اب جو حکم ہو
اپنے فدائیوں کا کبھی امتحاں تو لو! / اب زندگی سے تنگ ہیں، اللہ کچھ کرو [2]

---

[1] ا۔ محمد جمیل الرحمٰن (پاسبانِ مذہب و ملت)، صـ ۴۶

ب۔ نظم سپاس نامہ" مطبوعہ پنجابی گزٹ پریس، بریلی ۱۹۲۰ء

مندرجہ بالا اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے فکر و شعور پر مسٹر گاندھی کی گرفت کتنی مضبوط تھی۔

اسی زمانے کے ایک اور شاعر طاہر مرادآبادی کے مدحیہ اشعار ملاحظہ ہوں :۔

طرب قوم کے مردہ بدن میں جان ڈالی ہے — لگا کے آپ نے ٹھوکر مہاتما گاندھی
عجب نہیں کہ یہ بیکنٹھ میں کریں بسرام — کہ جیتے رہتے ہیں ہر ہر مہاتما گاندھی
ہمیں امید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور — کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی[۱]

بریلی میں کانگریس اور خلافت کے رہنماؤں کے ساتھ مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر دوارکا پرشاد نے بعنوان ذیل ایک سپاس نامہ پیش کیا :۔

"اہالیان بریلی کی جانب سے مہاتما گاندھی کا خیر مقدم"

اس میں موصوف کہتے ہیں ؎

ہیں جن کو دیکھ کر مہر اور مہ ششدر وہ آئے ہیں
جھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر، وہ آئے ہیں[۲]

جلسے میں مولوی شوکت علی مرحوم اور دوسرے علماء موجود تھے، مگر کسی نے اس شعر کے مفہوم پر گرفت نہ کی، سب نے سنا اور خاموش رہے۔

غالباً علماء کی اس خاموشی اور ہمنوائی کی وجہ سے پنڈت سیتا رام نے میرٹھ میں ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے مولوی شوکت علی کو "پنڈت" اور مولوی محمد علی کو "لالہ" کے خطاب سے نوازا —— اخبار مدینہ (بجنور) کی ایک خبر ملاحظہ ہو :۔

"میرٹھ میں پنڈت سیتارام پریسیڈنٹ جلسہ نے ایک قابلانہ تقریر کی اور شوکت علی کو "پنڈت" اور محمد علی کو "لالہ" کے خطاب سے منسوب کیا"[۳]

۱۔ (ا) - طاہر مرادآبادی، مہاتما گاندھی، مطبوعہ پبلک پریس، مرادآباد
(ب) - محمد جلیل الرحمٰن۔ پاسبانِ مذہب و ملت۔ ص ۳۶،۳۵

۲۔ ایضاً، ص ۳۵

۳۔ اخبار مدینہ (بجنور)، یکم فروری ۱۹۲۰ء

اوپر جو حقائق و شواہد پیش کیے گئے ان سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے نازک دور میں مسٹر گاندھی نے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ مسلم علماء کی بھی قیادت کی، سب نے آنکھیں بند کر کے ان کی متابعت کی اور اس طرف سے غافل ہو گئے کہ جن مقاصد کے لیے مسٹر گاندھی کوشاں تھے وہ مسلمانوں کے مقاصد سے مختلف تھے —— مگر یہ بات جوش و جذبے کے ماحول میں سمجھ میں آنے والی نہ تھی اس لیے مسٹر گاندھی نے بڑی دانائی و حکمت سے جذبات کے دھارے کو اس سمت موڑ دیا جو ان کی منزل کا پتا دیتی تھی —— انہوں نے حصول مقاصد کیلئے جو ذرائع اختیار کیے وہ مسلمانوں نے نہایت تشکر و امتنان کے ساتھ قبول کیے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ ذرائع جہاں مسٹر گاندھی کو ان کے مقاصد سے قریب تر لے جا رہے ہیں وہاں مسلمانوں کو ان کے مفادات سے دور تر لے جا رہے ہیں۔

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم نے تقسیم بنگال کی اسکیم منسوخ کی۔ اسی زمانے میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ مظلوم عربوں اور ترکوں کی فریاد نے ہندوستان کے مسلمانوں کو بیدار کیا، ۱۹۱۲ء میں بلقان کی عیسائی ریاستوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی، برطانیہ نے اس کی حمایت کی جس سے ہندوستان میں اضطراب پیدا ہوا، ۱۹۱۳ء میں غازی انور پاشا نے ایڈریانوپل فتح کر لیا مگر وزیر اعظم برطانیہ نے اس کو تسلیم نہ کیا —— اسی زمانے میں مسجد کانپور کا واقعہ پیش آیا۔ امپروومنٹ ٹرسٹ کمپنی، کانپور نے فروری ۱۹۱۳ء میں شہر کی سڑک چوڑی کرنے کے لئے مچھلی بازار کی جامع مسجد کے مشرقی حصے کو ڈھانے کا فیصلہ کیا۔ جس سے مسلمانانِ کانپور اور پھر مسلمانان ہند میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی —— ۱۹۱۵ء میں تحریک ہجرت شروع ہوئی اور مسلمانوں کا پہلا قافلہ لاہور سے ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو افغانستان روانہ ہوا۔ اس تحریک سے غیر تعلیم یافتہ اور مزدور پیشہ زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کی جائدادیں اور اثاثہ ہندوؤں نے کوڑیوں کے مول خرید لیا۔ اور وہ افغانستان جا کر اور بہت سے راستہ ہی میں تباہ حال ہو گئے —— ۱۹۱۶ء میں ہندو مسلم فسادات ہوئے ۱۹۱۸ء میں سر سڈنی رولٹ نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں کو فسادات کا ذمہ دار قرار دیا۔ —— نومبر ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی اور خلافت کا دامن تار تار ہوا

اس پس منظر میں مسلمانوں کی ہیجانی اور جذباتی کیفیت کا اندازہ لگا کر مارچ ۱۹۱۹ء کے تیسرے ہفتے میں مسٹر گاندھی نے انگریزوں کے خلاف تحریک شروع کی جس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان کانگریس میں شامل ہونے لگے۔ اس سے پہلے برائے نام تھے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۱۹ء کو بمبئی میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ اواخر نومبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس دہلی میں ہوا۔ ایک اجلاس کی صدارت مسٹر گاندھی نے بھی کی مولانا محمد علی جوہر[1] نے اس میں جس شان سے حصہ لیا وہ انہیں کا حصہ ہے —— محمد علی اور خلافت

---

[1] مولانا محمد علی جوہر ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۰۲ء میں رامپور میں شعبہ تعلیم کے سربراہ ہو گئے۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام میں حصہ لیا۔ ۱۹۱۱ء میں

(د) ذرائع

اوپر ہم نے پہلے ہنود کے سیاسی مقاصد کا ذکر کیا ہے پھر ان مقاصد کے حصول میں جو اسباب ممد و معاون ثابت ہو سکتے تھے، ان کا ذکر کیا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ خارجی حادثات اور داخلی سیاست پر ان کا اثر۔
۲۔ داخلی حادثات اور خارجی سیاست پر ان کا اثر۔
۳۔ مسلمانوں کی عام اخلاقی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی بدحالی[1]
۴۔ بعض مسلم رہنماؤں میں سیاسی بے بصری اور ناعاقبت اندیشی۔
۵۔ ہنود کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی استحکام۔
۶۔ مسلمانان ہند کا "قائدین ہنود" پر اطمینان و ایمان۔

مندرجہ بالا اسباب کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم نے مسٹر گاندھی کی قیادت اور قائدانہ صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے —— اب ہم ان ذرائع کا ذکر کرتے ہیں جس کے ذریعہ مقاصد کو حاصل کیا گیا ——

۱۔ تحریکِ خلافت

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم تحریک خلافت اور اس کے اسباب و علل پر روشنی ڈالتے ہیں، اس تحریک نے مقاصد کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا

---

[1] ۱۹۲۱ء سے پہلے مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف نے مسلمانوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ممالک اسلامیہ، عربوں اور ترکوں کی سچی خیر خواہی یہ ہے کہ وہاں جا کر مدارس کھولے جائیں۔ اہل صنعت و حرفت وہاں صنعتی ادارے قائم کریں۔ اس طرح ترکوں اور عربوں کی حالت درست کر کے ان کی ملی حیثیت کو مستحکم کریں۔ مسعود

ایک ہی وجود کے دو نام ہو گئے۔ ۲۵ دسمبر کو نہرو (صدر کانگریس) اور حکیم اجمل خاں[۱] (صدر مسلم لیگ) کا مشترکہ اجلاس امرتسر میں ہوا اور دونوں نے مشترکہ جلوس بھی نکالے۔
—— ایک طرف مسٹر گاندھی نے تحریک خلافت کی نشوونما کی اور دوسری طرف انگریز حاکموں کے نام ایک یادداشت میں یہ وضاحت فرمائی :۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۱۳

کامریڈ جاری کیا۔ ۱۹۱۲ء میں طبی وفد ترکی بھیجا۔ ۱۹۱۳ء میں اخبار ہمدرد جاری کیا۔ ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کے واقعہ کے سلسلے میں ایک وفد لے کر انگلستان گئے اور وہاں انڈین کونسل کے انگریز ممبر کو مداخلت پر مجبور کیا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر ایک انقلابی مضمون کامریڈ میں شائع کیا۔ ضمانت ضبط ہوئی۔ ۱۹۱۵ء میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں مرکزی خلافت کمیٹی قائم کی اور خلافت و کانگریس کا خوب پرچار کیا۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت وفد لے کر انگلستان گئے اور سیدھے پارلیمنٹ پہنچے۔ برطانیہ میں وزیر تعلیم مسٹر فشر اور دوسرے ممبران پارلیمنٹ اور سیاسی شخصیتوں سے مل کر اپنا موقف پیش کیا۔ انگلستان سے مایوس ہو کر فرانس گئے۔ وہاں ترکی، چینی، روسی مسلمانوں کے اجتماعات میں تقریریں کیں۔ وہاں کے اخبارات نے انٹرویو اور مضامین شائع کئے —— مولانا محمد علی نے اپنی سی کوشش کی اور برطانوی، فرانسیسی، اطالوی، اور جاپانی حکومتوں کے نمائندوں سے بات کر کے ہندوستانی مسلمانوں کا موقف واضح کیا۔ حتیٰ کہ اگست ۱۹۲۰ء میں اٹلی میں پاپائے روم سے بھی ملے جس نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ مگر ان کی کوششیں بارآور نہ ہوئیں۔ چنانچہ وہ اگست ۱۹۲۰ء کو ہندوستان روانہ ہوئے اور ۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچے۔ اسی روز شام کو انہوں نے تقریر کی اور ہندو مسلم اتحاد کا پرچار کیا۔
(محمد علی —— زندگی اور خدمات، مطبوعہ مدراس ۱۹۲۱ء صہ ۲۷ تا ۱۴۱، ۱۴۰ تا ۱۵۰ ملخصاً)

[۱] حکیم اجمل خاں ۱۷ شوال ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے اور ۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو وصال فرمایا۔ (بحوالہ قاضی عبدالغفار: حیات اجمل، مطبوعہ علی گڑھ، صہ ۳۱ و ۴۵۲)

میرا مذہب آپ سے خصومت رکھنے سے منع کرتا ہے۔ میں اپنے ہاتھ آپ پر کبھی نہ چلاؤں گا، خواہ میرے پاس اتنی طاقت بھی ہو جائے۔ میں خود مصیبت جھیل کر آپ پر فتح پانے کی امید رکھتا ہوں۔ علی برادران بے شک اپنے ملک و ملت کی حمایت میں تلوار اٹھائیں گے اگر ان سے ہو سکا تو۔[۱]

غالباً یہ وہی یادداشت ہے جس کا ذکر مسٹر گاندھی نے مولانا محمد علی کے نام ایک کیبل گرام (مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۰ء) میں اس طرح کیا ہے :۔

I have sent my own separate representation explaining my connection with the movement and associating myself entirely with it.[۲]

مسٹر گاندھی کی تحریک پر ملک گیر ستیا گرہ شروع ہوئی۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں حالات اتنے خراب ہوئے کہ مارشل لا کی نوبت آ پہنچی۔ اس تحریک سے ہندوؤں کو زخم لگا جس کا انگریزوں سے بدلہ لیا جانا تھا چنانچہ مسٹر گاندھی نے ایک طرف ہندوؤں کو آزادی ہند کا خواب دکھایا اور دوسری طرف مسلمانوں کو خلافت کا۔ ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو قسطنطنیہ پر اتحادیوں کی طرف سے انگریزوں کی فتح سے مسلمان پہلے ہی چراغ پا تھے۔ اس طرح ہندو مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور اس اتحاد سے بے اندازہ سیاسی فوائد حاصل کئے —— تحریک خلافت کے ایک سال بعد ہی ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ قائد کی حیثیت سے سامنے آئے اب وہ لگے آگے تھے اور ہندو مسلمان پیچھے پیچھے حتیٰ کہ علماء اسلام بھی مسٹر گاندھی کی قیادت پر فخر کرنے لگے تھے۔

[۱] سید سلیمان اشرف: النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، صہ ۳۵ بحوالہ اخبار تاج (جبل پور) ۱۱ نومبر ۱۹۲۰ء

[۲] Muhammad Ali, His life, services & Trial, Madras, 1921. P. 156.

۲ ب ۱۔ تحریکِ ترکِ موالات

تحریک خلافت میں متوقع کامیابی کے بعد مسٹر گاندھی نے دوسرا قدم اٹھایا اور ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں عدم تعاون کے اصول کو تسلیم کیا گیا ——— ۲ جون ۱۹۲۰ء کو الٰہ آباد میں ایک اجلاس ہوا جس میں ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی، اس میں تحریک ترک موالات کی قرارداد اصولاً پاس کر دی گئی اور اس طریقہ کار کو مسٹر گاندھی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ——— اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی ترتیب دی گئی جو مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل تھی۔

۱۔ مسٹر گاندھی (۲) مولانا محمد علی جوہر (۳) مولانا شوکت علی (۴) مسٹر کھتری
۵۔ مولانا حسرت موہانی (۶) ڈاکٹر کچلو۔[1]

۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو مسلم لیگ کا کلکتہ میں اجلاس ہوا جس کی صدارت قائد اعظم محمد علی جناح فرما رہے تھے، لیکن جب اجلاس کے سامنے ترک موالات کی حمایت میں قرارداد پیش کی گئی تو قائد اعظم کرسی صدارت سے ہٹ گئے۔ اور حکیم اجمل خاں کی صدارت میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔[2]

مولوی محمود حسن اسی زمانے میں مالٹا سے ایام اسارت گزار کر آئے تھے جب ترک موالات کے بارے میں ان سے فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے انگریزوں سے موالات کو حرام قرار دیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں ہونے والے ہندو مسلم اتحاد کو مشروط طور پر جائز رکھا۔[3] مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے بھی ترک موالات کو "مذہبی فریضہ" قرار دیا۔[4]

---

[1] محمد علی ——— زندگی اور کارنامے، مدراس ۱۹۴۱ء صہ ۱۵۵

[2] خدا بخش اظہر، مسلم لیگ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء

[3] ارکان مجلس خلافت : تحریک عدم تعاون اور احکام دین مبین، مجلس خلافت پنجاب۔ لاہور۔ ۸ نومبر ۱۹۲۰ء [4] ایضاً صہ ۱۰،۹

مفتی محمد شفیع مرحوم اور مولوی احمد سعید مرحوم نے بھی اس کی تائید کی اور مولوی عبدالباری فرنگی محلی نے بھی اس سے پورا پورا اتفاق کیا ———[1]

آل انڈیا خلافت کانفرنس نے اپنے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں نیشنل کانگرس کے ترک موالات سے متعلق قرارداد کو منظور کیا تاکہ "سوراج کا قیام و قوام ہو جائے" ——— اس سے معلوم ہوا کہ تحریک خلافت اور پھر تحریک ترک موالات کے ذریعہ حصولِ سوراج کی طرف قدم بڑھایا گیا، گویا اصل مقصود حصول خلافت نہ تھا، حصول سوراج تھا۔ اس حقیقت کا اندازہ آزاد کی اس وضاحت سے ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں :۔

> ہم ترک موالات کے ذریعہ ملک کو موجودہ غلامی کی حالت سے نکال کر آزاد کرانا چاہتے ہیں۔[2]

مولانا آزاد ترک موالات کی تحریک میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے قرآن و حدیث سے قطع نظر "مسلمان" کی یہ تعریف کی :۔

"مسلمان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وجود کہ جس وجود کو اگر رائی برابر اللہ اور

---

[1] ارکان مجلس خلافت : تحریک عدم تعاون اور احکام دین مبین، مجلس خلافت پنجاب لاہور ۸ نومبر ۱۹۲۰ء صہ ۱۲ نوٹ :۔ راقم کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ (م ۱۹۶۶ء) ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے درمیان تقریباً چھ ماہ تحریک خلافت سے وابستہ رہے اس کے بعد جب ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات شروع ہوئی تو وہ فوراً علیحدہ ہو گئے آپ نے گاندھی کی موافقت میں اور ترک موالات و تحریک ہجرت کے خلاف فتوے دیئے جو فتاویٰ مظہری (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء صہ ۳۲۹،۳۳۲) میں محفوظ ہیں۔ آپ کے دم سے دارالسلطنت دہلی میں علماء حق کا بول بالا رہا اس میں شک نہیں دین سے جتنا قوی تعلق ہوتا ہے سیاسی بصیرت میں بھی اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے ——— یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ علماء سیاست نہیں جانتے، علامہ اقبال کے ان افکار نے جو ترک موالات اور متحدہ قومیت کے حامی علماء سے متعلق ہیں اس خیال کو اور تقویت دی، حالانکہ خود اقبال علماء و صوفیہ ہی کے پروردہ تھے ——— بیشک علماء حق میکیاولی کی سیاست نہیں جانتے مگر محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاست وہی جانتے ہیں۔

اس کی شریعت اور اس کا ایمان محبوب ہے۔ وہ ایک منٹ کے لئے انگریزی گورنمنٹ کی غلامی کو، اس کی اطاعت کو، اس کی وفاداری کو، اس کے وجود کو، اس کی بقا کو قبول نہیں کر سکتا۔[1]

اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے یہ چبھتے ہوئے ریمارکس قابل توجہ ہیں :۔
"یہ کونسا دین ہے، نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب فرّ من المطر و وقف تحت المیزاب ——— چلتے پرنالے کے نیچے ٹھہرے بوند سے بھاگ کر۔"[2]

بنیادی طور پر ترک موالات سے بہت سے علماء کو اتفاق تھا لیکن اس کے نتیجے میں ہونے والی ہندو مسلم موالات سے بہت سے علماء کو اختلاف تھا، اور یہی موالات مسٹر گاندھی کا مقصود و مطلوب تھی۔ کیونکہ جب تک یہ حاصل نہیں ہو جاتی، آزادی کا ملنا مشکل تھا ——— علامہ معین الدین اجمیری نے ۱۹۲۱ء میں فوج و پولیس کی ملازمت کو حرام قرار دیا اور گرفتار ہوئے، وہ ترک موالات کے سرگرم کارکن تھے مگر اس کے ساتھ مسٹر گاندھی کی قیادت اور کانگریس کے جھنڈے تلے حصول خلافت و آزادی کے خلاف تھے۔[3] خود مولوی محمود حسن نے اپنے فتوے میں یہ صراحت کی :۔

ہندو اور مسلمانوں کے ان تعلقات کا یہ اثر نہ ہونا چاہیے کہ مسلمان اپنے کسی مذہبی حکم کو بدل ڈالیں، یا شعائر کفر و شرک کو اختیار کرنے لگیں اگر وہ ایسا کریں گے تو نیکی برباد گناہ لازم کی مثل اپنے اوپر منطبق کریں گے[4]

اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے تحریک ترک موالات پر تنقید کی اور اس کو غیر موثر اور غیر معقول بتایا، انہوں نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا :۔

حاشیہ [1] صہ۲، محمد ابرار صدیقی : ترک موالات، مدینہ پریس، بجنور ۱۹۲۰ء، صہ ۳۲

[1] مشتاق احمد، خطبہ صدارت مولانا آزاد (اجلاس جمعیۃ العلماء ہند بریڈلا ہال لاہور ۱۹۲۱ء) مطبوعہ دہلی صہ ۲۷   [2] احمد رضا خاں : المحجۃ الموتمنۃ، مطبوعہ بریلی، صہ ۴

[3] محمود احمد برکاتی : تقدیم بر معین المنطق (از علامہ اجمیری) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء

[4] تحریک عدم تعاون اور ارکان دین مبین، مطبوعہ لاہور صہ ۷

زمانہ خود اس کا فیصلہ کر دے گا کہ آخری فوز و فلاح کی بہترین صورت کیا ہے، مادیت پرستی کی وہ راہ جس پر یورپ و امریکہ اور ان کی تقلید میں ایشیاء کے بھی مصلحین و رہبران چل رہے ہیں یا اصلاح باطن، تزکیہ نفس و صفائے روح کا وہ مسلک جس کی ہدایت جملہ انبیاء کرام جملہ بانیان مذاہب جملہ عارفان حق اور اخلاق شروع سے آج تک کرتے آئے ہیں۔[1]

علامہ اقبال بھی تحریک ترک موالات کے خلاف تھے۔ تحریک کے زمانے میں وہ انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے جنرل سیکرٹری تھے۔ ترک موالات کے مسئلے پر جنرل کونسل کی یہ رائے تھی کہ کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے علماء کی رائے معلوم کی جائے۔ علامہ اقبال اس کے موید تھے۔ غالباً انہیں کے ایماء پر مولوی حاکم علی (پروفیسر اسلامیہ کالج، لاہور) نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ سے ایک فتویٰ حاصل کیا[3] اور جنرل کونسل کے ایک اجلاس میں پیش کیا۔ اس فتوے کی روشنی میں جنرل کونسل نے ترک موالات کے خلاف فیصلہ صادر کیا۔ اس پر ایک طوفان برپا ہوا۔ ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں علی برادران اور مولانا آزاد نے ترک موالات کی حمایت میں تقریر کی۔ جب کہ علامہ کے دوست اور صدر انجمن سر شیخ عبد القادر نے اس کے خلاف تقریر کی علامہ نے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے رپورٹ پیش کی اور یہ محتاط اظہار خیال فرمایا :۔

"میں ہمیشہ ہر معاملہ کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور جب تک کسی امر میں پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطہ سے بالکل تباہ ہو جائے گی۔"[4]

[1] ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) ۱۹۲۰ء صہ ۱۶۹

[2] عبد النبی کوکب، مقالات یوم رضا حصہ سوم، لاہور ۱۹۷۱ء، صہ ۱۰ مقالہ ڈاکٹر عابد احمد علی [3] احمد رضا خاں : المحجۃ الموتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) مطبوعہ مطبع حسنی، بریلی، بار دوم صہ ۲۔ [4] محمد حنیف شاہد : اقبال اور انجمن حمایت اسلام (لاہور ۱۹۷۶ء) صہ ۴۳

جناب محمد حنیف شاہد صاحب نے اپنی کتاب میں اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، کہ علامہ ترک موالات کے حامی تھے۔ لیکن عبارت کے تیور بتا رہے ہیں کہ علامہ اقبال ترک موالات کے خلاف تھے، جب ہندوستان کی اکثریت اس تحریک کی حامی تھی تو حمایت میں اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ نے نیاز الدین خاں مرحوم کے نام ایک خط میں اس الزام کی تردید کی ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر ترک موالات کے حامی ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

باقی رہا ان لوگوں سے میرا ہم خیال ہونا، ہم خیالی صرف اس حد تک ہے جس حد تک قرآن حکیم کا حکم ہو اور بس۔[1]

اور قرآن شریف کا جو حکم ہے وہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے مفصل و مدلل فتوے سے علامہ اقبال پر واضح ہو چکا تھا —— اور قائد اعظم پہلے ہی اس تحریک سے علیحدگی اختیار کر چکے تھے ——

مسٹر گاندھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جس نوعیت کا ہندو مسلم اتحاد چاہتے تھے اس میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ لیکن ۵ر فروری ۱۹۲۲ء کو چورا چوری (ضلع گورکھ پور) میں مشتعل ہجوم کی اشتعال انگیز کارروائی سے متاثر ہو کر مسٹر گاندھی نے یہ تحریک ختم کر دی جس کی منظوری آل انڈیا کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے بھی دے دی ——[2]

(ج) تحریک ترک گاؤکشی

محبت و الفت کا اندازہ ایثار و قربانی سے ہوتا ہے —— تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں جس ہندو مسلم اتحاد کو پروان چڑھایا گیا، مسٹر گاندھی نے

---

[1] مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں، لاہور، ص ۳۵

[2] خدا بخش اظہر: مسلم لیگ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء

مسلمانوں کو آتش میں ڈال کر اس کو پرکھا ——

سب سے بڑی قربانی شعائر مذہبی کی قربانی ہے، اس سلسلے میں گائے کی قربانی ہندوؤں کے لئے ایک عرصے سے وجہ اضطراب تھی۔ حالانکہ یہ قربانی خود ان کے مذہب میں رائج تھی[1] —— لیکن اس مسئلے پر ہندو مسلم نظریات میں بعد المشرقین تھا۔ ہندوؤں کے لئے گائے محبوب اور مسلمانوں کے لئے اس کی قربانی محبوب —— چاہیئے تو یہ تھا کہ مسٹر گاندھی ہندوؤں کو مجبور کرتے کہ وہ اپنی مذہبی قربانی کو پھر جاری کریں جو غالباً گوتم بدھ کے اثرات کے تحت ہندوستان سے معدوم ہو گئی تھی۔ مگر انہوں نے اس مسئلے پر مسلمانوں کو مجبور کیا —— سیاست جدیدہ میں عقل کو دخل نہیں جب کہ سیاست اسلامیہ میں عقل تو عقل، دل کو پورا پورا دخل ہے، بہر کیف ہندوؤں کی محبت کا مسلمانوں سے یہ صلہ چاہا گیا کہ وہ بیک قلم گائے کی قربانی موقوف کر دیں، اور ہندوؤں سے محبت کا عملی ثبوت پیش کریں۔ اس سلسلے میں جو حقائق سامنے آئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:-

---

[1] ۱۹۰۳ء میں لوکمانیہ تلک نے بڑودہ کانفرنس میں کہا تھا:-

"دو ہزار سال پیشتر ہندو اپنے مذہبی اصول کے ماتحت جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے، ان کے خون سے ندیاں سرخ ہوتی تھیں۔"

(اخبار کیسری، مورخہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۰۳ء)

اس بیان کی تصدیق ہندوؤں کی مندرجہ ذیل مذہبی کتابوں سے ہوتی ہے:-

ا۔ بھاگوت گیتا، دسواں اسکندھ، باب ۵۸

ب۔ والمک پوران، اجودھیا کھنڈ، شلوک ۸۰۲

ج۔ کورام پوران، سوتر ۴۰، ادھیائے ۱۷

۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر مونجے (کانپور) نے گائے کی قربانی کے حق میں ایک تحریک چلائی تھی اور ہندوؤں سے کہا تھا کہ یہ قربانی ہی ہے جس کے طفیل برسوں حکومت ان کے ہاتھ میں رہی۔

مسٹر گاندھی نے ۱۹۱۸ء میں گئو رکھشا کے سلسلے میں جو اظہار خیال کیا تھا اس کو ماہنامہ طلوع اسلام (لاہور) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

مگر ایک ہندو بھی، ہندوستان کے طول و عرض میں نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤکشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو، ہندو مت ــــ عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤکشی بند کردیں۔[1]

گائے کی قربانی کے سلسلے میں ہندوستان میں اکثر فسادات ہوتے تھے، چنانچہ ۱۹۱۷ء میں بقر عید پر آرہ، شاہ آباد وغیرہ اور ۱۹۱۸ء میں کٹار پور میں خونریز فسادات ہوئے ــــ یہ فسادات اسی ذہنیت کی عکاسی کر رہے ہیں جس کا اظہار مسٹر گاندھی کے مندرجہ بالا بیان سے ہوتا ہے۔

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں خود ہندوؤں نے ذبیحہ گاؤ کے بارے میں علماء سے استفتاء کیا، چنانچہ سنہ مذکور میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس مسئلے پر نہایت ہی مدلل اور مسکت فتویٰ جاری کیا یعنی

انفس الفکر فی قربان البقر[2]

۱۲۹۸ھ کے بعد ۱۳۰۰ھ میں پھر ۱۳۱۲ھ اور ۱۳۲۹ھ میں اسی مسئلے پر استفتاء موصول ہوئے ــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منظم تحریک کے ذریعہ گائے کی قربانی پر پابندی لگانے کی کوشش کی گئی ــــ

۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں ہوا جس میں مسئلہ خلافت پر بحث کرتے ہوئے ترکوں کی حمایت میں صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ ڈاکٹر انصاری نے حمایت

---

[1] طلوع اسلام، لاہور، مارچ ۱۹۷۹ء

[2] یہ رسالہ، رسائل رضویہ (جلد دوم) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۲۱۳ تا ۲۲۶ پر شامل کردیا گیا ہے۔ (مسعود)

خلافت کا علم بلند کیا اور صدر کانگریس پنڈت مدن موہن مالویہ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی دل آزاری سے منع کرتے ہوئے گائے کی قربانی ترک کردینے کا مشورہ دیا۔[1]

دسمبر ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کے صدر حکیم محمد اجمل خاں صاحب نے چار صفحات پر مشتمل خطبہ صدارت پڑھا اس میں مسئلہ قربانی پر بحث کرتے ہوئے حدیث شریف میں عمداً یا سہواً تحریف کرکے پیش کیا گیا[2] اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ گائے کی قربانی ترک کردیں۔[3]

اسی زمانے میں مسٹر گاندھی نے بحیثیت صدر

Humanitarian Conference

اہل ہند کو ترک حیوانات کی سخت تاکید کی ــــ گاؤکشی اور ترک حیوانات کی ان تحریکوں نے مسلمان قصابوں کو سخت نقصان پہنچایا۔[4]

---

[1] ا۔ محمد سلیمان اشرف: النور، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۲۱ء، ص ۱۱
ب۔ عبدالقدیر بدایونی: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام، مطبوعہ علی گڑھ بار دوم ۱۹۲۵ء، ص ۱

[2] مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ پروفیسر محمد سلیمان اشرف نے حکیم صاحب کی اس غلطی کی گرفت کی چنانچہ حکیم صاحب نے اخبار البشیر (اٹاوہ) میں ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کی اشاعت میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ مسعود

[3] محمد سلیمان اشرف، النور، ص ۱۲

[4] ماہنامہ سواد اعظم (مراد آباد)، ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ/ ص ۲۲، ۲۳ میں لکھا ہے پہلے مسلمان زمینداروں اور جاگیرداروں کو سودی قرضوں کے ذریعہ بے بس کیا گیا، اس کے بعد قصابوں کو گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگوا کر بے آسرا کرنا چاہا۔ پھر اس کے بعد تحریک کھدر شروع کرکے مومن قوم کو جو خوش حال تھی اور اپنے فن میں یگانہ روزگار، چنانچہ ڈھاکہ کی چکن، جائس کی جامدانی، مبارک پور کے ڈورئیے، لنگی، مشروح، فلطہ، بھاگل پور کی سلک، فتوحا کے عمامے، بنارس کے

اسی زمانے میں کانپور میں جمعیۃ العلماء ہند کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس موقع پر پروفیسر محمد سلیمان اشرف (خلیفہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی) نے کارکنان جمعیت سے درخواست کی کہ گائے کی قربانی کی مخالفت سے دست بردار ہو جائیں مگر کسی نے توجہ نہ دی چنانچہ انھوں نے مسئلہ قربانی پر اپنا رسالہ "الرشاد" ۱۹۲۰ء پیش کیا، جو تین ماہ کے اندر اندر تین ہزار کی تعداد میں شائع کرایا گیا۔[2]

علماء حق کی مزاحمت کے باوجود مسٹر گاندھی کی اس تحریک نے اپنا اثر دکھایا۔ غالباً مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے یہ بات فرمائی کہ مسٹر گاندھی سے پہلی ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ان کے خاندان سے گائے کی قربانی موقوف ہو گئی ——[1]

خواجہ حسن نظامی جن سے ملاقات کے لیے مسٹر گاندھی خود ان کے مکان پر گئے تھے اس مسئلے پر مسٹر گاندھی کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ آپ نے یہاں تک فرمایا :۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳ ——— دوپٹے، ساڑھیاں، کمخواب، زربفت، زری وغیرہ مشہور عالم تھے، تحریک کھدر نے مسلمان پارچہ بافوں کی کمر توڑ دی —— مگر پھر بھی مسلمان سیاسیوں نے اس تحریک کی ہمت افزائی کی سندھ کے فاضل جلیل مولانا محمد ہاشم جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) راقم سے فرماتے تھے کہ مولوی حسین احمد مدنی سندھ آئے اور یہاں بھرے مجمعوں میں عمامے اتروا کر کھدر کی ٹوپیاں پہنائیں۔ یہ سب مولانا محمد ہاشم مجددی علیہ الرحمہ کا چشم دید ہے۔ ویسے مولوی حسین احمد نے ہمیشہ کھدر پہنا، اس معاملے میں وہ آخر تک متشدد رہے۔ (نیز ملاحظہ ہو بیس بڑے مسلمان از پروفیسر رشید احمد ارشد ص ۳۹۴) مسعود

[1] گائے کی قربانی پر مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ سے بھی استفتاء کیا گیا تھا آپ نے قربانی کے حق میں نہایت مدلل اور مسکت فتویٰ عنایت فرمایا۔ یہ فتویٰ فتاویٰ مظہری، جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ص ۳۲۱، ۳۲۳ / ۳۲۴ میں شامل کر دیا گیا ہو

[2] محمد سلیمان اشرف : الرشاد، مطبوعہ، مطبع خادم التعلیم ۱۹۱۵ء ص ۲۳

ہندو ہمارے پڑوسی ہیں اور گاؤکشی سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے لہٰذا ہم گائے کی قربانی نہ کریں اور اس کے عوض دوسرے جانوروں کی قربانی کافی سمجھیں، چاہے ہندو خلافت کے کام میں ہمارے مددگار رہیں یا نہ رہیں ہم کو اس کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیئے، کیوں کہ مسلم قوم احسان کی تجارت نہیں کرتی۔[1]

(د) تحریک شدھی اور سنگھٹن

ہم نے ابتداء میں "مقاصد" کے ذیل میں عرض کیا تھا کہ مسٹر گاندھی کی سیاسی سرگرمیوں کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اہل ہند کو ایک دین و مذہب پر چلایا جائے، ظاہر ہے وہ دین و مذہب کونسا ہو سکتا تھا، لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ مسلمان اپنے شعائر مذہبی کو ترک کریں کہ آگے چل کر اگر خدانخواستہ مذہب چھوڑنا پڑا تو زیادہ مشکل نہ معلوم ہو —— مسئلہ قربانی پر بحث کرتے ہوئے مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :۔

اور یہ خیال کہ محض ہنود کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اس کی قربانی کا ترک مقصود ہے اور کسی کی خوشی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں تو اول تو حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلے میں کسی کی رضا کی طلب خود ہی حرام ہے دوسرے وہ محض اتنی بات سے کہ آپ ذبیحہ گاؤ ترک کر دیں پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکتے کہ حقیقت میں ان کو صرف گائے کی قربانی کا ترک مطلوب نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مہتم بالشان قربانی مطلوب ہے۔ یعنی "ایمان"

---

[1] محمد جمیل الرحمٰن : تحقیقات قادریہ، مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء بحوالہ رسالہ "ترک گاؤکشی"۔ مولفہ خواجہ حسن نظامی، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس

کی قربانی۔ لقولہ تعالٰے ودّوا لو تکفرون [1]

چنانچہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے بعد تحریک شدھی نے شدت اختیار کی جس میں راجہ سے لے کر پرجا تک سب شریک تھے [2]۔ ۱۹۲۵ء میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریب کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہندو لیڈر جمع ہوئے اور وہاں مسلمانوں کو مرتد و گمراہ کرنے کی ایک خفیہ سازش تیار کی گئی [3] ——— ارتداد کی اس تحریک نے مسلمانان ہند میں ایک اضطراب پیدا کر دیا، علماء حق نے اس کی پوری پوری مزاحمت فرمائی ——— جن میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں :-

---

[1] محمد مظہر اللہ، فتاویٰ مظہری، جلد اول، ص ۳۲۳

[2] پنڈت دیانند سرسوتی، آریہ سماج اور شدھی کا بانی، اس نے ستیارتھ پرکاش نامی ایک کتاب لکھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام پر اعتراضات کیے گئے ہیں، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ان اعتراضات کا مسکت جواب دیا، السواد الاعظم کے اکثر شماروں میں مفصل و مدلل جوابات موجود ہیں۔

[3] تحریک شدھی کو لالہ منشی رام شردھانند نے آگے بڑھایا، یہ مشرقی پنجاب کا رہنے والا تھا، تحریک ترک موالات میں مسلمانوں کے ساتھ رہا، بلکہ جامع مسجد دہلی کے منبر پر مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ بیٹھ کر ہندو مسلم اتحاد کے موضوع پر اس نے تقریر کی لیکن ۱۹۲۳ء میں اس کا اصلی روپ سامنے آتا ہے جب کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھل کر سامنے آیا، اس روپ کے یہ خد و خال ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) "شدھی" کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کا مقصد ہندوستانی نسل کے مسلمانوں کو مرتد بنانا تھا۔ اضلاع یوپی میں بہت سے مسلمان ملکانوں کو مرتد بنایا گیا۔

(۲) "سنگھٹن" کی تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا جس کا مقصد ہندوؤں، سکھوں اور بدھوں کے تعاون سے ہندوستان کی سرزمین سے مسلمانوں کو نکال کر "عظیم تر ہندو قومیت" کی بنیاد رکھنا تھا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(۱) حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب (۲) حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب (۳) حضرت مولانا مفتی مصطفٰے رضا خاں صاحب (۴) مولانا غلام قطب الدین اشرفی برہمچاری (۵) مولانا احمد مختار صدیقی صاحب میرٹھی (۶) مولانا ابو البرکات سید احمد صاحب وغیرہ وغیرہ

۱۹۲۳ء میں تحریک شدھی چلی جس میں سوامی شردھانند، پنڈت کالی چرن، پنڈت رام چندرا، دھرم بھکشو لکھنوی وغیرہ نے بھرپور حصہ لیا ——— اس کے مقابلے کے لئے بریلی سے جماعت رضائے مصطفٰے میدان عمل میں آئی۔ اس کے بعد جماعت اشرفیہ، حلقۂ اشاعت الحق اور انجمن خدام الصوفیہ، صدر الافاضل اور تاج العلماء کے تبلیغ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶ (۳) دہلی سے اخبار "تیج" نکالا جس میں ایسے مضامین شائع کئے جن میں اسلام اور مسلمانوں پر حملے کئے گئے۔

(۴) اس کے بیٹے نے ہندی زبان میں ایک اخبار "ارجن" نکالا جس کا مقصد عہد اسلامی کے سلاطین کے کردار کو غلط رنگ میں پیش کر کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنا تھا۔

(۵) اس کے ایماء سے ایک اخبار "گرو گھنٹال" جاری کیا گیا جس کا مقصد وحید مسلمانوں کی مقدس ہستیوں پر ناپاک حملے کرنا تھا۔

(۶) اس کے ایک چیلے نے "جٹ بٹ" نامی ایک کتاب لکھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سخت توہین کی گئی تھی۔

(۷) اس نے مغل شہزادیوں کے خلاف ڈرامہ اور ناول لکھنے کی ایک تحریک شروع کی اور اس سلسلے میں کئی ناول و ڈرامے منظر عام پر آئے۔

دہلی کے ایک مسلمان قاضی عبدالرشید نے انہیں وجوہات کی بنا پر ۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شردھانند کو قتل کر دیا اور خود ۱۹۲۷ء میں سردار جام شہادت نوش کیا۔

(اخبار جنگ کراچی ۹ اگست ۱۹۷۳ء، مضمون سردار علی صابری ملخصاً)

[4] منور حسین، ملفوظات امیر ملت، (خطبہ صدارت سنی کانفرنس مراد آباد ۱۹۲۵ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء (ص ۱۷۹، ۱۸۰)

طریقت حضرت شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمہ نے باوجود کبر سنی تحریک شدھی کا پوری قوت سے مقابلہ کیا، براہ راست تبلیغ کے علاوہ مندرجہ ذیل طریقے بھی اختیار کئے گئے :۔

۱۔ معالج حیوانات کے بھیس بدل کر۔

۲۔ وید حکیم کا بھیس بدل کر۔

۳۔ گانے والے طائفہ کا بھیس بدل کر۔

۴۔ سادھوؤں کا بھیس بدل کر۔

مولانا سید قطب الدین برہمچاری اور ان کے شاگرد مولانا غلام قادر اشرفی نے بھیس بدل کر نہ صرف مرتدین کو مشرف باسلام کیا بلکہ بہت سے ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ مجموعی طور پر ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ بھیس بدل کر جو اشاعت اسلام کی کوشش کی اس سے پچاس ہزار ہندو مسلمان ہوئے ــــ

مسلمان ہونے کے بعد جو سند جاری کی جاتی تھی اس کے چار حصے ہوتے تھے ایک اسلام قبول کرنے والے کو دیا جاتا دوسرا صدر دفتر بھیجا جاتا تیسرا ریکارڈ میں محفوظ رکھا جاتا اور چوتھے پر نو مسلم کی چوٹی کاٹ کر لگائی جاتی ــــ

تحریک شدھی میں ناکامی کے بعد ہندوؤں نے گستاخیوں کا سلسلہ شروع کر دیا چنانچہ آریہ سماج کی ان کتابوں سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ ترک اسلام، تہذیب الاسلام، آریہ مسافر جالندھر، آریہ مسافر میگزین، مسافر، بھرشاچج، آریہ پتر بریلی، ستیارتھ پرکاش وغیرہ۔

غیرت مند مسلمانوں نے ان گستاخیوں کا محاسبہ کیا چنانچہ شردھانند سے گستاخی کا بدلہ قاضی عبدالرشید نے لیا، راجپال سے گستاخی کا بدلہ غازی علم الدین نے لیا، بھولا ناتھ سین سے گستاخی کا بدلہ عبداللہ اور امیر احمد نے لیا۔ قصور کے پال مل سے محمد صدیق نے بدلہ لیا اور کراچی کے نتھو رام سے غازی عبدالقیوم نے۔

۱ ہفت روزہ الہام، بہاولپور، ۷ مارچ ۱۹۷۷ء۔ احکام شریعت مطبوعہ بریلی، ملخصاً۔
مسعود

۴۔ فوائد

مسٹر گاندھی سیاسی دھارے کو ہندوستان میں جس روش پر چلانا چاہتے تھے اس کی منزل "ہندو مسلم اتحاد" تھا مگر یہ اتحاد "خود مقصود" نہ تھا، بلکہ اصل مقصود وہ اغراض و مقاصد تھے جن کا ہم نے پیچھے ذکر کیا ــــ مسٹر گاندھی نے اپنی منزل مقصود کے لئے ان تحریکات کو بطور ذرائع اختیار کیا یعنی تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک ترک حیوانات، تحریک گئو رکھشا، سیتا گرہ، برت وغیرہ وغیرہ ــــ یہ تحریکیں مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد کی منزل پر لے گئیں ــــ رغبت سے، شوق سے، خوف سے، مستقبل کی امیدوں اور اندیشوں سے ــــ سیاسی لگاؤ سے، معاشی دباؤ سے، معاشرتی چاؤ سے ــــ

آیئے ہم مسٹر گاندھی کی مساعی کے ثمرات اور فوائد کا تاریخی جائزہ لیں۔
امرتسر کے ایک فاضل حکیم محمد موسیٰ زید لطفہ، عینی شاہدوں کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں :۔

گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین، امرتسر میں لاکر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ
"اے اللہ تو گاندھی کے ذریعہ اسلام کی مدد فرما" [۱]

---

۱ عبدالنبی کوکب : مقالات یوم رضا (حصہ اول) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء
مقالہ مولانا احمد رضا خاں کے رفقاء کی سیاسی بصیرت
از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص ۹۸-۹۹

اسی طرح جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریر کرائی گئی۔[1] ——— یہ وہی شخص ہے جس نے ارتداد کی مہم چلائی اور بالآخر دہلی میں ایک مسلمان عبدالرشید نے اس کو قتل کر دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کی ایک جھلک دیکھی، اب اور جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:۔

ا۔ ہینگن گھاٹ میں نماز جمعہ کے وقت تخمیناً ۱۵۰۰ ہندو مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر و دعا میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا۔[2]

ب۔ مسجد قطب خانساماں (شملہ) میں ۱۵ اگست ۱۹۲۰ء کو ہندو مسلم کا متحدہ جلسہ ہوا جس میں ہندو مسلم اتحاد پر مسلمانوں نے تقریریں کیں اور اس کی تائید میں ہندوؤں نے بھی زوردار تقریریں کیں۔[3]

ج۔ جامع مسجد جلگاؤں بلڈانہ میں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس کی صدارت پانڈورنگ دینا ناتھ نے فرمائی۔[4]

د۔ مولوی خلیل الرحمٰن نے بنارس، محلہ کچی باغ سے ۶ محرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو دارالافتاء بریلی ایک استفتاء بھیجا جس میں کہا گیا ہے:۔

"تلک[5] کی موت کے غم میں بروز دسواں جامع مسجد میں ننگے سر جمع ہو کر اس کیلئے دعا، فاتحہ اور مغفرت کے لئے اشتہار تقسیم کیا گیا۔"[6] ملخصاً

---

[1] نور محمد قادری: اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء۔ بحوالہ مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی از عبدالوحید خاں ص ۱۴۲، ۱۴۳

[2] اخبار مدینہ (بجنور) ۱۹ اپریل ۱۹۲۰ء (ملخصاً)

[3] اخبار مدینہ (بجنور) ۲۸ اگست ۱۹۲۰ء (ملخصاً)

[4] اخبار مدینہ (بجنور) یکم اپریل ۱۹۲۰ء (ملخصاً)

[5] مدیر معارف سید سلیمان ندوی نے مسٹر تلک کے انتقال پر شذرات میں تعزیت کی ہے اور اسکو افسوس ناک قرار دیا ہے (معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۲۰ء، ص ۱۶۳) مولوی شوکت علی نے اس کی ارتھی کو کندھا دیا بعد میں معذرت کی۔ (النور ۱۹۲۱ء، ص ۱۵۴)

[6] محمد جمیل الرحمٰن: تحقیقات قادریہ، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۰ء، ص ۳۱

ہ۔ ایک اور استفتاء الٰہ آباد سے دائرہ اجملیہ کی طرف ۱۶ جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء کو مولوی نذیر احمد نے دارالافتاء بریلی بھیجا جس میں مسلمانوں کے متعلق ان افعال شرکیہ کا ذکر کیا گیا ہے:۔

(۱) عام اہل اسلام دسہرے میں شریک ہو کر ناقوس (سنکھ) بجائیں۔

(۲) رام لچھمن پر پھول چڑھائیں۔

(۳) جے کی آوازیں بلند کریں۔

(۴) گائے کی قربانی بند کریں۔[1]

و۔ میرٹھ میں ہندو مسلم اتحاد کی تقریب کے موقع پر:۔

"ایک جلوس گاندھی کا نکالا گیا، جس میں ہندو مسلمان سب شریک تھے علاوہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ مسلمانان میرٹھ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے عین جلوس میں، قشقہ، چندن وغیرہ مسلمانوں کے ماتھے پر لگایا ہے، چندن لگوانے والے اور نہ لگوانے والے مسلمانوں سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کی طرف سے کوئی جبر نہ تھا۔"[2]

ز۔ آرہ کے متعلق یہ خبر ملاحظہ فرمائیں:۔

"ایک پنڈت سالک بلیا آجکل آرہ میں آکر بہت زوروں کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک جا جمع کر کے لیکچر دیا کرتے ہیں، بعد ختم لیکچر وہ پنڈت خود

---

[1] ایضاً ص ۳۳

[2] ا۔ استفتاء از میرٹھ مستفتی مولوی رحیم بخش مدرس مدرسہ اسلامیہ، محررہ ۲۰ جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، موصولہ دارالافتاء بریلی۔

ب۔ استفتاء از میرٹھ مستفتی حافظ شیر محمد خاں امام مسجد، محررہ ۲۰ جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، موصولہ دارالافتاء بریلی۔

ج۔ استفتاء از میرٹھ مستفتی حکیم عبدالرحمٰن، محررہ ۲۴ جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء، موصولہ دارالافتاء بریلی

اپنے ہاتھ سے ہندو مسلمانوں کے ٹیکہ دیتے ہیں، قبل ٹیکہ دینے کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے ہاں مخالفت تو نہیں؟ ——

ایک روز پنڈت نے ہندو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہم اپنی رامائن کا اور مسلمانوں کے قرآن اور انگریزوں کے بائبل کا یعنی تینوں کا پوجا کریں گے۔ اس کے انتظام و اہتمام کے لئے یہ تھا کہ ایک ڈولہ جس کو وہ "سنگاسن" کہتے ہیں، اس کو بڑے تکلف کے ساتھ ہار پھول سے سجوا کر اس کے اندر ایک طرف رامائن، ایک طرف بائبل، بیچ میں مسلمانوں سے قرآن مجید منگوا کر رکھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بھجن گاتے، ڈھول و جھانجھ وغیرہ بجاتے اور اس میں مسلمان بھی شریک ہو کر شہر سے گھماتے اپنے مندر کے اندر لے جا کر رکھا۔ جب ان مسلمانوں سے کہا گیا تو جواب دیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہوا؟ [1]

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں علماءِ اہلسنت کے ان بیانات کا خلاصہ پیش کر دینا مناسب ہے جو اس سلسلے میں تقریراً یا تحریراً جاری کئے گئے۔

و۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالے "المحجۃ المؤتمنہ" میں ان امور شرکیہ کا ذکر فرمایا ہے:-

(۱) گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ۔

(۲) خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی گاؤ۔

(۳) قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ دونوں کی پوجا کراؤ۔

(۴) نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے۔

---

[1] استفتاء از آرہ مستفتیان محبوب علی و عبد الغفور، محررہ ماہ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء موصولہ دارالافتاء، بریلی بحوالہ تحقیقات قادریہ ص ۳۰

(۵) ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا۔

(۶) دوسرا جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے اور اس میں خلفاء راشدین حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بجائے گاندھی کی مدح "مقدس ذات ستودہ صفات" وغیرہ الفاظیوں کے ساتھ گاتا ہے۔ [1]

ب۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے خلیفہ پروفیسر مولانا محمد سلیمان اشرف نے بھی اپنے رسالے "الرشاد" میں ان امور شرکیہ کا ذکر فرمایا ہے:-

(۱) ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے گئے، منبروں پر بٹھایا۔

(۲) مسلمان مندروں میں گئے، وہاں دعائیں کیں قشقہ لگوایا۔

(۳) گاندھی کے حکم سے ستیہ گرہ کے دن روزہ رکھا۔

(۴) وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا۔

(۵) کرشن جی کو حضرت موسیٰ کا لقب مان لیا گیا۔

(۶) بدایوں کے ایک جلسے میں ایک ہندو مقرر نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان رام لیلا منائیں، ہندو محرم منائیں۔ [2]

---

[1] احمد رضا خاں، المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، مطبوعہ بریلی (۱۹۲۱ء) بار دوم ص ۴۵، ۸۱ (ملخصاً)۔ نوٹ: خطبہ جمعہ میں مسٹر گاندھی کی تعریف و توصیف سننے کے عینی شاہد مولوی احمد مختار صدیقی میرٹھی ہیں۔ یہ خبر اخبار مشرق (گورکھپور) ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔ مسعود

[2] محمد سلیمان اشرف: الرشاد، مطبوعہ خادم التعلیم ۱۹۱۹ء ص ۱۳، ۱۴، ۶۱، ۷۱ (ملخصاً)

پروفیسر محمد سلیمان اشرف نے مسلمانوں کی اس فکری بے راہ روی پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے یہ رباعی تحریر فرمائی ہے:-

وارم دلکے غمیں بیامرز و مپرس !	صد واقعہ در کمیں بیامرز و مپرس !
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم !	یا اکرم الاکرمین بیامرز و مپرس !

(النور، ص ۲۳۱)

ج۔ مولانا محمد میاں قادری نے انصار الاسلام کے جلسے منعقدہ بریلی ۲۲ر شعبان ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں اپنے صدارتی خطبے میں ان امور کی طرف اشارہ فرمایا۔

۱۔ قشقہ لگوانا۔

۲۔ مشرکوں کی جے پکارنا۔

۳۔ رام لچھمن پر پھول چڑھانا۔

۴۔ رامائن کی پوجا میں شریک ہونا۔

۵۔ ارتھی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ لے جانا۔

۶۔ مشرک میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور وہ بھی مسجد میں۔

۷۔ مسجدوں میں مشرکوں کی تعزیت کے جلسے کرنا۔

۸۔ اللہ کو رام کہنا۔

۹۔ خطبہ جمعہ میں مشرک کی تعریف کرنا۔

۱۰۔ دسہرے میں شریک ہونا۔

۱۱۔ سنکھ بجانا۔

۱۲۔ قربانی گاؤ کو بھینٹ چڑھانا۔

۱۳۔ قاتل مشرکوں کی رہائی کی کوشش کرنا۔

۱۴۔ قربانی کی گائے زبردستی چھین کر اس کو گئو شالہ پہنچانا۔[1]

بات تحریک خلافت سے چلی تھی اور کہاں تک پہنچی؟ ——— مسٹر گاندھی کی سیاست کی ساحری نے مسلمانوں کو اس حد تک مسحور کر دیا تھا جس کو دیکھ کر آج کا مسلمان بھی حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ علامہ اقبال نے اس رباعی میں مسٹر گاندھی کی سیاست کو بڑی خوبی سے سمویا ہے:

نگہ دارد برہمن کارِ خود را !   نمی گوید بہ بکس اسرارِ خود را
بہ من گوید کہ از تسبیح بگزر   بدوش خود برد زنّارِ خود را

[1] محمد میاں قادری، خطبہ صدارت مطبوعہ مطبع صبح صادق۔ سیتا پور ۱۹۲۰ء ص ۲۹، ۳۰
(ملخصاً)

نتائج

مسٹر گاندھی جو سیاسی مقاصد لے کر اٹھے، اسباب و ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جس شان سے انہوں نے قیادت کی اور جو فوائد حاصل کئے اس کے فوری نتائج یہ برآمد ہوئے۔

۱۔ بکثرت مسلمان متحدہ ہندوستان کے حامی ہو گئے۔

۲۔ مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد متحدہ قومیت کی علمبردار ہو گئی۔

۳۔ اپنی زبان اور تہذیب کی بقا کے لئے مسلمانوں میں وہ جذبہ نہ رہا جو ملی وحدت کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے مسلمان ہنود اور ان کے رہنماؤں سے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کی محبت دل میں راسخ ہو گئی حتی کہ ان کی خاطر اپنے مذہبی شعار چھوڑنے اور ان کے شعائر اپنانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

۵۔ قرآن و سنت کو چھوڑ کر سیاسی سطح پر فلسفۂ گاندھی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مگر اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ ملاوٹ پسند نہیں کرتا کیونکہ خود فطرت ملاوٹ پسند نہیں کرتی۔ ہندو مسلم اتحاد کی وہ صورت جس کا اوپر ذکر کیا گیا اسلام کی فطرت کے خلاف تھا اس لئے یہ کیفیت زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی اور شدید ردعمل رونما ہوا۔

یہ وہی حالات تھے جو چشم عالم نے اکبری دور میں دیکھے تھے اور جس کو ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں پوست کندہ بیان کیا ہے جو سب کے سب ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں ——— [1]

[1] ملا عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۹ء

اس دور کے ردِ عمل میں سرہند سے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) اٹھے اور پوری قوت سے اس کی مزاحمت فرمائی[1]، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور بالآخر مزاجِ حکومت بدل دیا۔ آپ ہی کی مساعی کے نتیجے میں ہندوستان میں ایک لادینی حکومت کی جگہ اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اکبر کے بعد جہانگیر اور پھر اورنگ زیب منظرِ عام پر آئے ——— ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں :-

"جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریکِ احیاءِ دین کا آغاز ہوا، چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں

---

[1] مولانا مفتی محمد محمود صاحب نے یہ عجیب انکشاف فرمایا :-
حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اکبری فکر و نظریات کو اسلام کے لئے زہرِ قاتل سمجھتے ہی تھے پھر انہوں نے خاص طور پر جس پر توجہ دلائی وہ تھا کافرِ فرنگ کا مسئلہ، کافرِ فرنگ کے کفر اور اس کی عیاری و فریب کاری پر ان کی رگِ فاروقیت پھڑک اٹھتی ہے اور ان کے قلم سے انگارے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں ———
("دار العلوم دیوبند اور تحفظ احیاءِ اسلام کی عالمگیر تحریک" از مفتی محمود مشمولہ ماہنامہ "الرشید" (لاہور) دار العلوم دیوبند نمبر، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۴۵۹)
مؤرخین اور محققین اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے انگریزوں کے خلاف نہیں کفار و مشرکینِ ہند کے خلاف زبردست جد و جہد فرمائی اکبری اور جہانگیری دور میں انگریز کوئی مسئلہ نہ تھا، یہ بعد کی بات ہے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، راقم کا مقالہ مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ) شمارے جون ۱۹۶۱ء تا فروری ۱۹۶۲ء اور الفرقان (لکھنو) شمارے ستمبر ۱۹۶۱ء تا اپریل ۱۹۶۲ء ——— مسعود

کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں ——— اورنگ زیب عالمگیر سنیت کا نشان نصرت تھا[1] ———

تقریباً یہی حالات اس دور میں تھے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، مگر اس دور میں کوئی ملا عبد القادر پیدا نہ ہوا جو پوست کندہ حالات تاریخ میں محفوظ رکھتا اور ہم کو اتنی جستجو نہ کرنی پڑتی ——— اس دور کے ردِ عمل میں بریلی سے مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سامنے آئے، یہ ان کا آخری دور تھا ۱۹۲۱ء میں وہ انتقال فرما گئے، لیکن بسترِ مرگ پر پڑے رہنے کے باوجود انہوں نے وہ کچھ کیا جو ایک غیور مسلمان کو کرنا چاہیئے تھا ——— حالانکہ یہ دور نہایت پر خطر اور آتش فشاں تھا، اس جذباتی دور میں مدبرین پس منظر میں چلے گئے، چنانچہ قائد اعظم محمد علی جناح انگلستان چلے گئے، اور علامہ اقبال بھی اس وقت خاموش رہے ——— حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے جو اسلامی اسپرٹ پیدا کی اس نے آگے چل کر تحریکِ اسلامی کو قوت بخشی اور وہ اس قابل ہوئی کہ غیر اسلامی اور لادینی تحریکوں کا مقابلہ کر سکے، اس حقیقت کی شہادت السواد الاعظم کے ان مندرجات سے مل سکتی ہے جو ہماری کتاب کا موضوع ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض قارئین کرام یہ خیال فرمائیں کہ اس موقع پر مولوی سید احمد بریلوی اور مولوی محمود حسن کا کیوں ذکر نہ کیا[2] انہوں نے بھی تو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے

---

[1] مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۲
[2] مولانا عبید اللہ سندھی نے (جو ۱۸۷۲ء میں ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوتے تھے) ملکی سیاست میں حصہ لیا تھا۔ وہ مولوی محمود حسن کے ایماء پر ۱۹۱۵ء میں کابل گئے جہاں بعد میں انڈین نیشنل کانگریس کی کابل شاخ سے منسلک ہو گئے۔ ابتداء میں وہ ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے۔ ۱۹۲۲ء میں وہ کابل سے ماسکو گئے جہاں لینن زندہ تھا اور نئے اشتراکی روس کی تعمیر میں مصروف تھا، وہاں سے ۱۹۲۳ء میں ترکی گئے۔ جہاں مصطفےٰ کمال نئے ترکی کی تعمیر کے لئے جد و جہد کر رہا تھا، ترکی سے

باقی اگلے صفحہ پر

کوشش کی ہے۔ بیشک ثابت ہی کیا جاتا رہا ہے، لیکن مولوی حسین احمد مدنی کے بیانات سے ہم کسی دوسرے نتیجے پر پہنچتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سید صاحب اسلامی حکومت قائم کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ انگریزوں کو نکالنا چاہتے تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

سید صاحب کا مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر ——— آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتایا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی، اس سے آپ کو غرض نہیں، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے، ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں، حکومت کریں گے، چنانچہ اس سلسلے میں سرحد سے ریاست گوالیار کے مدار المہام اور مہاراج دولت رائے سندھیا کے وزیر و برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے، اس سے آپ کے اصلی عزائم اور ملکی حکومت کے متعلق آپ کے نقطۂ نظر پر روشنی پڑتی ہے۔[1]

رہی انگریزوں کے خلاف آپ کی جد و جہد وہ بھی خود مولوی حسین احمد کے بیان کی روشنی میں مشکوک ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

بقیہ حاشیہ ص ۱۳۵

مولانا حجاز آئے جہاں ابن سعود کی حکومت قائم ہو چکی تھی، وہاں بارہ سال رہے، ۱۹۳۵ء میں کراچی آئے اور ۱۹۴۵ء میں انتقال کیا۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے ملکی انقلابات کے بجائے روس، ترکی، حجاز کے معاشی سیاسی اور مذہبی انقلابات بچشم خود دیکھے اس لئے دوسرے کانگریسی اور جمعیتی لیڈروں کے مقابلے میں ان کے سیاسی خیالات منفرد تھے۔ مسعود

[1] حسین احمد مدنی: نقش حیات، جلد دوم، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۴ء، ص ۱۳

ہندوستان کی یہ بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ سید صاحب کو مسلمانان پنجاب کی حد درجہ پامالی و زبوں حالی کے باعث مہاراجہ رنجیت سنگھ - کے بالمقابل صف آرا ہونا اور آخر معرکہ بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کرنا پڑا ——— جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔[1]

لیکن نہ معلوم کیوں پاکستان میں مرتب کی جانے والی انگریزی اور اردو تاریخوں میں مولوی سید احمد بریلوی کی تحریک کے ڈانڈے تحریک پاکستان سے ملائے جاتے ہیں ——— غور کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان میں ان کے متبعین و مؤیدین کا کردار علماء اہل سنت کے مقابلے میں زیادہ شاندار نہیں رہا۔ شاید ذوق مسابقت میں ایسا کیا گیا اور یہ عام تاثر دیا گیا کہ سید صاحب کا مقصود اسلامی حکومت کا قیام تھا لیکن اگر واقعی یہی مقصد تھا تو ان ہزاروں لاکھوں متبعین کے لئے کیا تھا جو سرے سے پاکستان کے خلاف تھے اور اب بھی اپنے مسلک پر قائم ہیں؟ ——— اس گتھی کا سلجھانا بہت مشکل نظر آتا ہے ———

جہاں تک مولوی محمود حسن کا تعلق ہے وہ بھی ایسی حکومت کے خواہاں تھے جو ہندو اور مسلمانوں کے اشتراک سے وجود میں آئے، اسی لئے انہوں نے تحریک آزادی میں ہندو بلکہ سکھوں کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

کچھ شبہ نہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہندو) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لئے مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں (ہندو مسلمان) کے اتفاق و اتحاد کو بہت مفید اور منتج سمجھتا ہوں۔[2]

[1] ایضاً، ص ۱۲، ۱۳

[2] محمد میاں، علمائے حق، حصہ اول مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۹۶

مولوی محمود حسن کو جب حجاز سے گرفتار کر کے مصر لایا گیا تو تفتیش کرنے والے ایک انگریز کے سوالات کے جو جوابات آپ نے دیے اور جو مولوی حسین احمد نے نقل کئے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے :-

۱۔ ریشمی خطوط بارے میں مولانا کو کچھ علم نہ تھا۔

۲۔ حکومت برطانیہ کے خلاف کسی سازش میں ملوث نہ تھے۔

۳۔ جمعیت انصار محض مدرسہ دیوبند کے مقاصد کے لئے قائم کی گئی تھی۔

۴۔ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپ ترکی، ایران، افغانستان کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرانا چاہتے تھے اور اس طرح اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے[1]

لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ نے تحریک آزادی میں حصہ لیا صرف مقاصد میں کلام کیا جا سکتا ہے ـــــ مولوی رشید احمد ارشد نے لکھا ہے کہ مولانا کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلم اور سکھ مل کر مطلق آزادی حاصل کریں، ان کے سامنے اسلامی حکومت کا کوئی واضح تصور نہ تھا ـــــ اس لئے ان کے مشن میں سکھ اور انقلابی ہندو شریک تھے[2]

راقم کے محترم و مکرم فرما پروفیسر محمد اسلم صاحب (صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ علماء کے اشتراک عمل کی ایسی پیاری تاویل فرمائی ہے جو مؤرخ کے لئے قابلِ قبول ہو یا نہ ہو ایک صوفی کے لئے ضرور قابل قبول ہوگی، آپ نے فرمایا :-

وحدۃ الوجود پر یقین رکھنے سے کفر و اسلام کی تمیز اٹھ جاتی ہے (نعوذ باللہ) اور اس کا نتیجہ وحدت ادیان کی صورت میں نکلتا ہے (استغفر اللہ)۔
وحدۃ الوجود کا عقیدہ جہاں وحدت ادیان کی طرف لے جاتا ہے وہیں وہ متحدہ قومیت کا بھی درس دیتا ہے۔ (معاذ اللہ) اس کی بہترین مثال جمعیۃ

---

[1] حسین احمد : سفر نامہ شیخ الہند مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۷۲-۷۵

[2] رشید احمد ارشد : بیس بڑے مسلمان، ص ۲۷۶، ۲۹۱

العلماء ہند کے سیاسی موقف کی ہے، جمعیۃ العلماء کی بنیاد دیوبند کے جن بزرگوں نے رکھی تھی ان کی اکثریت سلسلہ چشتیہ کی اس صابریہ شاخ سے وابستہ تھی جس کے سرخیل حضرت عبدالقدوس گنگوہی تھے ـــــ [1]

جمعیۃ العلماء ہند کے بانیوں کا ذہنی اور روحانی تعلق چونکہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے ساتھ تھا اس لئے ان کا حضرت گنگوہی کی تعلیمات اور خیالات سے متاثر ہونا ایک لازمی امر تھا۔[2] جمعیۃ العلماء ہند کے رہنما اپنے شیخ کی اقتداء میں نظریہ وحدۃ الوجود پر ایمان رکھتے تھے اور اس نظریہ پر ایمان رکھنے کا یہ تقاضا تھا کہ وہ ہر طرح کے تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیکولرازم کو اپنا کر ہندو مسلم کا سوال ختم کر دیتے، اس نظریہ وحدۃ الوجود بالواسطہ متحدہ قومیت اور اکھنڈ بھارت کے تصور کو فروغ دیتا ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون !) جمعیۃ العلماء نے تقسیم ہند کی جو مخالفت کی تھی اس کا محرک یہی نظریہ وحدۃ الوجود تھا۔ جمعیۃ العلماء ہند، وحدۃ الوجود کی قائل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے الگ وجود کی قائل نہیں تھی۔ اسی لئے اس نے دو قومی نظریہ کی حامی جماعتوں کی مخالفت کی۔[3]

---

[1] محمد اسلم : حضرت شیخ احمد سرہندی، مطبوعہ لاہور۔ ص ۱

[2] مگر یہ حیرت انگیز تضاد سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حضرات شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمہ کی تعلیمات سے تو اتنے متاثر ہوئے لیکن اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کی تعلیمات سے نہ صرف یہ کہ متاثر نہ ہوئے بلکہ بعض عقائد و نظریات ان کی منشا کے خلاف بھی رکھتے ہیں۔

[3] ایضاً، ص ۱۱   نوٹ :- مولوی حسین احمد نے سفر نامہ شیخ الہند (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء) میں اعتراف کیا ہے کہ اسارت مالٹا کے زمانے میں مولوی محمود حسن کی صحبت میں رہتے ہوئے بھی وہ علم لدنی سے واقف نہ ہو سکے ـــــ چہ جائیکہ حقیقت وحدۃ الوجود سے ! وحدۃ الوجود کی حقیقت اس وقت پائی جا سکتی ہے جب علم لدنی سے کچھ واقفیت و عرفان حاصل ہو   مسعود

پاکستان میں جمعیۃ العلماء ہند کی وکالت اس سے احسن طریقے پر نہیں ہو سکتی۔
—— اگر اس موقف کی وضاحت میں بانیان جمعیۃ العلماء ہند کے ایسے بیانات دیتے جس سے یہ واضح ہوتا کہ واقعی وہ اسی وجہ سے دو قومی نظریہ اور پاکستان کے خلاف تھے، تو مناسب تھا —— وحدۃ الوجود کے قائل تو مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ بھی تھے اور مخالفین ان پر یہاں تک الزام لگاتے ہیں کہ وہ اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے خلاف تھے جو وحدۃ الشہود کے بانی تھے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ بھی دو قومی نظریہ کے خلاف ہوتے مگر آپ نے اور آپ کے خلفاء و فرزندان گرامی اور متبعین نے جس شد و مد کے ساتھ دو قومی نظریہ کا پرچار کیا۔ وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ۱۹۲۵ء میں جمعیۃ العلماء ہند کے رد عمل میں الجمعیۃ العالیۃ المرکزیہ کی بنیاد ڈالی۔ الجمعیۃ العالیہ کی قیادت کو جو بالغ نظری اور بصیرت حاصل تھی اس کی تصدیق تاریخی حادثات و واقعات سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے لئے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے ہندو مسلم سیاست دانوں کے شیش محل کو آن واحد میں توڑ کر رکھ دیا —— اس سے ان کی باکمال سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔
—— لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب قائد اعظم ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے اور یہ فرما رہے تھے:-

"میں طبعی طور پر راسخ کانگرسی ہوں اور کانگرس کی تائید و حمایت میرے لئے باعثِ اطمینان ہے، تو موارا اختلاف کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا"

لہ خدا بخش اظہر، مسلم لیگ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء، صہ ۱۴
یہ بات ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں فرمائی

اس وقت علماء اہل سنت اسلام کی بقاء اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ساعی تھے اور مسلمانوں کو دین اسلام کی طرف بڑی دل سوزی کے ساتھ دعوت دے رہے تھے۔ یہ حقیقت السواد الاعظم کے شماروں کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن جب قائد اعظم نے ہندو کے معاندانہ سلوک اور اسلام کی حقیقت کو پہچانا، اس ماحول میں جہاں علماء اہل سنت نے اسلامی فضا پیدا کر دی تھی تو انہوں نے فرمایا:-

"میرا نصب العین یہ ہے کہ انگریز ہندوستان پر قبضہ رکھنا چاہتا ہے، گاندھی جی مسلمانوں پر مسلط ہونے کے متمنی ہیں، لیکن ہمیں دونوں کی محکومی منظور نہیں، ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ ہم نہ انگریز کی غلامی پر قناعت کر سکتے ہیں نہ ہندو کی غلامی چاہتے ہیں" لہ

قائد اعظم نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۴۰ء میں یہ بات فرمائی —— اور ۱۳ر جنوری ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں فرمایا:-

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں" لہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قائد اعظم نے مسلمانانِ ہند کی موثر رہنمائی فرمائی لیکن یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ علمائے اہل سنت نے ان سے بہت پہلے مسلمانان ہند کو اسلام کی طرف متوجہ کیا، چنانچہ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں پٹنہ کے اجلاس میں، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں رسالہ تدبیر فلاح و نجات و اصلاح کے ذریعہ (جو کلکتہ اور رام پور سے شائع ہوا) اور ۱۹۲۰ء میں رسالہ المحجۃ المؤتمنہ شائع کر کے مسلمانان ہند میں اسلام کا سچا جذبہ پیدا کیا اور یہ فخر بھی علمائے اہل سنت کو

لہ ایضاً، صہ ۱۴
لہ ماہنامہ قومی زبان (کراچی) قائد اعظم نمبر دسمبر ۱۹۷۶ء، صہ ۳۴ (باقی اگلے صفحہ پر)

کے فکر و شعور میں سرایت کر گیا اور اب وہ قائد جس کے متعلق مسٹر گوکھلے[1] نے یہ کہا تھا :

"وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علمبردار بنیں گے"

اسلام کے علمبردار بن کر ابھرے اور دیکھتے دیکھتے پورے ہندوستان پر چھا گئے۔[2]

ایک مرتبہ حیدرآباد سندھ کے ایک جلسے میں مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ "مولانا محمد علی جوہر انگلستان جا رہے تھے (غالباً ۱۹۲۰ء میں) مجھے لکھا کر پورٹ سعید پر ملاقات کر لیں، میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا، گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک منحنی نوجوان سامنے سے گزرا، مولانا محمد علی نے اس جوان کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے

---

[1] مسٹر گوپال کرشن گوکھلے ۱۸۶۶ء میں کولھاپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس بمبئی میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۰۵ء میں انہوں نے خدام ہند (Servants of India) کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ کانگرس کے صدر بھی ہوئے، ۱۹۱۲ء میں افریقہ میں ہندوستانی تارکین وطن پر مظالم کے خلاف مسٹر گاندھی کے ساتھ جدوجہد کی، وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے ۴۹ سال کی عمر میں ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ انتقال کیا۔ (بحوالہ مظفر حسین خاں: "حالات گوکھلے" مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۹ء وسروجنی نائیڈو، گوکھلے من حیث الانسان مترجمہ خورشید علی مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۵ء)

[2] ۱۹۳۶ء میں مولوی اشرف علی تھانوی نے مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا (رسالہ توحید، کراچی مئی، جون ۱۹۴۱ء، ص ۳۵، ۳۲) ——— یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولوی تھانوی نے ۱۹۳۸ء میں اصلاح حال کے لئے ایک وفد قائد اعظم کے پاس پٹنہ روانہ کیا تھا۔ (انوار الحسن: حیات امداد، کراچی) ——— آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۲۶، ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء منعقدہ پٹنہ میں مولانا تھانوی کا ایک بیان مولوی ظفر احمد عثمانی نے پڑھا۔ ۱۹۳۹ء میں مولوی شبیر احمد عثمانی وغیرہ قائد اعظم سے دہلی جاکر ملے اور ایک عرصہ بعد ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اس اجلاس میں زبردست پذیرائی کی گئی اس میں راقم بھی موجود تھا۔ اسی زمانے میں ۱۱ جون ۱۹۴۶ء کو جمعیۃ العلماء اسلام

حاصل ہے کہ ابھی علامہ اقبال اور قائد اعظم تقسیم ہند کے تصور کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے تھے کہ ۱۹۲۵ء میں محمد عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمۃ نے تقسیم ہند کا تصور پیش کیا اور اس سلسلے میں تفصیلی تجاویز سامنے رکھیں جن کا ذکر آگے آتا ہے، راقم کے خیال میں انہیں تجاویز نے علامہ اقبال کو ۱۹۳۰ء میں تقسیم ہند کا تصور پیش کرنے پر آمادہ کیا پھر اسی تصور کو سامنے رکھ کر ۱۹۴۰ء میں قائد اعظم نے تصور پاکستان پیش کیا۔

قائد اعظم کوئی مذہبی عالم اور صوفی نہ تھے، جس ماحول میں انہوں نے پرورش پائی اس کا تقاضا تھا کہ وہ ابتدائی مرحلے میں ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشش کریں چنانچہ وہ کانگرس میں شریک ہوئے اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے بھرپور کوشش کی لیکن رفتہ رفتہ جب انہوں نے ہنود کے "ہندی مزاج" اور مسلمانان ہند کے "اسلامی مزاج" کو سمجھا تو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کی پھر علامہ اقبال کے طفیل "اسلامی مزاج" کے اور قریب آئے تو اسلامی فکر کا وہ دھارا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ[1] (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)، حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی[2] اور دوسرے علماء حق سے منتقل ہو کر اقبال تک پہنچا تھا، قائد اعظم

بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳

---

[3] فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں ذبیحہ گائے کے مسئلے پر انفس الفکر فی قربان البقر کے عنوان سے اپنا تاریخی فتویٰ جاری فرمایا۔ اس کی ایک حیثیت گو مذہبی ہے مگر دوسری حیثیت سراسر سیاسی ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء ہی سے فرما دیا تھا۔ مسعود

[1] فکر اقبال پر حضرت مجدد الف ثانی کے اثرات، ایک اہم موضوع ہے، راقم نے اپنے تحقیقی مقالے سیرت مجدد الف ثانی کے ایک باب میں اس کا جائزہ لیا ہے یہ مقالہ عنقریب کراچی سے شائع ہونے والا ہے۔ مسعود

[2] علامہ اقبال نے علی گڑھ کی ایک مجلس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی فضیلت علمی کا برملا اعتراف فرمایا تھا (مقالات یوم رضا، حصہ سوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، مضمون فاضل بریلوی اور علامہ اقبال" از عابد احمد علی ص ۱۰) اور قرائن اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کے زمانے میں علامہ ہی کے ایماء سے مولانا احمد رضا خاں سے فتویٰ لیا گیا۔

فرمایا اگر اس کے دل میں مسلمانوں کی محبت پیدا ہو جائے تو ایمان کے لئے کوئی کام کر جائے گا ـــــ یہ جوان قائداعظم محمد علی جناح تھے ـــــ مولانا محمد علی جوہر نے جو پیش گوئی فرمائی تھی، وہ صحیح ثابت ہوئی ـــــ

بے شک قائداعظم نے مسلمانوں کے لئے بے مثال خدمات انجام دیں، مگر اس کے علاوہ پر یہ غور کرنا ہے کہ وہ کونسی قوت تھی جس نے اسلام کے لئے ہندوستان کی فضا کو اتنا سازگار کیا کہ جب انہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام اور پاکستان کا نام لیا تو پورا ہندوستان لپک پڑا ـــــ ظاہر ہے اتنی عظیم تبدیلی اچانک نہیں ہو سکتی جبکہ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ماضی قریب میں وہ کچھ ہو چکا تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ـــــ زیادہ گہرائی میں جائیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ علمائے اہل سنت ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ اسلامی کو تازہ رکھا اور برصغیر میں اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہو سکا۔ اس میں شک نہیں دوسرے علماء نے بھی اسلام کی خدمت کی مگر اس کی نوعیت قطعاً مختلف تھی۔[۵] ـــــ بہرکیف قائداعظم نے اسلام

بقیہ حاشیہ ۱۳۵ کا دوسرا اجلاس انجمن حمایت اسلام کے دفتر میں ہوا جس میں مولوی شبیر احمد عثمانی، فاضل بریلوی کے خلیفہ مولوی محمد برہان الحق جبل پوری، اور حسین شہید سہروردی وغیرہ شریک تھے۔ (بحوالہ مکتوب مولانا حامد علی قریشی سکرٹری جنرل آل انڈیا مسلم لیگ، محررہ ۲۹ اپریل ۱۹۷۴ء)

[۵] مولانا شبیر احمد عثمانی تقریباً ۳۰ سال جمعیۃ العلماء ہند میں شریک رہے، پھر چند برس سیاست سے کنارہ کش رہے لیکن آخر میں غالباً ۱۹۴۵ء میں پھر سیاست میں آئے اور تحریک پاکستان کی حمایت کی، ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو اس حمایت سے باز رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل علماء ـــــ ان کے دولت کدے پر آئے:

(۱) مولوی حسین احمد (صدر جمعیۃ العلماء ہند) (۲) مفتی کفایت اللہ (سابق صدر جمعیۃ العلماء ہند) (۳) مولوی حفظ الرحمن (ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند) (۴) مولوی احمد سعید (سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند) (باقی اگلے صفحہ پر)

کی بے پناہ قوت اور "دانش نورانی" سے مسٹر گاندھی کی "دانش برہانی" کو شکست دی اور اب ایک قومی نظریہ کی جگہ دو قومی نظریہ آب و تاب سے جلوہ گر ہوا اور معلوم ہو گیا کہ ہماری اور ان کی راہوں میں "بعد المشرقین" تھا۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۳۶

اس موقع پر مولوی حفظ الرحمن نے یہ الزام لگایا کہ مولوی شبیر احمد عثمانی جس جمعیۃ العلماء اسلام سے وابستہ ہیں وہ انگریز کے ایماء پر بنائی گئی ہے اس سلسلے میں مولانا نے حقائق و شواہد بھی پیش کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اس کے جواب میں مولانا عثمانی نے اتنا فرمایا:

"جو روایت آپ نے بیان کی میں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب، ممکن ہے آپ صحیح کہتے ہوں" (مکالمۃ الصدرین، ص ۸)

پھر آگے چل کر اپنے لئے یہ صراحت فرمائی:

میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے۔ (مکالمۃ الصدرین، ص ۹)

مارچ ۱۹۷۶ء میں ماہنامہ الرشید (لاہور) کا دار العلوم دیوبند نمبر شائع ہوا، جو تقریباً ۹۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۷۰ مضامین و مقالات ہیں، مگر ایک مضمون بھی "دار العلوم دیوبند اور تحریک پاکستان" کے عنوان پر نہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماسوائے چند ایک علماء کے مسلک دیوبند کا مجموعی کردار پاکستان کے خلاف ہی رہا ـــــ میاں عبدالرشید نے اپنی انگریزی تصنیف "برصغیر پاک و ہند میں اسلام" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء) میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے ـــــ (مسعود)

بُعدالمشرقین

ایک قومی نظریہ	دو قومی نظریہ
(۱)	(۱)
ایک ملک : ہندوستان	(ا) ایک ملک : پاکستان (جہاں کافرو مسلمان امن وامان سے زندگی گزار سکے) (ب) دوسرا ملک ہندوستان
(۲)	(۲)
ایک قوم : ہندوستانی	(ا) ایک قوم : مسلم (وہ قوم جو وطن بنایا کرتی ہے، وطن سے بنا نہیں کرتی) (ب) دوسری قوم : ہندو
(۳)	(۳)
ایک زبان : ہندی بخط ناگری	(ا) ایک زبان : اردو بخط نسخ یا نستعلیق (وہ زبان جو ہندوستان کی ساری قوموں نے ملکر بنائی اور جو آج پاک وہند کی عوامی زبان ہے) (ب) دوسری زبان : ہندی بخط ناگری
(۴)	(۴)
ایک مذہب : مجموعہ مذاہب ہندومت	(ا) ایک مذہب : اسلام (وہ مذہب جو نفرت کے بجائے محبت کا سبق سکھاتا ہے جو ہمیشہ سے ایک ہے اور ایک رہیگا) (ب) دوسرا مذہب : مجموعہ مذاہب ہندومت

ایک قومی نظریہ	دو قومی نظریہ
(۵)	(۵)
ایک تہذیب : مجموعہ تہذیب ہندو تہذیب	(ا) ایک تہذیب : اسلامی (وہ تہذیب جو اسلامی قدروں پر قائم ہو یا جس سے مسلمانی کی بو آتی ہو) (ب) دوسری تہذیب : مجموعہ تہذیب ہندو تہذیب)
(۶)	(۶)
ایک آئین : فلسفہ گاندھی	(ا) ایک آئین : شریعت اسلامی (جس میں اسود واحمر اور کافرو مشرک سب کی سمائی ہے) (ب) دوسرا آئین : فلسفہ گاندھی

وضاحت

ایک قومی نظریہ میں نہ مسلمان کی گنجائش تھی، نہ اردو کی، نہ اسلام کی، نہ اسلامی تہذیب وتمدن کی نہ شریعت اسلامی کی لیکن دو قومی نظریہ میں ہندو کی بھی گنجائش تھی، ہندی کی بھی — ہندومت کی بھی اور ہندو تہذیب وتمدن کی بھی — بنظر انصاف دیکھا جائے تو ایک قومی نظریہ سے دو قومی نظریہ میں زیادہ وسعت و گنجائش تھی، لیکن افسوس اس کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا اور سفید کو سیاہ، سیاہ کو سفید بنا لیا گیا غرض یہ کرنا تھا کہ مسٹر گاندھی نے سیاسی مقاصد کے لئے جو طویل جدوجہد کی اس کے نتائج ان کے حق میں نہ نکل سکے، اور ہندو مسلم اتحاد کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور تقسیم ہند کی تجویز سامنے آئی۔ اس کے مختلف اسباب و وجوہات ہیں :

ان میں سے چند ایک یہ ہیں :-

۱۔ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کی طرف سے ہندو بنگال اور مسلم بنگال کی تقسیم اور پھر ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کی طرف سے اس کی تنسیخ۔
۲۔ مانٹو نے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کیا تو اس کے خلاف ہندو نے احتجاج کیا۔
۳۔ اواخر انیسویں صدی اور پھر اوائل بیسویں صدی میں اردو زبان کے خلاف شورش وسازش اور اس کی جگہ ہندی کو نافذ کرنے کی کوشش۔
۴۔ ۱۹۱۶ء میں کانگرس کا مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنا اور پھر ۱۹۴۰ء میں اپنے قول سے پھر جانا۔
۵۔ ۱۹۱۸ء میں سرسڈنی رولٹ کا مسلمانوں کو فسادات کا ذمہ دار قرار دینا اور ہندوؤں کو اس الزام سے بری کرنا۔
۶۔ گائے کی قربانی کے خلاف تحریک اور فسادات۔ مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے باز رکھنے کی کوشش کرنا۔
۷۔ نہرو رپورٹ میں مسلم فسادات سے اغماض نظر کرنا۔
۸۔ ۱۹۳۰ء میں تقسیم ہند کی تجویز کے خلاف ہنود کا غم و غصہ۔
۹۔ معاشرتی زندگی میں مسلمانوں کے ساتھ ہنود کا ذلت آمیز رویہ۔
۱۰۔ ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیان کانگرس کی وزارتوں کا قائم ہونا اور ان کے چھپے ارادوں کا کھل کر سامنے آنا۔

غالباً ۱۹۱۵ء میں چوہدری[1] رحمت علی نے ہندوستان میں مسلم ریاست کی ضرورت

---

[1] چوہدری رحمت علی ۱۸۹۳ء میں ضلع ہوشیار پور، بھارت میں پیدا ہوئے۔ جالندھر اور لاہور وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ لاہور میں ۱۹۱۵ء میں بزم شبلی قائم کی جس کے افتتاحی اجلاس میں انہوں نے ہندوستان میں اسلامی ریاست کی ضرورت کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے جہاں انہوں

پر زور دیا۔[2] ۱۹۱۷ء میں عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری نے اسٹاکہوم میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی —— لیکن ۱۹۲۵ء میں محمد عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمہ نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کرتے ہوئے نہایت ہی تفصیل سے روشنی ڈالی، یہ تفصیل اس سے قبل کہیں نظر

بقیہ حاشیہ ص ۱۵۰

نے ۸ جنوری ۱۹۳۳ء کو اپنا مشہور کتابچہ NOW OR NEVER شائع کیا جس میں حکومت برطانیہ سے ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست کا باقاعدہ مطالبہ کیا ہے جس کی جغرافیائی حدود موجودہ پاکستان سے کچھ ہی مختلف ہیں، چوہدری رحمت علی نے اس نئی ریاست کا نام، غالباً پہلی بار "پاکستان" تجویز کیا ہے ۱۲ فروری ۱۹۵۱ء کو چوہدری صاحب انگلستان میں انتقال فرما گئے اور کیمبرج یونیورسٹی کے احاطہ میں ان کا جنازہ "امانتاً" دفن کر دیا گیا۔ (ماخوذ از اخبار جنگ (کراچی) یوم پاکستان ایڈیشن ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء)

[2] ۱۹۲۰ء کے بعد ۱۹۲۴ء میں ہندو مہاسبھا لیڈر لالہ لاجپت رائے نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی، ۱۹۲۳ء میں ڈیرہ اسماعیل خان کے سردار محمد گل خان نے، ۱۹۲۵ء میں مولانا محمد علی جوہر نے مسلم کوریڈور کی تجویز پیش کی، ۱۹۲۸ء میں آغا خاں سوم نے ہر صوبہ کی خود مختاری کی تجویز پیش کی۔ مسعود

[3] رئیس احمد جعفری مرحوم اور خواجہ عبدالحمید کمالی (سابق ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی، کراچی) کا خیال ہے کہ یہ تجویز مشہور عالم اہل سنت و جماعت مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی کی تخلیق ہے (ملاحظہ فرمائیں۔ ا۔ اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ب۔ اقبال ریویو، شمارہ جنوری ۱۹۶۲ء) لیکن عبدالمقتدر خاں شروانی مرحوم، پروفیسر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر معین الحق، محمد ضیاء الاسلام وغیرہ کا خیال ہے کہ دراصل یہ تجویز ایک غیر معروف شخص محمد عبدالقدیر بلگرامی کے بھائی قاضی عزیز الدین بلگرامی کی تخلیق ہے چونکہ وہ سرکاری افسر تھے اس لئے اپنے نام سے شائع نہ کر سکتے تھے چنانچہ بھائی کے نام ڈال دیا۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں ا۔ العلم، کراچی، شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۶۸ء، ب۔ الزبیر (بہاولپور) ۱۹۷۰ء ج۔ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، (مقدمہ انگریزی) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء)

نہیں آتی ۔۔۔ عبدالقدیر بدایونی کی تجویز: تقسیم ہند سب سے پہلے ایک رسالے کی صورت میں ۱۹۲۵ء میں نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوئی۔ پھر ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس سے دوبارہ چھپ کر شائع ہوئی۔ رسالہ کا عنوان ہے :-

"ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام"

محمد عبدالقدیر نے جو تجویز پیش کی اس کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ ہندوستان کی تقسیم از سرنو قومیت کی بناء پر اس طرح کی جاوے کہ ہر قوم کے لئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علٰحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقۂ اثر قرار دیا جائے۔ مثلاً مسلمانوں کے لئے حسب ذیل تین صوبہ جات بنائے جا سکتے ہیں :-

(الف) :- صوبہ سرحدی اور مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی، اٹک، جہلم، گجرات، شاہ پور، میاں والی، جھنگ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خاں اور ملتان یکجا کر کے صوبہ بنا دیا جائے۔

(ب) :- بنگال میں بوگرا، رنگ پور، تاج پور، جیسور، ندیا، فرید پور، ڈھاکہ، راجشاہی، پبنا، میمن سنگھ، باقر گنج، نواکھالی، پٹڑا و چٹاگانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنایا جائے۔

(ج) سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنا دیا جائے۔

۲۔ یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصۂ ملک کا نظم و نسق اس کی کثیر التعداد رعایا کے مفاد کے لئے کیا جائے گا۔ [1]

۳۔ قلیل التعداد قوم کی حفاظت اور ادائے مراسم مذہبی و حقوق ملازمت وغیرہ کے لئے قواعد مرتب کئے جاویں [2] ۔۔۔

---

[1] محمد عبدالقدیر: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۱۹۲۵ء، اشاعت دوم۔ صہ ۵۵، ۵۶

[2] ایضاً، صہ ۵۶ ،

۴۔ تبادلہ آبادی کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقۂ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیل سکونت کر سکیں۔

۵۔ کمیشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبہ کے عمل درآمد کے لئے پیش کیا جائے۔ [1]

---

[1] ایضاً، صہ ۵۷

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ

ہندو مسلم اتحاد

پر

کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام

جس میں

ذبح و قربانی کے متعلق نہایت تحقیق کے ساتھ عقلی نقلی اور اقتصادی پہلو سے بحث کرکے یہ
ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان اس شرعی حق سے جو شعائر اللہ میں داخل ہے کسی ملکی مصلحت سے یا
خیالی نفع کی توقع پر دست بردار نہیں ہو سکتے

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

بار دوم

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا

ایک ہزار جلد

(دسمبر ۱۹۲۵ء)

سرورق

"ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام" ۱۹۲۰ء از محمد عبدالقدیر اشاعت دوم ۱۹۲۵ء

ہیں یا ہنود میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی غرض سے مسلمان من حیث القوم ان
لوگوں کو نہ اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں نہ ان کی اس قسم کی قوم فروشی کی حرکات کا
اتباع کرنا چاہتے ہیں۔ اگر "ہندو مسلم اتحاد" کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ ہم
میں سے چند ہندو پرست اصحاب کو منتخب کرکے ان سے حسب دلخواہ کام لیا جائے
اور انھیں کے ہاتھ سے ہمیں ذبح کرایا جائے تو پھر ملکی ہمدردی کے لمبے چوڑے
دعوے فضول ہیں لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کا اتفاق
ہو تو آپ کو افراد کی ذاتی رائے کو چھوڑ کر ہمارے قومی و اسلامی نقطۂ خیال
پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور "لبستان و بدہ" کے اصول پر عمل کرنا ہوگا۔ سب
سے پہلے جس بات کی ضرورت ہم محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مذہب کو
سیاسیات سے بالکل علیحدہ رکھا جائے تاکہ جانبین کے معتقدات ناجائز دخل
اندازی سے محفوظ رہیں۔ علاوہ بریں جو تہوار و رسوم و جلوس آپ کے مخصوصات
میں سے ہیں ان میں قطعاً مسلمانوں کو شریک نہ کیا جائے نہ آپ لوگ ہمارے
مذہبی امور میں مخل ہوں بلکہ لکم دینکم ولی دین پر عمل رہے اگر کچھ عرصہ تک ان
باتوں کا لحاظ رکھا جائے گا اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں چاہے وہ
قربانی سے متعلق ہو یا نماز و اذان وغیرہ کی بابت مداخلت نہ کی جائے گی تو اس
کا یہ اثر ہوگا کہ آج جو کش مکش ان دونوں قوموں میں موجود ہے وہ بہت کم
ہو جائے گی اور ملکی معاملات میں دونوں ایک دوسرے کے شریک ہو سکیں
گے۔ یہاں پر میں یہ بھی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مخالفت کی بنا صرف گاؤکشی
ہی نہیں ہے بلکہ اردو ہندی کے جھگڑے، نظام سلطنت میں ہمارے حقوق
کی مزاحمت انتخاب جداگانہ سے انکار، سرکاری ملازمت کی کش مکش وغیرہ وغیرہ
بھی اپنی اپنی جگہ پر اتحاد کے موانع ہیں اس لئے یہ اصول تسلیم کر لینے کے بعد

کہ مذہب کو سیاسیات سے علیحدہ رکھا جائے اور جانبین کے معتقدات سے تعرض نہ کیا جائے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ایک زبردست کمیشن مساوی التعداد ہندو و مسلمانوں کے معتمد علیہ اشخاص کا مقرر کیا جائے جو حسب ذیل اسکیم پر غور کرنے کے بعد ایک قابل قبول اور ممکن العمل فیصلہ کر دے۔

(۱) ہندوستان کی تقسیم از سر نو قومیت کی بنا پر اس طرح کی جائے کہ ہر قوم کے لئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علیحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقہ اثر قرار دیا جائے مثلاً مسلمانوں کے لئے حسب ذیل تین صوبجات بنائے جا سکتے ہیں۔

(الف) صوبہ سرحدی و مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی۔ اٹک۔ جہلم۔ گجرات۔ شاہ پور۔ میانوالی جھنگ۔ مظفر گڑھ۔ ڈیرہ غازی خاں اور ملتان یکجا کر کے ایک صوبہ بنا دیا جائے۔

(ب) بنگال میں بوگرا۔ رنگ پور۔ ناج پور۔ جیسور۔ ندیا۔ فرید پور۔ ڈھاکہ۔ راج شاہی۔ پبنا۔ میمن سنگھ۔ باقر گنج۔ نواکھلی۔ ٹپرا و چٹاگانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنا دیا جائے

(ج) سندھ کو بمبئی پریسیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنا دیا جائے

(۲) یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ ملک کا نظم و نسق اس کے کثیر التعداد رعایا کے

تقسیم ہند کی مفصل تجویز۔ محمد عبدالقدیر کے تاریخی خطوط کا ص ۵۵

مفاد کے لئے کیا جائے گا۔

(۳) قلیل التعداد اقوام کی حفاظت و ادائے مراسم مذہبی و حقوق ملازمت وغیرہ کے لئے قواعد مرتب کئے جاویں اور ان کے لئے قومی سیاسی اہمیت کی بنا پر حسب ضرورت دار الامن قائم کئے جائیں مثلاً پنجاب میں سکھ ایک بااثر قوم ہے لیکن کسی واحد ضلع میں وہ بلحاظ آبادی کے ہنود یا مسلمانوں سے زیادہ نہیں ہے جو اس کا حلقہ اثر بنایا جا سکے۔ اس لئے قومی و پولیٹیکل اہمیت کی بنا پر ان کے لئے ایک دار الامن قائم کیا جائے۔ لودھیانہ و امرتسر اس کے لئے بہت موزوں ہیں ان مقامات کا نظام حکومت سکھوں کے مفاد کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے۔ سیالکوٹ عیسائیوں کا ملجا و ماوی قرار دیا جائے اور ان کو وہاں وہی حقوق دئے جائیں جو سکھوں کو امرتسر و لودھیانہ میں اسی طرح ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں جو اسلامی تمدن کا گہوارہ ہیں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہوگی۔

(۴) تبادلہ آبادی کے لئے سہولتیں بہم پہونچانی چاہئیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقہ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیل سکونت کر سکیں۔

تقسیم ہند کی مفصل تجویز۔ محمد عبدالقدیر کے تاریخی خطوط کا ص ۵۶

(۵) کمیشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں
ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی
مطالبہ کے عمل درآمد کے لئے پیش کیا جائے

(۶) جب وقت تک اس طرح کا معاہدہ نہ ہو جائے
(الف) مسلمانوں کے انتخاب جداگانہ کی مخالفت نہ
کی جائے

(ب) پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نمائندگی
کا تناسب آبادی کی بنا پر قرار دیا جائے۔ جو تناسب
نمائندگی کا کانگریس لیگ اسکیم نے قرار دیا ہے اس
کی رو سے جن صوبوں میں مسلمان بلحاظ آبادی کو زیادہ
ہیں وہاں بھی ان کی میجارٹی نہیں رہی اور جہاں
جہاں قلت تھی وہ بدستور قایم ہے یہ سراسر بے انصافی ہے

(ج) مذہبی مناقشات کے انسداد کے لئے قومی
پنچائتیں قایم کی جائیں جن میں ہندو مسلمانوں کے
نمائندوں کی تعداد مساوی ہو اور ہر قوم کی پنچایت
کے لئے وہی لوگ منتخب کئے جاویں جو درحقیقت
معتمد علیہ ہوں۔

مہاتما جی! اب میں اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ جس
دل سوزی سے میں نے اس کو لکھا ہے آپ اس کی قدر کریں گے
اور اس کو نہایت غور و تامل کے ساتھ اول سے آخر تک پڑھ کر اپنے
خیالات سے اہل ملک کو مطلع فرمائیں گے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ

تقسیم ہند کی مفصل تجویز۔ محمد عبدالقدیر کے تاریخی خط کا صہ ۵۵

جدید مورخین میں مسئلہ تقسیم ہند پر بحث کرتے ہوئے غالباً سب سے پہلے
ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وزیر تعلیم و وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) نے ان
الفاظ میں عبدالقدیر بدایونی کی تجاویز کا ذکر کیا ہے۔

In March and April 1920 the Dhul-Qurnain of Badaun published an open letter from one Muhammad Abdul Qadir Bilgrami to Gandhi advocating partition of the sub-continent, in which he gave even a list of Muslim districts, which is, generally speaking, not too different from the present boundaries of East and West Pakistan [1]

(ترجمہ) مارچ اور اپریل ۱۹۲۰ء میں بدایوں کے اخبار ذوالقرنین نے
ایک صاحب محمد عبدالقدیر بلگرامی کا گاندھی کے نام ایک کھلا خط
شائع کیا تھا جس میں برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس میں
انہوں نے مسلم اضلاع کی فہرست تک دی تھی جو مشرقی و مغربی پاکستان
کی موجودہ سرحدوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی

عام خیال یہی ہے کہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی اور یہ
خیال اتنا جم گیا ہے کہ بغیر ٹھوس دلائل کے اس کے خلاف کہنا مشکل تھا مگر مندرجہ
بالا واضح ثبوت کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے برصغیر کی تقسیم کا تفصیلی
تصور پیش کیا، وہ محمد عبدالقدیر تھا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مسئلہ تقسیم ہند پر مزید
بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

[1] Ishtiaque Husain Qureshi :— The Struggle for Pakistan, Karachi 1974, P. 116.

Muhammad generally credited with initiating the idea of separation. As has been mentioned, there were people before him who advocated partition, but Iqbal was the first important public figure to propound the India from. the platform of the Muslim League's annual session at Allahabad in 1930 at length[1]

ترجمہ :۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ محمد اقبال نے تقسیم کا تصور پیش کیا جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اقبال سے پہلے کچھ لوگ تھے جنھوں نے تقسیم کی تجویز پیش کی۔ ہاں اقبال وہ پہلے عوامی شخص ہیں جنھوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں برصغیر کے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ۔۔۔

محمد عبدالقدیر کا رسالہ "ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام" ۱۹۲۰ء میں اخبار ذوالقرنین (بدایوں) میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں نظامی پریس، بدایوں سے شائع ہوا۔ تیسری بار ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ تقسیم ہند کی تفصیل پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں تیسرے اڈیشن میں شامل کی گئی ہے جو ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا۔ علامہ اقبال کا اس سے غافل رہنا بعید ہے۔ پھر علی گڑھ یونیورسٹی اور اس کے اساتذہ سے علامہ کے گہرے مراسم تھے چنانچہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ سے خصوصی تعلقات تھے، پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم نے اپنی کتاب گنج ہائے گراں مایہ (مطبوعہ حیدرآباد) کے ۴۰ صفحات پر پروفیسر سلیمان اشرف کا ذکر کیا ہے۔ اور علامہ اقبال کے ساتھ ان کی دعوت کا حال بھی لکھا ہے ۔۔۔ ان شواہد و حقائق کے بعد یہ کہنا کہ علامہ اقبال نے یہ رسالہ

---

[1] ایضاً، صہ ۱۱۷

نہیں دیکھا اس سے زیادہ تعجب خیز ہے کہ یہ کہا جائے کہ مطالعہ کیا۔

۱۹۲۰ء میں مولینا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف رسالہ لکھا ۱۹۲۵ء عبدالقدیر بدایونی نے تقسیم ہند کا تصور پیش کیا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اس مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی اور ایک منظم تحریک چلائی جس میں پاک و ہند کے بکثرت علماء نے اہم کردار ادا کیا چند حضرات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی

۲۔ مولانا مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں

۳۔ مولانا مفتی محمد نعیم الدین مرادآبادی

۴۔ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

۵۔ پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف

۶۔ پیر سید مغفور القادری

۷۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری

۸۔ مولانا محمد عبدالحامد بدایونی

۹۔ مولنٰنا عبدالغفور ہزاروی

۱۰۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

۱۱۔ مولانا محمد ابراہیم علی چشتی

۱۲۔ مولانا محمد امین الحسنات پیر مانکی شریف

۱۳۔ مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی

۱۴۔ علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی۔

۱۵۔ شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی

۱۶۔ مولانا غلام قادر اشرفی

۱۷۔ مفتی احمد یار خاں گجراتی

۱۸۔ مولانا محمد احمد مجددی ابن حضرت مفتی محمد مظہراللہ علیہ الرحمہ

۱۹۔ دیوان سید آل رسول علی خاں

۲۰۔ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری

ان حضرات میں صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کی ہستی نہایت ہی ممتاز ہے، تاریخ شاہد ہے، حقائق گواہ ہیں ۔۔۔ اللہ اللہ وہ ہم سے کتنے دور تھے مگر ان کا دل ہمارے لئے تڑپتا تھا، مگر ان کی آنکھیں ہمارے غم میں اشکبار تھیں ۔۔۔ ان کی اپنی تہذیب و ثقافت بھی تھی، ان کے اپنے آثار قدیمہ بھی تھے اور وہ بھی وہ جو عبرت کی نہیں، عظمت کی نشانیاں تھے ۔۔۔ مگر انھوں نے اسلام اور مسلمانوں

کی عظمت وعزت کے آگے کسی کی پروا نہ کی ——— وہ ہمارے لیے ختم ہوگئے!

شمع کی طرح جئیں بزمِ گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کردیں

اللہ اللہ وہ کتنے عظیم تھے! —— وہ کیسے دل والے تھے؟ ——
ہمارے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا —— ہمارے لئے گلشن کو پروان چڑھایا اور جب ہم نے اس گلشن کے پھولوں کو سونگھا تو ایسے مست ہوئے کہ ان کو بھلا دیا۔ —— اور بعض نے اس طرح دیکھا جیسے کسی دشمن کو دیکھتے ہیں، ہائے ہم نے کیا کیا! ۔ لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے

یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

افسوس ہم اپنے بزرگوں اور محسنوں سے بے خبر رہے —— وہ ہمارے لئے سب کچھ کر گئے اور ہم نے ان کو جاننے کی بھی کوشش نہ کی ——— اللہ اللہ احسان فراموشی سی احسان فراموشی ہے! —— باغوں میں اس طرح چہل قدمی کرتے پھر رہے ہیں جیسے یہ ہمیشہ کے لگے ہوئے تھے ——— مگر یہاں تو غول بیابانی کا عمل دخل تھا اور اب دیکھو تو باغ و بہار —— بہار کی وہی قدر کرسکتا ہے جس نے خزاں کا مزہ چکھا ہو —— جس نے بہاروں میں آنکھیں کھولیں، اس کو خزاں کا کیا اندازہ! —— اے بہاروں کی بہار لوٹنے والو! ان کی طرف بھی دیکھو جن کی خزاں نے تمہاری بہاروں کو جنم دیا ہے ؎

دل پہ لیا ہے داغِ عشق کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

احقر محمد مسعود احمد —— پرنسپل
گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھرپارکر
سندھ —— پاکستان

نعرۂ حق

دعوتِ عمل

نعرۂ حق

از

حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، سرپرست السواد الاعظم ۱۹۳۰ء

اسلام: اے پیارے اسلام! اے دل کے مکیں! کشورِ بدن کے سلطان تجھ پر دل فدا، جان قربان — اے میری آنکھ کی ٹھنڈک، میرے آرام جاں، میرے دل کے چین، میرے درد کے درماں، اے میرے محسن، مہربان! — میری کشتی کے محافظ و نگہباں، تو نے میری خستہ حالی میں دست گیری کی، جس مصیبت سے میرے عزیز و اقارب، دوست و احباب، اصول و اجداد، فروع و اولاد، مجھے نہیں بچا سکتے تھے، تو نے بچایا، جہاں میرا مال، میری دولت، میرے اعضاء، میری قوت، میرے کام نہ آسکتے تھے، تو کام آیا — میں بھٹکتا تھا، تو نے راہ دکھائی، میں ڈرتا تھا، تو نے میری کشتی پار لگائی، میں اندھیرے میں ٹکراتا پھر رہا تھا، تو نے روشنی پھیلائی۔

اے حق کے آفتاب! تو نے ناحق رات کے کالے پردے چاک کر کے منہ نکالا — اے نور کے نیرِ اعظم! تو نے ضلالت کی بھیانک تاریکیاں دور کر کے حق و ہدایت کا روزِ روشن دکھایا۔ اے اندھوں کو بینائی دینے والے، گونگوں کو، بہروں کو گویائی و سماعت عطا فرمانے والے! تو نے بگڑی دنیا کو درست کیا، انسان کی کھوئی ہوئی استعدادیں پھر عنایت فرمائیں — تو ہی حقیقتِ حیات، تو ہی کامیاب زندگی ہے۔ میری زبان تیری ثنا سے قاصر، میرا بیان تیری مدح سے کوتاہ ہے، تیرے مرتبے کی بلندی، میرے ادراک کی رسائی سے بہت اونچی ہے۔ میرے دل میں قرار بن کے رہ! میرے جسم میں جان بن کر جلوہ گر ہو! میرے قالب میں تیرے احکام

جاری ہوں، میرے جوارح، تیرے کار گزار رہیں۔

اے ظاہر و باطن کے حسن ! اے زندگی کے مقصود ! دنیا تیرے فیض سے آراستہ ہوئی، مسموم ہواؤں کو تو نے صاف کیا، زہریلے مواد کی تو نے اصلاح کی، امن و امان کی ہوائیں تو نے چلائیں، باطنی امراض اور خلقی بیماریاں تیرے دستِ شفا سے دور ہوئیں۔ تہذیب و تمدن کے پودوں نے تیری نسیم لطف سے تربیت پائی، خداشناسی کے انوار تو نے چمکائے ——— طہارت و پاکیزگی کے اصول تو نے جاری کئے۔ عدل و انصاف کی بنیادیں تو نے مستحکم کیں۔ جذبات فاسدہ کے طوفان خیز سمندر میں تو نے سکون پیدا کیا، حرص و ہوا، شہوت و غضب کے دشمنِ انسانیت درندوں سے تو نے نجات دلائی، مخلوق پرستی کی وبا کا تو نے علاج کیا، مسجدیں تیری بدولت آباد ہوئیں، عبادت خانوں میں تیرے طفیل یادِ الٰہی کے نعرے بلند ہوئے، خانقاہوں میں ذکر کی صدائیں تو نے بلند کرائیں، زاہدوں کے خلوت خانے زہد و تقویٰ کی برکات سے تو نے معمور کئے، ظلم و تعدی کے قلعے تو نے مسمار کئے، سبعیت و بہیمیت کی قیدوں سے تو نے رہائی دی، ملکی صفات تو نے رائج کئے، خاک نشینوں کو افلاک وطنوں پر تو نے فضیلت دی۔ ابلیسی حکومت کو تیری سطوت سے زوال ہوا، قلوب کا نور، ابدان کا مصلح، خاندان کا منتظم، ملک و سلطنت کا عادل و دادگر تو ہے ——— جہاں تیرے فیض سے معمور ہے، دنیا تیرے صدقے سے آباد ہے۔

آہ ! اے محسن ! آج تو اعدا کے نرغے میں ہے، بدنصیب قومیں محسن کشی پر آمادہ ہیں۔ بے دینی و فریب کاری کی چالیں چل رہے ہیں بے قیدی اور فسق و فجور کی تند و تیز باد خزاں تیرے لہلہاتے چمن کو غارت کرنا چاہتی ہے، ضلالت و گمراہی کی بجلی تیرے خرمن صدق و صفا کی تاک میں ہے ——— اے مشفق ناصح ! اے مہربان مصلح ! تیرے پرورده ناسپاسی کر رہے ہیں، ہر بد عقل، بد دماغ تیرا دشمن ہو رہا ہے، دنیا اندھی ہو رہی ہے۔ سیاہ باطن نہیں دیکھتے کہ ان پر تیرے کتنے احسان ہیں اور تیرے وجود سے ان کو کس قدر فائدے ! ——— خدا نہ کرے تیرا

ظلِ حمایت و سایۂ کرم اٹھے تو وہ ہلاک ہو جائیں ——— تیری عداوت اپنی ہلاکت کی دعوت ہے۔ بدقسمت، بدحواس ہو کر اپنے انجام سے غافل ہیں اور تجھے ضرر پہنچانے کی تدبیروں میں رات دن سرگرم ہیں، چاروں طرف بدخواہی کی آندھیاں چل رہی ہیں اور تیرے قدموں سے اپنے سر ٹکرا رہی ہیں۔

اے بہادر ! دشمن تو کبھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے، انہیں دشمنی کرتے صدیاں گزر گئیں، وہ تیری مخالفت کے جوش میں خود برباد ہو گئے۔ ان کے نام و نشان مٹ گئے اور تیری شوکت و اقبال کا پرچم لہراتا رہا۔ اب پھر مخالفت کی گھٹائیں گھر کر آئی ہیں، دشمنوں نے ہر طرف سے حملے شروع کئے ہیں تمام قسم کے اسلحہ اور جنگی سامان سے لیس ہو کر دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں، تیرے بہادروں کے قربان، تیری پیشانی پر شکن نہیں، تو ان فوجوں کو خیال میں نہیں لاتا، مگر رنج و افسوس یہ ہے کہ آج خود تیرے لشکر میں بغاوت شروع ہو گئی ہے، تیری فوجیں دشمنوں سے ساز کر گئی ہیں تیرے سپاہی غدار ہو گئے۔ موافقت کے لباس میں بدخواہیاں کرنے لگے، مسلمان کہلانے والے، اسلامی نام رکھنے والے، اسلام کے دعویدار، اسلام کی بیخ کنی پر تل گئے، یہ سخت خطرہ کا وقت ہے۔

(ماخوذ از ماہنامہ السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء، ص ۲ تا ۴)

دعوتِ عمل

از

(حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، سرپرست السواد الاعظم ۱۹۳۰ء)

لیکن میں عرض کروں گا کہ علماء دین و پیشوایان اسلام اب قدم اٹھائیں، گوشہ تنہائی سے نکلیں، اس لئے نہیں کہ انہیں جاہ ملے یا منصب ملے، اس لئے نہیں کہ حکومت کا مزہ حاصل کریں فقط ـــــ اس لئے کہ دین کی حفاظت ہو، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف پیش ہونے والی تجاویز کو وہ روک سکیں اور مسلمانوں کے مستقبل کو خطرے سے محفوظ رکھ سکیں۔ جو قانون ایک دفعہ پاس ہو جاتا ہے پھر اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر اسمبلی میں علماء کا بھی کوئی عنصر ہوتا تو ساردا کا قانون پاس نہ ہو سکتا اور مسلمانوں کے ممبر پہلے روز بیدار کر دیے جاتے لیکن قانون پاس ہونے کے بعد جو کوششیں کی گئیں وہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ طبقہ علماء کا سیاسیات اور ملکی نظم کی طرف سے اغماض کرنا مسلمانوں کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اس وقت گول میز کانفرنس اجلاس کر رہی ہے، ہندوستان کے لئے دستور حکومت تجویز ہے، ہر فرقے کے نمائندے وہاں پہنچ گئے ہیں، سب نے اپنے اپنے مطالبات کا ایک ایک مسودہ مرتب کر لیا ہے، ہر ایک اپنے مقاصد کا ایک نقشہ نظر کے سامنے رکھتا ہے لیکن ہمیں شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ ہمارے طبقہ علماء نے آج تک اس کی طرف التفات نہ کیا، جو جو مسودے تجویز ہوئے ان پر نظر نہ ڈالی اور یہ نہ دیکھا کہ اسلام اور مسلمین پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے اور اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی فلاح اور مذہب کی حفظ حرمت کے لئے کیا امور ضروری ہیں، جن کا موجودہ تجویزوں میں اضافہ ہونا چاہیئے اور کون چیزیں

قابل احتراز ہیں جن کی مدافعت لازم ہے۔ ہندوستان کا تمام طبقہ علماء اس سرے سے اس سرے تک ساکت و خاموش ہے، انہوں نے اس پر نظر ہی نہیں ڈالی، کیا حیثیت دین سے یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے؟ ـــــ گزشتہ کو چھوڑیئے، آئندہ کے لئے مستعد ہو جایئے اور جلد تر ایک نظر ڈالیئے کہ دنیا کیا کر رہی ہے، مسلمانوں کے مستقبل کے لئے کیا تجویزیں در پیش ہیں، ان کے کیا نتائج ہوں گے، ضروریات کا اقتضا کیا ہے، پہلے جو کچھ رائے ہو اس سے ایک اجتماعی شکل میں اپنے نمائندوں کو باخبر کیجئے، پچھلی غفلت قابل افسوس ہے لیکن ابھی اور غفلت رہی تو کام قبضے سے باہر ہو جائے گا۔ جس طرح ممکن ہو صورت حالات پر اطلاع پانے کے بعد ایک مسودہ تجاویز مرتب کیجئے اور خواہ جلسوں میں یا ڈاک کے ذریعہ سے اس پر دوسرے علماء کی رائیں حاصل کر کے ایک نقشۂ عمل مرتب فرمایئے۔ کونسلوں کی کارروائیوں کو بھی دیکھئے اور ممبران کونسل کو جس امر میں توجہ دلانے کی ضرورت ہو انہیں زور کے ساتھ توجہ دلایئے۔ یہ بھی دیکھئے کہ ڈسٹرکٹ اور پرنسپل بورڈوں میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو جلد سے جلد مستعد ہو جانا چاہیئے اور اگر جماعت علماء اس طرح میدان عمل میں آ گئی تو ان شاء اللہ العزیز اسلام اور مسلمین کی بہت بڑی حمایت ہو سکے گی۔ ستم ہے کہ جاہل، عالم نما عالم بن کر میدان میں آئیں اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکہ دیا جائے اور ان کی خود رائی و نفس پرستی کو علماء کی رائے قرار دیا جائے، اور علماء کا پورا طبقہ کا طبقہ ساکت و خاموش بیٹھا یہ سب دیکھا کرے، نہ اس کے منہ میں زبان ہو، نہ زبان میں حرکت۔ نہ ہاتھ میں قلم، نہ قلم میں جنبش ـــــ اب آپ کا یہ تقاعد، زہد و انکسار کی حد سے گزر کر غفلت و تکاسل کے دائرے میں آ گیا ہے اور اس انداز سکوت سے اسلام و مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہے ہیں۔ اب آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجئے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر یا ایک حلقہ میں درس دے کر یا خلوت خانہ میں فتویٰ لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور بد خواہان اسلام

تخریب کے لئے کیا کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں، یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اٹھئے اور اپنے فرض کو ادا کیجئے۔

(ماخوذ از ماہنامہ السواد الاعظم شمارہ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء صفحہ ۹ تا ۱۶)

السواد الاعظم

سرورق ، ماہنامہ السواد الاعظم ، مرادآباد ، یو۔پی ۔ بھارت

حِسّیات
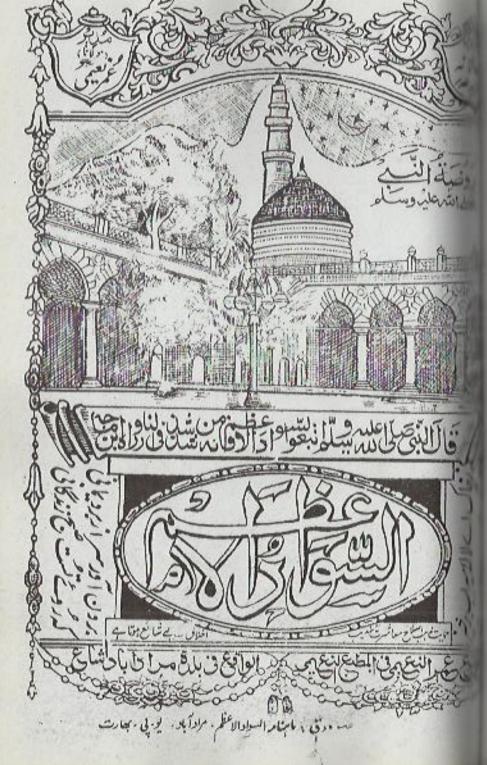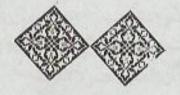
حال کے کسی بھی سیاسی واقعہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے لئے ماضی کی طرف جانا ضروری ہوگا، بغیر اس طرف رخ کئے بات سمجھنی مشکل ہوگی۔ اس لئے حقیقی سیاستداں وہی ہے جو حال سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ ماضی سے بھی باخبر ہو، اس کے دل میں ملک وملت کا درد و سوز ہو۔ وہ واقعات کو جذبات کی روشنی میں نہ دیکھتا ہو، بلکہ متحمل مزاج اور بردبار ہو۔

اس نظر سے جب ہم السواد الاعظم پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سرپرست حضرت صدر الافاضل اور اس کے مدیر حضرت تاج العلماء بے مثال سیاسی بصیرت رکھتے تھے، ایسی بصیرت ان کے معاصر مسلمان قائدین میں بھی ناپید تھی۔ انہوں نے حال کے ساتھ ساتھ ماضی پر نظر رکھی، وہ بہت ہی باخبر، باریک بین نظر آتی اور دور اندیش تھے ۔ آیئے ماضی وحال کے بارے میں ان کے تاثرات کا جائزہ لیں۔

حضرت صدر الافاضل نے السواد الاعظم کے ایک شمارے میں "سال نو" کے عنوان سے ماضی وحال کا جو بصیرت افروز تجزیہ کیا ہے، پڑھنے کے لائق ہے۔ آپ نے مندرجہ بالا عنوان پر مندرجہ ذیل ذیلی عنوانات کے تحت فاضلانہ بحث کی ہے:

۱۔ گزشتہ صدی کے مسلمانوں کا دین۔
۲۔ گزشتہ زمانہ کی دین داری کا غیر قوموں پر اثر۔
۳۔ گزشتہ صدی کے مسلمانوں کی زندگی کا دنیوی رخ۔
۴۔ موجودہ صدی کے مسلمانوں کی دینی حالت۔

۵۔ موجودہ صدی کے مسلمانوں کا دین۔
۶۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا غیر قوموں پر اثر۔
۷۔ موجودہ صدی کے مسلمانوں کی دنیوی حالت [۱]

ان عنوانات ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لکھنے والے کی نگاہ تاریخ وسیاست کے کن کن گوشوں پر ہے ——

ایک جگہ حضرت تاج العلماء نے مسلمانوں کے انحطاط وپستی کا نہایت حکیمانہ تجزیہ کیا ہے اور مندرجہ ذیل نکات کی طرف اشارہ فرمایا ہے :۔

۱۔ جب تک ہمارے پاس تاج وتخت تھا، طبل وعلم تھا، دنیا ہم سے حیلے بہانے اور مکر ودغا کے ساتھ ملک چھینتی رہی۔

۲۔ جب یکے بعد دیگرے اپنی سلطنتیں کھو چکے تو جو مال وزر ہمارے پاس باقی رہ گیا تھا، حریفوں نے اس پر دست اندازی شروع کی، وہ سرمایہ بھی جا چکا اور اب ہم مفلس وقلاش ہوئے۔

۳۔ تو علم وفضل کے جو آثار باقی رہ گئے تھے ان سے بے دخل کرنا ہمارے ستم کار حریفوں نے ضروری سمجھا، ان کو اپنے ہر ارادے میں کامیابی ہوتی گئی اور ہماری غفلتوں کا نہ اترنے والا نشہ ہم کو ہر منصب کے بارے سبکدوش کرتا رہا تا آنکہ ؏ کیسہ تہی شد وچیزے نماند

۴۔ اب ہم ہیں اور ہمارا ایمان، مگر ہمارے دشمن ہم کو اس حالت میں بھی نہیں دیکھ سکتے، انہوں نے ایمان پر بھی ہاتھ ڈال دیا اور اس دولت سے بھی ہم کو محروم کرنا چاہتے ہیں ؎

دل گیا جانے دو، کافر کی ہے ایماں پہ نظر
آنکھ ہیں اپنی مروت ہے، خدا خیر کرے

---

[۱] السواد الاعظم، شمارہ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ

حیف صد حیف کہ اسلام لٹا جاتا ہے
المدد سید ابرار دہائی تیری ! [۱]

ہندو مورخوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرکے ایسا بنا دیا جائے کہ پڑھنے والا نفرت کرنے لگے اور تابناک ماضی نہایت گھناؤنا نظر آنے لگے ——اسی قسم کی ایک کوشش حضرت صدر الافاضل کے ایک معاصر پنڈت شیام لال نے مختصر تاریخ اہل ہند مطبوعہ متھرا میں کی تھی جس کا تعاقب کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل نے تاریخی حقائق وشواہد سے ہندو ذہنیت کو آشکار کیا اور ساتھ ہی تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے ہوئے یہ بے مثال نکتہ بیان فرمایا۔

"دنیا کے مذاہب پر نظر ڈالنے سے اسلام کے سوا اور کوئی مذہب ایسا نہیں معلوم ہوتا جو دریا دلی سے انسانی عزت دے سکے۔ اسلام بے شک اپنے پیروؤں کو بے دریغ عزت دیتا ہے، قومی اور نسلی تفرقوں کو مٹا کر سچی یگانگت اور پر لطف محبت کا مزہ اسلام ہی میں ملتا ہے —— آج ایک شودر اسلام لا کر شیخ کا معزز لقب پا سکتا ہے اور بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کے ساتھ ایک دستر خوان پر بلکہ ایک پیالہ میں کھا سکتا ہے" [۲]

حضرت تاج العلماء اسلام کی حقیقی عظمت سے پوری طرح باخبر تھے ان کو اس کا قوی احساس تھا کہ دشمنان اسلام، اسلام کی بیخ کنی کے لئے کیسے کیسے جتن کر رہے ہیں، چنانچہ ایک جگہ وہ نہایت دل سوزی کے ساتھ اسلام کی زبوں حالی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں :۔

"آپ کو معلوم ہے کہ آج دیار ہند میں غریب الوطن اسلام کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور پردیس میں اس کو کیسی کیسی دشواریاں پیش

---

[۱] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۹ھ صہ ۳
[۲] السواد الاعظم۔ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ صہ ۲۹

آئی ہیں، یہ غریب ہر طرف سے دشمنوں کے سفاکانہ حملوں کا نشانہ بن رہا ہے، ہر فرقہ، ہر گروہ اس کو آزار دینے کے لئے ہر وقت مستعد و تیار ہے جلسوں میں، بازاروں میں، پرچوں ، رسالوں، اخباروں میں ——— ہر طرح، ہر وقت، بے موقع، محل بے محل، اس پر بہتان اٹھائے جاتے ہیں اور اس کی دل آزاری اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا، ایسے ایسے مذاہب جن کو تہذیب و متانت سے کوئی واسطہ نہیں، آج اسلام کے منہ آرہے ہیں ؎

خار اور گل پہ ہنسے ! واہ خدا کی قدرت !
زاغ، بلبل پہ ہنسے ! واہ خدا کی قدرت!

بدقسمتی سے گھر میں بھی ہلچل پڑی ہے، اپنوں نے بے گانگی اختیار کی ہے دوستوں سے بگڑ گئی، یاروں سے چھڑ گئی، عزیزوں نے عداوت شروع کی، برادروں نے دشمنی کی راہ لی ؎

ما زیاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

دکھے ہوئے دل کی بے چین فریادیں جن کا منہ تک رہی تھیں، پریشان دل کے ولولے مچل مچل کر جن کے آغوش محبت پر نظر جمائے ہوئے تھے، جن کو زخم جگر کا مرہم جانا تھا، جو درد دل کی دوا نظر آتے تھے آج وہی غارت گر بنے ہیں، انہوں نے تباہ کرنے پر کمر باندھی ہے، وہی اس غریب الوطن کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں ؎

جن سے امید وفا تھی وہ ستم گر نکلے
موم سمجھے تھے جنہیں ہائے وہ پتھر نکلے!

سحر بلبل حکایت با صبا کرد
کہ عشق روئے گل باما چہا کرد!

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

آپس کے اختلافات اور باہمی جھگڑے، آئے دن ایک نیا مذہب گھڑ لینا، اپنی ڈیڑھ اینٹ کی ساری خدائی بھر سے الگ چننا، پھر اس پر بحث و مباحثہ، جدال و مناظرہ، بدزبانی اور بے فائدہ تکرار سے مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف ڈال کر ان کی دینی اور دنیوی زندگی کو خطرے میں ڈالنا، اشتعال انگیز، شورش افگن الفاظ سے جماعت اسلام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرنا، جنگ و جدل تک نوبتیں پہنچانا، کیسی حوصلہ فرسا اور جاں گزا مصیبت ہے !ؔ[1]

ایک دوسری جگہ حضرت تاج العلماء مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستاں سناتے ہوئے کس رقت و درد انگیزی کے ساتھ لکھتے ہیں :-

لیکن زمانے کا رُخ پلٹا، مسلمان کہاں سے کہاں پہنچے، کس اوج سے گرے کس پستی میں آئے، ان میں کیسے کیسے عظیم الشان انقلاب رونما ہوئے، حرص مال بڑھی، طمع زیادہ ہوئی، اور دولت گھٹی گویا یہ مشکل پیش آئی کہ بھوک بڑھ کر جوع البقر یا جوع الکلب پیدا ہوئی اور خوراک کے ذرائع بجلی سے غارت ہو گئے، فصل ماری گئی، دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے، اب حرص کے بھوکے مال کی ہائے ہائے کرتے پھرتے ہیں مگر دولت کا نام و نشان نہیں، غناء قلبی کی نعمت جاتی رہی اور حرص و ہوس وبال و عذاب بن گئی جس کے لئے طرح طرح کی رسوائیاں اور ذلتیں بخوشی گوارا کرنے لگے، چلن بگڑ گئے، معاشرت خراب ہو گئی، سرمائے ناکافی ہونے لگے، ضرورتوں نے حد سے باہر قدم نکالے، اور اس کا انجام جو ہونا تھا، ہوا، پھر آنکھ نہیں کھلی، ہوش

---

[1] السواد الاعظم، جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ صد ۳ تا ۱۱

درست نہیں ہوا، پھسل کر گر تو پڑے مگر سمجھ نہ آئی کہ کس چیز نے پھسلایا ہے؟ —— حالت تو ابتر ہو گئی، اعتبار تو جاتا رہا، دنیا میں بدنامی و بے اعتباری تو ہو گئی، ہر شخص کی نگاہ میں خوار تو ہو گئے، مگر یہ نہ سوچا کہ ہم میں کیا فرق آیا؟ —— ہم نے کیا گناہ کیا؟ —— ہمارا کونسا طرزِ عمل ایسا ناقص ہوا کہ ہماری عزت، ذلت سے اور راحت، تکلیف سے بدل گئی۔ —— پچھلے مسلمانوں کے طریقِ زندگی سے ہمارا طرزِ حیات کتنا دور ہو گیا اور ان کی راہ سے کس قدر ہم ہٹ گئے —— ؟ یہ سوچ لیتے تو پھر اس منزل پر آجاتے، پھر ضائع شدہ دولتیں مل جائیں، پھر اٹھا ہوا اقبال بخافت کرتا، پھر کھویا ہوا اعتبار واپس آتا۔ [1]

ان زوال پذیر حالات میں اہلِ سنت کی بے حسی کو دیکھ دیکھ کر حضرت تاج العلماء کو اور افسوس ہوتا تھا چنانچہ بار بار اہلِ سنت کو بیدار کرنے کی کوشش فرمائی، اور دوسروں کی مثالیں دے دے کر غیرت دلائی —— چنانچہ ایک جگہ ہمت افزائی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

پھر سب کے ملے اہلِ سنت پر کیوں کہ یہی بڑا گروہ ہے، اس کے پاس عظیم سرمایہ ہے۔ اس وقت بھی الحمد للہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کے مجموعوں سے اہلِ سنت ہی تعداد میں زیادہ اور بہت زیادہ ہیں، جو کوئی حملہ آور ہوتا ہے، انہیں پر، مگر افسوس یہ خواب غفلت میں سرشار اور بے خبر ہیں غنیم سر پر آگیا اور خبر نہیں، قافلہ لوٹ لیا گیا اور ابھی تک بیدار نہ ہوئے آجکل وہ ترقی کا زمانہ کہ ہر فرقہ، ہر گروہ، ہر مذہب، ترقی کے میدان میں نعرے بلند کر رہا ہے، ہر ایک کے یہاں آل انڈیا کانفرنس قائم ہو رہی ہے، ہر ایک اپنی بہبودی اور اشاعت کے ذرائع سوچتا ہے اور

---

[1] السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۵۱ھ صہ ۱۴، ۱۵

عمل میں لاتا ہے۔ کبھی آریوں کا گرو کل ملاحظہ فرمائیے، کس جوش سے انھوں نے اس میں شرکت کی، اپنی جان و مال، اولاد آبرو، سب اس پر نثار کر دیے اور اسی کو اپنے لئے سب کچھ سمجھ لیا، غرض ہر ایک اپنی کوشش میں سرگرم ہے۔ مگر افسوس کہ اہلِ سنت کی آرام و راحت والی رات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ان کی صبح ابھی نہیں چمکی، ان کی قسمت کا ستارہ اب تک اوج پر نہیں آیا، یہ آج تک اسی غفلت میں ہیں [1]

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت صدر الافاضل اور حضرت تاج العلماء مسلمانوں کے عروج و زوال، ہندوستان میں ان کی غفلت و بے حسی خصوصاً اہلِ سنت کی بے حسی کا شدید احساس رکھتے تھے، وہ یہ مشن لے کر اٹھے تھے کہ سوادِ اعظم کو خواب غفلت سے جگانا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ ملی ترقی کیلئے قومی خصوصیات کا تحفظ ضروری ہے۔ آزادی اسی وقت حاصل ہو سکتی تھی جب ہر فرد میں یہ احساس پوری شدت سے موجزن ہو چنانچہ حضرت صدر الافاضل کے پیر و مرشد حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمہ نے ۱۹۱۸ء میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی، یہ وہ وقت تھا جب کہ مسلمان قائدین آزادی، تحریکِ آزادی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ نہایت حکیمانہ اور مومنانہ ہے یہاں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :۔

۱۔ انگریزی مدارس جس مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں، ان سے وہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے، دوسرے مقاصد مثلاً اسلامی عقائد، اسلامی محبت مودت اسلامی، اخوت اسلامی، طرزِ معاملت و معاشرت کا نمونہ نہیں بن سکتے۔ [2]

---

[1] السواد الاعظم، جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ صہ ۱۱

[2] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ صہ ۴

۲۔ مسلمانوں کی تباہی کا یہ بہت بڑا سبب ہے کہ وہ مذہبی علوم سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے اپنی خصوصیات کو محفوظ نہ رکھ سکے اور اپنی قومی وملی زندگی کو انھوں نے خود تباہ کر لیا، دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے قومی خصائص کو محفوظ رکھتی ہیں اور اسی میں ان کی زندگی ہے [1]

۳۔ اردو ہندوستان کی عام زبان ہے، ہندو اور مسلمان اس میں برابر کے شریک ہیں اور حصہ دار ہیں لیکن آج ہندو اپنی ترقی کے دور میں اس کو مٹا ڈالنے کے لئے کیسی جانکاہ کوششیں کر رہے ہیں اور ایک مردہ زبان کو جو ان کی قومی یا مذہبی زبان ہے، رواج دینے اور زندہ کرنے کے لئے کیسی جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ قومی خصوصیات کا تحفظ ترقی کے لئے شرط اول ہے۔ [2]

۴۔ علوم دینیہ سے تعلق ہوگا تو آپ ان مقاصد کی طرف چل پڑیں گے جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں، جب ان پھولوں کی خوشبو آپ میں بس جائیگی تو آپ کے پسینہ کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرما دے گا، آپ کے افعال و اعمال اور طریقۂ زندگی میں، اسلام کے جلوے نمودار ہوں گے [3]

۵۔ آپ شریعت طاہرہ کے ہاتھ میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام دیجئے، کسب معاش اور مصارف میں اس کی منشاء کے مطابق عمل کیجئے، پھر دیکھئے آپ کے مشکلات کافور ہوتے جاتے ہیں اور آپ کی باہمی محبت وارتباط میں ایسا ارتباط حاصل ہوتا ہے جس سے زندگی کا لطف آجائے [4]

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ صـ ۵

[2] ایضاً صـ ۵

[3] ایضاً، صـ ۸

[4] ایضاً، صـ ۹

۔ اپنے نفس کافر کیش کو مغلوب کریں، اس کو اسلام کا مطیع و فرماں بردار بنائیں، اگر آج اس پر قدرت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان بنا لیجئے تو آپ دوسروں کو کیا مسلمان بنا سکیں گے اگر آج اپنے نفس کافر کو مغلوب نہیں کر سکتے تو دوسرے کفار پر غلبہ حاصل کرنا کہاں تک قرین قیاس ہے ؟ [1]

۷۔ تم مسلمان بنو، جہان تمہارے سامنے سرافگندہ ہوگا، دنیا میں تمہاری شوکت کے پھریرے لہرائیں گے۔ تمہاری عزت واقبال کی صداؤں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھے گا، تمہاری کھوئی ہوئی دولت پھر واپس مل جائیگی تمہارا گیا وقت پھر لوٹ آئے گا تمہاری مردہ سطوت پھر جی اٹھے گی۔ مسلمان بنو پکے مسلمان! [2]

مندرجہ بالا تمام افکار و خیالات قومی تعمیر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ حضرت صدر الافاضل نے مسلمان قائدین پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

جب تک یہ لیڈر دین سے اجنبی اور مذہب سے ناآشنا رہیں گے اس وقت تک کامیابی کی شکل نظر نہیں آسکتی، ہر قوم اپنی خصوصیات و امتیازات کی حمایت وحفاظت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیتی ہے اور اسی میں اس کی بقا اور ترقی کا راز مضمر ہے [3]

یہ جو کچھ کہا محض نظری نہیں بلکہ عملی زندگی سے اس کا پورا پورا تعلق ہے —— دین ومذہب سے آشنا ہو تو وہ ملک وملت کیلئے وہ اخلاص پیدا ہوتا ہے جس کا تصور بھی انسان نہیں کر سکتا —— یہاں ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ دین دار طبقہ دنیاداری کے مقابلے میں کتنا مخلص تھا ——

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ صـ ۱۰

[2] ایضاً

[3] السواد الاعظم، ذیقعدہ و ذوی الحجہ ۱۳۴۷ھ صـ ۲

جب ساردا بل پیش ہوا تو علماء حق نے اس کی مخالفت فرمائی، اس پر خواجہ
حسن نظامی نے طنز کیا کہ "خود غرض ملا لالچ سے اس قانون کی مخالفت کرتے ہیں" ؎

۱؎ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۴۸ھ صـ ۲۳

نوٹ :۔ طبقۂ علماء کی نااہلی سیاسی حلقوں میں اب تک سنی جاتی ہے، اس
فکر کی بنیاد اس وقت پڑی تھی جب اسلام، کفر کے مقابلے میں برسرِ پیکار تھا ——
اس سے اس کی حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارا طرزِ عمل عجیب ہے جب مولویوں کی باتیں غیر مسلم لیڈروں کی زبانی سنتے ہیں
تو اس کی تعریف بھی کرتے ہیں اور تقلید بھی۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں ہندوستان کے وزیرِ اعظم
مسٹر مرارجی ڈیسائی نے غیر جانب دار ملکوں کے ایک بین الاقوامی اجلاس سے خطاب
کرتے ہوئے دہلی میں کہا کہ اگر ہم روحانی اور اخلاقی طور پر بلند ہو کر غیر کے خوف کو دل
سے نکال دیں، اور حاجت مندی سے بے نیاز ہو کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں، تو شاید ہم
دنیا کے ان ملکوں کی رہنمائی کر سکیں جو دولت اور اسلحہ کے اعتبار سے ہم سے زیادہ دولت مند
اور طاقت ور ہیں۔"

علماء ایک عرصہ سے یہی کہتے چلے آئے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، یہ اسلام کا
چودہ سو (۱۴۰۰) برس پرانا سبق ہے جس کو ہم نے اپنی پست ہمتی اور مولویوں سے بدگمانی کی بناء
پر چھوڑ دیا لیکن دنیا کے بڑے بڑے ملک ان اصولوں کو اپنا کر فلاح پا رہے ہیں۔
یہ ایک المیہ ہے کہ ہم وزنی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، وزنی انسانوں کی
طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وزن بھی محض مادی —— تعجب ہے وہ شخص جس کے دل
میں صرف خدا کا خوف ہے اور غیر کے خوف سے بے نیاز ہے، جس کا دل حرص و ہوا سے
پاک ہے جو فقر و فاقہ میں بھی ملی تشخص کو برقرار رکھتا ہے اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ امورِ
مملکت میں شریکِ کار ہو سکے اور اس کے مقابلے وہ شخص جو روحانی اور اخلاقی اعتبار سے
اس سے پست ہے اس قابل سمجھا جاتا ہے —— یہ اندازِ فکر عجائباتِ عالم میں
ایک عجوبہ ہے۔

مسعود

یعنی بل پاس نہیں ہوگا تو ابتدائی عمر میں ہونے والی شادیوں کے جھگڑوں کو نمٹانے
کے لئے فتوے آئیں گے اور اس سے مفتیوں کو مادی فوائد ہوں گے ——
حضرت صدر الافاضل نے اس طنز کا تعاقب کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔
"علماء کو شاید خواجہ صاحب نے اپنے اوپر قیاس کر لیا ہے اور معلوم نہیں
کہ علماء کے طرزِ عمل سے آپ اس قدر ناواقف کیوں ہیں؟ آپ کو خبر
نہیں کہ مسائل بتانے اور فتوے لکھنے پر علماء دین کوئی معاوضہ نہیں لیتے؟
—— غریب سے غریب نادار سے نادار عالم بھی یہ حمیت اپنے دل میں رکھتا
ہے کہ عمر بھر مسائل بتاتا ہے، فتوے لکھتا ہے اور کبھی معاوضہ طلب کرنے
کا وہم بھی اس کے دل میں نہیں آتا" ؎

دین داروں کے اخلاص کا عالم دیکھ چکے اب دنیا داروں کی خود غرضیوں کا بھی
عالم دیکھئے —— حضرت صدر الافاضل نے انتخابات کے وقت امیدواروں کی
سرگردانی و حیرانی و پریشانی، خود غرضی و چاپلوسی کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:
"انتخابات کے وقت ان حضرات کی وارفتگی و سراسیمگی قابلِ دید ہوتی ہے۔
ملت کے لئے، قوم کے لئے، اپنے اعزہ و اقارب کے لئے اس کا ہزارواں
درجہ بھی محنت و کوشش نہ ہوگی جو ووٹ حاصل کرنے کے لئے کی جاتی
ہے، ہر شخص کی خوشامد ہے، سفارشیں لائی جا رہی ہیں، روپے صرف کر
رہے ہیں، رات دن دوڑے پھر رہے ہیں، مقابل اگر کوئی دوست ہے تو
پاس دوستی نہیں، اگر کوئی عزیز ہے تو پروائے قرابت نہیں، خانۂ مروت
کو پہلے ہی آگ لگا دی جاتی ہے، اس بات پر نظر نہیں کہ دوسرا مجھ سے زیادہ
لائق ہے، زیادہ تجربہ کار ہے، کام کا زیادہ اہل ہے، قوم کو اس سے نفع
پہنچنے کی امید ہے اس لئے اس کے واسطے جگہ خالی کر دیں، یہ کہاں؟
—— پمفلٹ بازی ہوتی ہے اور واقعی اور غیر واقعی معائب کے طومار
شائع کر کے ایک عزت دار آدمی کو مطعون کیا جاتا ہے، حرصِ جاہ کا یہ جوش

۱؎ ایضاً، صـ ۲۳

داست بازی وراست پسندی اور انسانی شرافت کو فنا کر دیتا ہے اور آدمی
دوسروں کی خوبیوں سے دیدہ دانستہ منکر ہو کر خود ستائی کرتا پھرتا ہے۔
کرایہ کے مداح تلاش کئے جاتے ہیں ۔ ایسے حضرت کسی کی عزو جاہ کو دیکھ
سکیں ، کسی کی خوبی کا اعتراف کریں ، ایسی امید رکھنا ان سے عبث ہے
—— طبقۂ علماء کی نسبت تو انہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ یہ سیاسیات
سے محض نابلد ہیں ، اور ان کو نظم و نسق کے کسی کام میں دخل دینا بھی نہ چاہیے ۔
یہ بھی اس جذبۂ حرص و آز اور شوق جاہ کا ایک چٹکلہ ہے کہ علم و فضل والا
طبقہ اگر اس طرف متوجہ ہو گیا تو بہت سی نشستیں لے جائے گا اور یاروں کو ان
کے لئے کرسیاں کم رہ جائیں گی ۔ طبقۂ علماء میں جو علمی دقائق کو حل کرنے میں
مشاق ہے اور جس کا دماغ بہترین معلومات سے روشن ہو رہا ہے اگر وہ
دنیوی انتظام کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے تو بے کوفت و کلفت
ان سے بدرجہا بہتر کام انجام دے سکتا ہے ۔ مگر وہ طبقہ انکسار ، تواضع ،
ایثار کا عادی ہے ، خود نمائی اور جاہ طلبی سے متنفر ہے اس لئے کبھی اس
میدان میں قدم نہیں رکھتا ۔[1]

مندرجہ بالا اقتباس میں اہل ظاہر اور اہل باطن کے سیاسی طرز عمل کو کس مؤرخانہ
دیانت داری اور حقیقت پسندانہ انداز میں بیان فرمایا ہے —— علماء اہل سنت
اور قائد اعظم علیہ الرحمہ شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لئے اسی وجہ سے کوشاں رہے کہ
اس سے دنیا و دین دونوں سنور جاتے ہیں ، اور اسی مقصد عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے
حصول پاکستان کے لئے انتھک جدوجہد کی اور بالآخر اس مقصد کو حاصل کیا
لیکن جس نظریہ کے تحت اس کو حاصل کیا گیا تھا اس کی چنداں حفاظت نہ کی گئی ،
حالانکہ نظریاتی مملکتوں میں نظریہ کی حفاظت اور نشو و نما اساسی حیثیت رکھتی ہے ۔

---

[1] السواد الاعظم ، رجب المرجب ۱۳۴۹ھ صفحہ ۱۵ ، ۱۰

اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر الافاضل تحریر فرماتے ہیں :-
شریعت اسلامیہ حقہ کی تدوین اور اس کا نظام ایک عجیب و غریب
نعمت ہے اور نہایت مستحکم و استوار ہے ۔ کسی دولت سے متمتع اور
بہرہ یاب ہونے کے لئے نظم و ترتیب کے ساتھ اس کی خدمت کرنا
ضروری ہے ۔[1]

---

[1] السواد الاعظم ، شمارہ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ صفحہ ۸۱

صدر الافاضل کے مجوزہ اسلامی دستور کے گیارہ دفعات

سنہ ۱۹۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ من تولاہ

پاکستان

تعریف: آل انڈیا سنی کانفرنس کی تصریحات کے مطابق پاکستان سے وہ آزاد اسلامی حکومت مراد ہے جو ہندوستان کے اندر شریعت طاہرہ کے مطابق فقہی اصول پر قائم کی جائیگی

۱۔ اس حکومت کا سربراہ ایک سنی امیر ہوگا۔

۲۔ اس امیر کو مسلمانان اہل سنت کی اکثریت منتخب کرے گی۔

۳۔ وہ امیر دیندار اور مدبر اہل اسلام کی ایک جماعت کو شوریٰ کے لیے منتخب کریگا۔

۴۔ جماعت شوریٰ امیر کے ماتحت ہوگی۔

۵۔ جماعت شوریٰ کی تجاویز، امیر کی منظوری کے بعد مکمل سمجھی جائیں گی۔

۶۔ امیر، جماعت شوریٰ کے مشورہ سے ایک وزیر اعظم کا انتخاب کریگا

۷۔ یہ وزیر جملہ امور داخلہ و خارجہ کے نظم و نگرانی کا کفیل ہوگا

۸۔ وزیر اعظم، محکمہ جات سلطنت کیلئے جدا جدا وزیر نامزد کرکے امیر سے منظوری حاصل کریگا

۹۔ امیر کی منظوری کے بعد یہ وزراء اپنے اپنے محکمہ کا کام ہاتھ میں لیں گے اور حسب ضرورت عہدہ دار اور محکمے مقرر کریں گے

۱۰۔ محصولات، شرع کے مطابق فقہ کی رہنمائی سے مقرر کیے جائیں گے۔

۱۱۔ غیر مسلم رعایا کو معاہد بنایا جایا گا اور انہیں امن دیا جائیگا اور ان کے جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہوگی

غلام معین الدین نعیمی:

حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، ص ۱۹۵

سیاسیات

(ز)

تدبیر فلاح ونجات واصلاح

تحریک خلافت اور پھر تحریک ترکِ موالات (۲۰-۱۹۱۹ء) کے دور میں فاضل بریلوی کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا گیا[1] ـــــ یہ دور نہایت جذباتی دور تھا مگر اس پُرآشوب دور میں فاضل بریلوی، صدرالافاضل اور تاج العلماء نے جس سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت کا ثبوت دیا اس کی قدر اگرچہ اس وقت نہ کی گئی ہو مگر آج کا مورخ مجبور ہے کہ ان کی بصیرت و عاقبت اندیشی کو خراج عقیدت پیش کرے۔

۱۱ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ کو مسجد بی جی (بریلی) میں اہل سنت وجماعت کا جلسہ ہوا یہ وہ زمانہ تھا جب فاضل بریلوی صاحب فراش تھے اور اسی سال آپ کا وصال ہوا ـــــ آپ نے قوم کے نام ایک پیغام جاری کیا جس میں آپ نے ترکوں کی مدد، اماکن مقدسہ کی حفاظت اور مخالفین کی سیاسی چالوں کا بڑے بصیرت افروز

---

[1] فاضل بریلوی کی مخالفت میں قادیانی اور حضرات دیوبند پیش پیش تھے چنانچہ اخبار الحکم (قادیان) شمارہ ۲۸ اپریل ۱۹۲۰ء میں فاضل بریلوی کی 'مجددیت' پر حرف گیری کی گئی ہے۔ اس کا جواب السواد الاعظم، شمارہ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ میں تاج العلماء نے دیا ہے۔ (ص ۲۹، ۳۰)

۱۳۳۹ھ میں مرادآباد میں ایک اشتہار شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا:-

"کالا کافر پکا وہابی"۔

اس اشتہار میں فاضل بریلوی پر خوب سب و شتم کیا گیا ہے اور اس طرح سیاسی سطح پر علماء اہلسنت سے ایک جنگ کی بنیاد ڈالی گئی ـــــ یہ اشتہار سہوارہ اور لکھنؤ کے جلسوں میں تقسیم کیا گیا۔ (السواد الاعظم جمادی الآخر ۱۳۳۹ء، ص ۲۱، ۲۲)

اندازمیں ذکر فرمایا ہے اور آخر میں مسلمانوں کو حقیقی فلاح حاصل کرنے کے لئے اپنی ان تجاویز کی طرف متوجہ فرمایا جو آپ بہت پہلے ١٣٣١ھ/١٩١٢ء میں پیش کر چکے تھے۔

اس پیغام کے آخر میں آپ نے فرمایا:-

آٹھ برس ہوتے جب اس جنگ کا نام و گمان بھی نہ تھا، فقیر نے فلاح مسلمین کی چار تدبیریں شائع کی تھیں، امید کہ ان پر غور فرما کر ان کے اجرا میں سعی کریں۔ وباللہ التوفیق والسلام

فقیر احمد رضا خاں قادری عفی عنہ ، ١١ جمادی الآخر ١٣٣٩ھ [1]

جن تدابیر کی طرف فاضل بریلوی نے اشارہ فرمایا ہے وہ بصورت رسالہ بعنوان

(۵) تدبیر فلاح و نجات و اصلاح

فاضل بریلوی کے خلیفہ حاجی محمد لعل خاں نے ١٣٣١ھ/١٩١٢ء میں کلکتہ سے شائع کرایا تھا اس رسالے میں جن چار تدابیر کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پر مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے، وہ یہ ہیں :-

١- ماسوائے ان امور کے جن میں حکومت کی دخل اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصل کریں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازی میں نہ اڑیں۔ [2]

---

[1] السواد الاعظم، جمادی الآخر ١٣٣٩ھ، ص ٢٧، ٢٨

[2] فاضل بریلوی نے اکثر مقامات پر مسلمانانِ ہند کو بچت اور کفایت شعاری کی تلقین فرمائی ہے اس تدبیر کی روح بھی یہی ہے ١٩٣٦ء میں جے۔ ایم کینز (J. M. Keynes) نے اپنا مشہور نظریہ روزگار پیش کیا تھا جس کے صلے میں اس کو تاجِ برطانیہ کی طرف سے "لارڈ" کا خطاب ملا تھا لیکن یہی نظریہ ١٩١٢ء میں حضرت فاضل بریلوی پیش کر چکے تھے، اسی لئے اقبال نے کہا ہے ؎

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

مسعود

٢. مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے نہ خریدیں۔ [1]

٣. بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔ [2]

٤. علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

---

[1] ١٧٩١ء میں امریکی سیاست داں الیگزینڈر ہملٹن (Alexander Hamilton) نے "نظریۂ تامین" پر زور دیا اور آزاد بین الاقوامی تجارت کی مخالفت کی، جرمنی میں فریڈرک لسٹ (Fredrich List) نے 'تامین' کی حمایت کی، مغربی دنیا نے اس نکتے پر دوسری جنگ عظیم کے بعد عمل کر کے حیرت انگیز ترقی کی، مگر فاضل بریلوی نے پہلی جنگ عظیم سے قبل ١٩١٢ء میں 'تامین' کی اہمیت کو مسلمانوں میں روشناس کرایا، اور اس پر زور دیا ــــ دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس، جرمنی، اٹلی کا حال تباہ تھا، روم میں ایک کانفرنس ہوئی اور یورپین مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا جس کے نتیجے میں عالمی منڈی میں جرمنی سکے کے مقابلے میں ڈالر کی قیمت گھٹ گئی اور وہ سکہ، کرنسی بن گیا۔ اس تجربہ سے معاشیات میں ایک نیا تصور "Theory of Economic Integration" قائم ہوا۔ اسی نظریہ کے تحت آر سی ڈی کے نام سے پاکستان، ترکی اور ایران میں معاہدہ ہوا ہے۔ اگر فاضل بریلوی کی ہدایت پر ١٩١٢ء میں عمل کر لیا جاتا تو آج مسلمانوں کی معاشی حالت قطعاً مختلف ہوتی۔ مسعود

[2] فاضل بریلوی کی اس تجویز پر بھی بہت بعد میں عمل ہوا چنانچہ ١٩٤١ء میں بمبئی میں حبیب بینک قائم ہوا۔

نوٹ : پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (ایم ایس کوئنز یونیورسٹی، کینیڈا) نے اپنے ایک فاضلانہ مقالے میں جدید معاشیات کی روشنی میں فاضل بریلوی کی ان معاشی تدابیر کا جائزہ لیا ہے، راقم نے یہ تفصیلات اسی مقالے سے اخذ کی ہیں۔ مسعود

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی مندرجہ بالا اہم تجاویز کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں تاج العلماء نے مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی خوش حالی کے لئے نہایت نفیس تجاویز پیش کیں اور دردمندانہ اپیل کی یہ وہ وقت تھا جب مسلمان سیاسی رہنما مسلمانوں کی معاشی ترقی سے بالکل غافل تھے اور حیرت یہ ہے کہ جو قوم مسلمانوں کی اقتصادی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اس سے وداد و اتحاد کے درپے تھے گویا اپنے عمل سے مسلمانوں کی رہی سہی اقتصادی قوت کو ختم کر رہے تھے اور ان کو خبر تک نہ تھی۔ ایسے نازک حالات میں تاج العلماء نے جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا وہ نہایت ہی حیرت ناک اور تعجب خیز ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو طبقۂ علماء کو ناکارہ سمجھتے ہیں۔

حضرت تاج العلماء، ملت اسلامیہ کو متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

مسلمان ان حالات کا احساس کریں اور جلد تر اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۔ دوسرے تمام مشاغل ترک کر دیں، ذرائع معاش پیدا کریں۔

۲۔ اور بے روزگاروں کے لئے کارآمد تدابیر سوچیں اور عمل میں لائیں۔

۳۔ تمام فضول مصارف قطعاً ترک کر دیں کھیل اور تماشا میں روپیہ ضائع کرنا موقوف، سگرٹ موقوف، چائے موقوف، ہر وہ چیز موقوف جو حاجت سے زائد ہے اور جس کے بغیر زندگی گزارنا دشوار نہیں ہے۔

۴۔ اپنے خرچ آمدنی سے گھٹائیں۔

۵۔ جس طرح ممکن ہو قرض ادا کریں، ایک دوسرے کو ادا و قرض میں مدد دیں یہ اسیروں کی رہائی ہے، مردہ قوم کے لئے جاں بخشی ہے۔

۶۔ اگر تمام دماغ جو مختلف افکار میں آوارہ و پریشاں رہا کرتے ہیں اس طرف متوجہ ہو جائیں اور سارے بہی خواہان قوم مسلمانوں کی حالت درست کرنے میں مصروف عمل ہوں تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمانوں کا شمار بھی زندہ قوموں میں ہو۔

۷۔ ہمیں افسوس ہے مسلمانوں نے بڑے بڑے کام کئے، لیڈروں نے بڑی چلبل مچائی، دنیائے اسلام میں بارہا تلاطم پیدا ہوئے مگر رہنماؤں نے اس مقصد پر زور نہ دیا اور کبھی سرگرم عمل نہ ہوئے، کاش اب بھی احساس کریں![1]

تاج العلماء نے مسلمانوں کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے جو تجاویز پیش کی ہیں قریباً چالیس سال گزرنے کے باوجود آج بھی پاکستان کے مسلمان اس پر عمل کریں تو ان کی مجموعی حالت درست ہو سکتی ہے اور اندرونی اور بیرونی قرضوں کا بار ہلکا ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے بڑے عزم و حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے بہرکیف پاکستان وجود میں آنے کے بعد تاج العلماء کے خواب کی کچھ تو تعبیر نظر آئی۔

جس دور میں تاج العلماء نے یہ تجاویز پیش کی ہیں ہندو مسلم اتحاد کی باتیں ہو رہی تھیں اور جو کچھ ہو رہا تھا اس کے تصور سے روح اسلام کانپتی ہے۔ ان شاء اللہ ہم کسی مناسب جگہ اس المناک صورت حال کی جھلک دکھائیں گے —— ایسے حالات میں ملت اسلامیہ کے علاوہ تشخص کی بات وہی کر سکتا تھا جس کے دل میں اسلام کا درد تھا اور یہ ہمت رکھتا تھا کہ مشرکین ہند کی طرف جھکنے کی بجائے خود ان کو اسلام کی دعوت دیتا۔ ایسے دور میں جب کہ ہمتیں پست ہو گئی تھیں، ایسی ہمت کرنا یقیناً بڑی بات تھی —— آیئے ذرا تاج العلماء کی مسٹر گاندھی کے نام دعوتِ اسلام ملاحظہ کریں۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں جب مسٹر گاندھی نے ہندوؤں سے چھوت چھات ختم کر کے اچھوتوں کو ملانا چاہا تو اس موقع پر تاج العلماء نے بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت دی اور فرمایا :-

اے ہندوؤں کے عالی ہمت، بلند حوصلہ لیڈر! تو نے ایک دیرینہ غلطی کو دور کرنے کے لئے بھوک ہڑتال کی، جو غلطی ہندو قوم کی انسانی حقوق

---

[1] السواد الاعظم۔ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ صہ ۶

کے متعلق تھی تو کیا اے شیر دل بہادر تجھ میں یہ بھی ہمت ہے! یہ بھی حوصلہ ہے کہ تو خداوند عالم سے بغاوت کرنے کی رسم و آئین کو مٹانے کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو؟ —— اگر تو چھوت توڑ کر انسانی حقوق کی پاسداری کے لئے بھوک ہڑتال کر سکتا ہے تو بت پرستی مٹا کر شانِ کبریائی کا حق عبدیت ادا کرنے کے لئے کوئی قربانی تیری تجویز میں ہے؟ —— اگر تو نے سیاسی میدان سے قدم آگے بڑھا کر ہندوستان کے کثیر انسانوں کی روحانی زندگی کی طرف قدم بڑھانے کی تحریک کی تو تیری سعی مبارک ہے، تیرا عمل مقبول ہے، تو واقعی سچا خیر خواہ ہے اور تو ہندوستان کا اصلی محسن ہے۔ [1]

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

تو جس طرح سات کروڑ اچھوتوں کے مذہبی عقیدے کے سامنے سر نیاز جھکا کر انہیں اپنے ساتھ لے سکتا ہے، اس طرح آٹھ کروڑ مسلمانوں کے اعتقاد کے سامنے بھی سر تسلیم خم کر کے اس جماعت کو اپنے میں ضم کر سکتا تھا ہندو دھرم کے اٹل عقیدوں کو توڑ کر اگر بھنگی سے برادری کی جا سکتی ہے تو اسی تدبیر سے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لینا کیا مشکل ہے! توحید کی رسالت کی صدا میں مسلمانوں کی ہم آہنگی کرو تو کیسی اکثریت ہندوستان کی، تمام آبادی تمہارے ساتھ ہے، پھر حکومت کے لئے جو دستور بنے گا اس میں کوئی منازعت کرنے اور جھگڑا اٹھانے والا ہی نہ ہوگا —— اے سیاسی لیڈر! ذرا اور دور بینی سے کام لے کر ایک قدم اور آگے بڑھا، پھر میدان تیرے ہاتھ میں ہے۔ [2]

---

[1] السواد الاعظم، ماہ صفر المظفر ۱۳۵۱ھ ص ۵

[2] ایضاً ص ۶، ۷

تاج العلماء نے مسٹر گاندھی کو جو مخلصانہ دعوت دی وہ دل کی آواز اور وقت کی پکار تھی، اگر وہ اس طرف متوجہ ہوتے اور یہ دعوت قبول کر لیتے تو ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جمہوریہ وسطی افریقہ کے صدر بوسا کا (صلاح الدین احمد) نے بیسے اعیانِ مملکت اور اہل و عیال کے ساتھ لیبیا کے صدر معمر قذافی کے دورے کے موقعہ پر ان کی موجودگی میں اسلام قبول کیا اور اپنی رعایا سے اپیل کی کہ وہ مشرف باسلام ہو جائے —— کاش اسی طرح مسٹر گاندھی بھی تاج العلماء کی دعوت پر اسلام قبول کر لیتے اور پھر ہندوستانی عوام کو دعوتِ اسلام دیتے تو ایک عظیم الشان انقلاب آتا، دورنگی ختم کرنے کا سہرا انہیں کے سر رہتا جس کے لئے وہ عرصہ سے کوشاں تھے —— ویسے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں دہلی میں راقم نے دیکھا تھا کہ مسٹر گاندھی اپنے دعائیہ اجلاس (پرارتھنا) کا آغاز تلاوت سورہ فاتحہ و اخلاص سے کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے بعض مسلمان ان کو مسلمان ہی سمجھتے تھے، ان کی موت پر فاتحہ وغیرہ کا بھی اہتمام کیا گیا اور اب بھی ہوتا ہے —— مگر حقیقت میں وہ ہندو ہی تھے اور ہندومت کے زبردست داعی —— اگر وہ ایک قدم اور آگے بڑھا لیتے تو برصغیر کا سیاسی حل بھی نکل آتا۔ اور ہولناک کشت و خون نہ ہوتا —— مگر افسوس تاج العلماء کی اس دعوت پر لبیک نہ کہا اور تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو کر اپنے عزائم کی تکمیل کی۔

شاید قارئین کو حیرت ہو کہ میں نے دنیا کی نہایت ہی با اثر شخصیات میں سب سے پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام رکھا ہے اور ممکن ہے کہ کچھ لوگ سوال بھی کریں —— حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم میں ایک ہی شخصیت تھی جو دینی اور دنیاوی، دونوں سطحوں پر حد سے زیادہ کامیاب ہی۔ آپ نے دنیا کے عظیم ترین مذہب (اسلام) کی بنیاد رکھی، اسکو مقبول عام بنایا اور نہایت ہی کامیاب سیاسی رہنما ثابت ہوئے —— آپ کو دنیا سے پردہ کئے ہوئے آج تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر اب بھی آپ کا اثر قوی اور ہمہ گیر ہے۔

(ترجمہ انگریزی)

(مائیکل ایچ۔ ہارٹ : دنیا کے ایک سو مشاہیر،)

(مطبوعہ نیویارک، ص ۳۳)

(ب) تحریک خلافت

۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے ساتھ دو اور تحریکیں شروع ہوئیں یعنی تحریک ترک موالات اور تحریک ہندو مسلم اتحاد —— السواد الاعظم میں ان تینوں تحریکوں کے متعلق جو اظہار خیال ہے اس کا ہم علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں گے۔ پہلے تحریک خلافت کے بارے میں السواد الاعظم کے مندرجات کی روشنی میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

تحریک خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کے لئے اہل سنت و جماعت کے مخالفین پیش پیش تھے، بعض لوگ خود اہل سنت و جماعت میں بھی اس کے ہم نوا تھے لیکن ان کے مقابلے میں بہت کم —— اس جذباتی دور میں اہل سنت و جماعت پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ تحفظ خلافت اور حفاظت اماکن مقدسہ کے خلاف ہیں حالانکہ حقیقت حال کچھ اور تھی۔ فی نفسہ مخالفت نہ تھی، البتہ طریقہ کار میں مخالفت تھی۔ مخالفین کی طرف سے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے تاج العلماء تحریر فرماتے ہیں :-

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلامی کا حامی اور شریعت کا پاسدار تو سلطنت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے اور وہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے، اور قبتے بنانا ناجائز اور ڈھانا جائز وہ اس کے حامی و مددگار سمجھے جا رہے ہیں —— گرگ اور گلہ کی چوپانی، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ [1]

---

[1] السواد الاعظم، جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ ص ۲۴، ۲۳

مخالفین کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے اور لکھا ہے کہ جس طرح عین دوران جنگ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے ۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو انگورا کی مسجد میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کی، ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یہ حضرات بھی ایسی محافل منعقد کریں۔ تاج العلماء فرماتے ہیں :-

کیا گاندھی کے حکم سے برت رکھنے اور بھوکے مرنے کے لئے آپ تیار ہیں، ہندوؤں کا ماتم کرنے اور غم منانے کے لئے ہڑتالیں کرنے پر مستعد ہیں؟
آیا سرفروشان اسلام ترکی غزاۃ اور فدائے ملت غازی مصطفےٰ کمال اور اسلامی پیشوا ترکی مفتی اعظم کے طریق عمل اور دلی جذبات کا بھی آپ کے قلب پر کوئی اثر ہے؟ —— اگر ہے ضرور ہونا چاہیئے تو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مصطفےٰ کمال کی محفل میلاد کے نقشے کھینچ دالیئے اور دردمندوں سے پروردگار عالم کے حضور فتح اسلام کی دعائیں کی جئے۔ [1]

---

[1] السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ، صـ ۶، ۷

نوٹ :- محفل میلاد اور دعا والی بات شاید عقل پرستوں کو اپیل نہ کرے۔ لیکن عین دوران جنگ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے —— حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء نے ایک مکتوب میں خود جہانگیر بادشاہ کو دعا کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا ہے، اور دور جہاں گیری میں فتح کانگڑہ کے موقع پر خود جہانگیر نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی دعا کے اثرات بچشم خود ملاحظہ کئے اور آپ کو اپنے ساتھ اس قلعے میں لے گیا ——
(ملاحظہ سیرت مجدد الف ثانی، کراچی ۱۹۷۷ء) مسعود

اس نصیحت وہدایت کے بعد تاج العلماء مسلمانوں سے یہ دردمندانہ اپیل کرتے ہیں :

مسلمانو! ہوشیار! اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، صراط مستقیم پر قائم رہو، جو علماء بلاد اسلامیہ کے ہم عقائد و ہم خیال ہیں ان کے دامنوں کو تھامو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو، کسی آندھی کا جھونکا کسی طوفان کی لہر تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے۔ دوستوں کے لباس میں آنے والے دشمن وہمدردی ومحبت کے گیت گا کر دل لبھانے والے خونخوار تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں، تم کو اپنے دام فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں۔ [1]

سیاسی میدان میں جب کوئی تحریک چلتی ہے اور ہوا دینے والے اس کو ہوا دیتے ہیں تو عوام کی عقل وخرد زائل ہوجاتی ہے اور جذبات کی گرفت مضبوط ہوجاتی ہے، اس وقت خود سمجھ میں آنا تو بڑی بات ہے، سمجھانے سے بھی بات سمجھ میں نہیں آتی، یہی کیفیت تحریک خلافت کے زمانے میں پیش آئی —— ایک طرف بے تیغ وتفنگ جہاد کی تیاریاں اور دوسری طرف میلوں ٹھیلوں میں عیش کوشیاں —— قول وعمل کے اس تضاد سے دردمندوں کو اس تحریک پر کچھ شبہ سا ہوا، اور مستقبل نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ شبہ صحیح تھا —— تاج العلماء تحریک خلافت کے دوران خلافتی عوام کے قول وعمل کے تضاد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

کون کہتا ہے کہ جہاد فرض نہیں؟ —— لیکن اپنی طاقت کا دیکھنا بھی تو شرط ہے ہم نے ہتھیار تو خواب میں بھی نہیں دیکھے، یہ بھی نہیں معلوم کہ بندوق کدھر سے چلائی جاتی ہے، اپنے اتحاد واتفاق کا یہ حال کہ دو شخص ایک خیال پر ہی نہیں۔ [2]

---

[1] السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ صـ ۱۰، ۱۱
[2] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ صـ ۲۴

جنگ کا تصور اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب قوم متحد و متفق ہو، اس کی معاشی حالت درست ہو، اس کو فنِ حرب میں مہارت حاصل ہو اور سامانِ حرب بھی مہیا ہو۔ —— اس کے بغیر جنگ کرنا موت کو دعوت دینا ہے —— تحریکِ خلافت کے زمانے میں نہ یہ حالات تھے اور نہ یہ اسباب، اور عوام الناس بلکہ خواص بھی بعض موقع پرست سیاست دانوں کی چال میں آچکے تھے۔

ایک طرف عوام الناس جہاد کی باتیں کر رہے تھے اور دوسری طرف رقص و سرود اور کھیل تماشے کی محفلیں بھی سجی تھیں —— اس تضاد کو دیکھ کر صدر الافاضل پوچھتے ہیں :-

کیا انہیں کے قلوب میں سلطنت اسلامیہ کا درد ہے ؟ —— یہی بے چین و مضطرب ہیں ؟ —— [1]

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی مقصد کے حصول کی لگن لگ جاتی ہے تو کھیل تماشوں کا ہوش نہیں رہتا، بلکہ اپنی جان بھی جان نہیں معلوم ہوتی —— دورنگی، سطحیت کی نشاندہی کرتی ہے، اگرچہ بعض حضرات اس تحریک میں مخلصانہ اور دردمندانہ شریک تھے مگر وہ دشمن کے مخفی عزائم سے بے خبر تھے اس لئے ان کے اخلاص پر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

جب علماء اہل سنت خصوصاً فاضل بریلوی، صدر الافاضل اور تاج العلماء نے ان مخفی عزائم سے مسلمانوں کو باخبر کیا تو ان کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ علماء کا یہ گروہ، انگریزوں کا تنخواہ دار ہے —— [2] اس الزام کی تردید کرتے ہوئے تاج العلماء تحریر فرماتے ہیں :-

وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے ؟ —— کیا شعائر اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا، مسلمانوں

---

[1] ایضاً، ص ۲۲

[2] حالانکہ یہ الزام مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے علامہ شبیر احمد عثمانی پر لگایا اور باقی اگلے صفحہ پر

کو مراسم شرک میں مبتلا ہونے سے روکنا، یہ خاص گورنمنٹ کا کام ہے ؟ یا اس کے علاوہ وہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں ؟

مگر حقیقۃ الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء مجرد دین داری کی بھی حمایت نہیں کر سکتے اس لئے وہ اپنی اغراض کو پورا کرنے کیلئے عوام کو علماء کی طرف سے بدظن کرنا ضرور تصور کرتے ہیں۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے اور ان کو گورنمنٹی آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جانا کیا مشکل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے شعائر مذہب سے بے گانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ [1]

اخبار الفقیہ (امرتسر) کے شمارہ ۵ مئی ۱۹۳۱ء میں اخبار وطن کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی تھی جس میں ایک نو مسلمہ کو مرتد بنانے کی ہندو وانہ کوششوں اور اس کے خلاف علماء اہلسنت کی مزاحمت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس خبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر الافاضل تحریر فرماتے ہیں :

کیا ایسے واقعات عبرت پذیری کے لئے کافی نہیں ہیں، کیا اس طوفان

بقیہ حاشیہ ص ۲۰۲ علامہ مرحوم نے مولوی اشرف علی تھانوی کے لئے یہی بات فرمائی۔ (مکالمۃ الصدرین، ص ۱۰) اسی طرح اس سے بہت پہلے مولانا احسن نانوتوی کے لئے یہ کہا گیا کہ ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کو انہوں نے بریلی میں انگریزوں کی حمایت میں تقریر فرمائی جس پر بڑی شورش ہوئی (سوانح محمد احسن نانوتوی، ص ۵۱) —— اسی زمانے میں مولوی قاسم نانوتوی، مولوی عبدالرشید گنگوہی اور مولوی ضامن علی کے لئے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے مجاہدین آزادی سے انگریزوں کی حمایت میں جنگ کی۔

(مولوی عاشق الٰہی : تذکرۃ الرشید، ص ۷۲)

[1] السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء)

مذہب دشمن کو فنا کرنا خاص گورنمنٹ کا مقصد اصلی ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام اور پیشوایان دین کو گورنمنٹی آدمی بتایا جاتا ہے۔[1] ——

دشمن کے تمام سیاسی حربوں کا ذکر کرنے کے بعد تاج العلماء ان الفاظ میں مسلمانان ہند کو خبردار کرتے ہیں:-

مسلمانو ہوشیار! دولت اسلام کی نگہبانی کرو، اپنے دین وملت کو بچاؤ، اپنی ہستی اپنے ہاتھوں فنا نہ کرو! ——یارب مسلمانوں پر کرم فرما! اے تاجدار عرب صلی اللہ علیہ وسلم امت کی بے کسی پر نظر فرمایئے! ——اللہ کرے کہ ہمارے لیڈران درد آشنائے مذہب ہوں اور شریعت طاہرہ کے حریم وحدود کی عزت وتوقیر اور صیانت وحفاظت اپنی سعادت سمجھیں —— نسئلک اللّٰھم ھدایت الحق والصواب۔[2]

الزام تراشی کا یہ سیلاب فاضل بریلوی کی طرف بھی متوجہ ہوا، اور ان پر ایک نہیں کئی الزامات لگائے گئے اور پوری فرد جرم تیار کی گئی جس کی تفصیل یہ ہے:-

۱- حمایت سلطنت اسلامیہ کے خلاف ہیں۔

۲- حفاظت اماکن مقدسہ ضروری نہیں بتاتے۔

۳- نینی تال پر لیفٹیننٹ گورنر سے ملاقات کی۔

۴- گورنمنٹ کی خوشی کے لئے اس کے حسب منشا فتویٰ لکھ دیا۔[3]

۵ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔

۶- کانپور میں حنفی سنی علماء صوبہ متحدہ کے جلسہ میں باصرار بلایا گیا، مگر شرکت سے

---

[1] ایضاً، ۱۹

[2] السواد الاعظم شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ ص ۲۲

[3] جس فتوے کا اس الزام میں ذکر کیا گیا ہے، اس پر راقم نے ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "فاضل بریلوی اور ترک موالات" پیش کیا ہے جو مرکزی مجلس رضا، لاہور نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا تھا اور اب تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مسعود

انکار کر دیا۔

اسی زمانے میں مولانا احمد مختار صدیقی نے ان الزامات کے جوابات فاضل بریلوی سے طلب کئے تو فاضل بریلوی نے ان الزامات کے سلسلہ وار یہ جوابات مرحمت فرمائے:

جواب الزام نمبر ۱: سلطنت اسلامیہ اگرچہ بدعمل و بدمذہب ہو بشرطیکہ اس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو جب کفار سے اس کی جنگ ہو گی، مسلمانوں پر حسب استطاعت اس کی امداد فرض ہے، استطاعت سے زیادہ نہیں۔[1]

جواب الزام نمبر ۲: اسی طرح اماکن مقدسہ اور جملہ شعائر اسلام کی حفاظت علی حسب الوسعۃ فرض ہے۔[2]

جواب الزام نمبر ۳، ۴، ۵: ان کا جواب میرے پاس اس سے بہتر کیا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔ جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔[3]

جواب الزام نمبر ۶: مولوی نثار احمد صاحب جمعیۃ العلماء صوبہ متحدہ کی دعوت لے کر آئے ہیں نے اس کے مقاصد ہندوؤں سے اتحاد اور دیوبندیوں وہابیوں کی شرکت ورکنیت وغیرہ بیان کئے، انہوں نے کہا کہ ہم خالص اہلسنت کا جلسہ کریں گے میں نے کہا کیجئے۔ میں خالص اہلسنت کے ایک خدمت گار کی حیثیت سے اپنی تحریر بھیجدوں گا، جلسہ میں پڑھی جائے کہ بوجہ ضعف وعلالت حاضری سے معذور ہوں۔[4]

---

[1] السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ ص ۲۹، ۲۹

[2] ایضاً، ص ۲۹ [3] ایضاً ص ۳۰

[4] السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۹ھ ص ۳۱

نوٹ:- فاضل بریلوی ان ایام میں شدید بیمار تھے چنانچہ ۱۹۲۱ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ مسعود

اس میں شک نہیں کہ تحریک خلافت اور اس کے مقاصد سے فی نفسہ فاضل بریلوی کو کوئی اختلاف نہ تھا۔ مگر اس کے طریقۂ کار سے سخت اختلاف تھا ــــ سیاست جدیدہ میں مقاصد پر نظر رہتی ہے، ذرائع پر نہیں ــــ مگر سیاست شرعیہ میں مقاصد اور ذرائع دونوں کا محاسبہ کیا جاتا ہے، اس لئے مؤخر الذکر سیاست اول الذکر سیاست سے نہایت نازک ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی نے تحریک خلافت کے ذرائع پر سخت تنقید کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعتراضات وارد کئے ہیں اگر بغور دیانت داری اور حمیت اسلامی کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو نہایت وقیع معلوم ہوتے اور اس کے مقابلے میں مخالفین کی الزام تراشیاں بے وقعت معلوم ہوتی ہیں ــ

١۔ مشرکین سے وداد و اتحاد منایا گیا۔

٢۔ انہیں معاہد اور حلیف بنایا گیا۔

٣۔ انہیں رازدار اور دخیل کار ٹھہرایا گیا۔

٤۔ انہیں اپنا یار و مددگار اور خیر خواہ و غمگسار جانا۔

٥۔ آپ پس رو بنے انہیں پیشوا مانا۔

٦۔ قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرست یا بت پرستی پر نثار کی۔ [۱]

٧۔ ان کی بڑی بڑی تعظیمیں ہوتی ہیں۔ [۲]

٨۔ ان کی مدح میں سخت غلو و اغراق کے گیت گائے جاتے ہیں۔ [۳]

---

[۱] مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مسٹر گاندھی کی قیادت پر فخر کیا اور جب اس حرکت پر تنبیہ کی گئی تو جواباً تحریر فرمایا :۔ عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی (السواد الاعظم شعبان ١٣٣٩ھ ص)

[۲] مولوی محمد علی جوہر نے کانگرس کے اجلاس میں پنڈت مدن موہن مالویہ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مولوی شوکت علی نے اس کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ (اخبار ہمدم ۴ جنوری ١٩٢١)

[۳] ظفر الملک مولوی اسحاق علی نے مسٹر گاندھی کے لئے کہا :۔
"اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔" (دبدبۂ سکندری رامپور یکم نومبر ١٩٢٠ء)

٩۔ انہیں مسجد میں لے جا کر واعظ مسلمین بنایا جاتا ہے۔

١٠۔ ان کی خوشی کے لئے شعائر اسلام کو مٹایا جاتا ہے۔ [۱]

١١۔ ایسا مذہب بنانے کی فکر کی جاتی ہے جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے سنگم و پریاگ کو مقدس علامت بنا دے۔ [۲]

---

[۱] دسمبر ١٩١٩ء میں امرتسر میں مسلم لیگ کے بارہویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے حکیم اجمل خاں مرحوم نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی ترک کر دیں (السواد الاعظم ١٣٣٨ھ ص ١٧) ــــ اس مسئلے پر مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور علمائے اہل سنت کی طرف سے خصوصاً بڑا احتجاج ہوا تفصیلات کیلئے مندرجہ ذیل مآخذ ملاحظہ کریں :۔

الف۔ محمد مظہر اللہ : فتاوی مظہری، مطبوعہ کراچی ١٩٧٠ء ص ٣٢١ تا ٣٤٢

ب۔ السواد الاعظم، جمادی الآخرہ ١٣٣٨ھ/ ١٩١٩ء ص ١٣ تا ١٧

ج۔ السواد الاعظم، ربیع الاول، ١٣٣٩ھ/ ١٩٢٠ء ص ٩، ١٠، ١٦ تا ٢٤

مسلمانوں کی طرف سے اس ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہندوؤں کو یہ جرأت ہوئی کہ انہوں نے ترک گاؤ کشی اور ترک گوشت خوری کا مطالبہ کیا بلکہ بعض مقامات پر حکماً گائے کی قربانی بند کر دی گئی ــــ چنانچہ ١٥ جنوری ١٩٢٠ء کے ہمدم کے ایک آرٹیکل میں گاؤ کشی پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا ــــ یکم مارچ ١٩٢٠ء کے اخبار ہمدم (دہلی) میں ایک اشتہار شائع ہوا جس میں "آہنسا پرچارنی سبھا کاشی" کی طرف سے ایک ایسا مسلمان لکچرار مانگا ہے جو جاہل اور کم علم مسلمانوں میں جا کر مولود خوانی کرے اور اس کے بعد ترک گوشت خوری کا درس دے ــــ ١٣ جون ١٩٢٠ء کے اخبار ہمدم میں غلام بھیک نیرنگ نے انبالہ سے یہ خبر دی کہ ریاست نالہ گڑھ میں تاریخ میں پہلی مرتبہ گاؤ کشی حکماً بند کر دی گئی۔
مسعود

[۲] السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاول ١٣٣٩ھ ص ٣٢

۱۲۔ مسلمان اپنے ماتھوں پر قشقہ لگواتے ہیں۔ [1]

۱۳۔ ہندوؤں اور گاؤ ماتا کی جے پکارتے ہیں۔ [2]

۱۴۔ قربانی کی گائے پھولوں کے ہار پہنا کر باجے گاجے کے ساتھ گؤشالہ تک پہنچائی جاتی ہے۔

۱۵۔ مشرکین کی لاش کو کندھا دیتے اور مرگھٹ لے جاتے ہیں۔ [3]

اگر یہ حقائق صحیح ہیں تو بحیثیت ایک غیرت مند عالم اسلام کے فاضل بریلوی نے ایسی تحریک سے خود کو علٰحدہ رکھا تو کوئی گناہ نہیں کیا، بلکہ مندرجہ بالا فہرست میں بعض تلخ حقائق تو ایسے ہیں کہ اس زمانے کا گیا گزرا مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتا ——— ان حقائق کو نظر انداز کرکے صرف یہ مشہور کر دینا کہ فاضل بریلوی تحریک خلافت کے مخالف تھے، یہی نہیں بلکہ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں، سخت بد دیانتی اور تاریخی خیانت ہے اور ایسے خائن مورخوں کا محاسبہ کیا جانا چاہیے۔ ———

---

[1] ۲۲ جنوری ۱۹۲۰ء کو میرٹھ میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کی پیشانی پر چندن لگایا گیا۔ (السواد الاعظم، جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ / ص۱۹ تا ۲۲) قشقہ لگانے کا حال مولوی اشرف علی نے بھی لکھا ہے۔ (افاضات الیومیہ، جلد چہارم ص۷۷)

[2] مسلمانوں کی طرف سے گاندھی جی کی جے کا ذکر مولوی اشرف علی نے کیا ہے۔ (افاضات الیومیہ، جلد ششم، ص۲۵۵) ——— مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ سے اس مسئلے پر ایک استفتاء لیا گیا تھا (ملاحظہ ہو فتاویٰ مظہری، جلد اول مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۰ء ص۳۲۳، ۳۲۹) ——— ہندوؤں کے ساتھ اسی محبت و یگانگت کا نتیجہ ہے کہ حال میں یہ خبر نظر سے گزری کر تلک ہال (کانپور) میں مسٹر گاندھی کی برسی کے موقع پر حافظ بعیت اللہ اور بابا خضر نے مسٹر گاندھی کی تصویر کے سامنے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کی جبکہ دوسری طرف بھجن گائے جا رہے تھے۔ (اخبار سیاست، کانپور، یکم فروری ۱۹۷۰ء)

[3] السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۹ھ، ص۳۲

فاضل بریلوی کو ایک اور الزام دے کر بدنام کیا گیا ہے جس کا اثر اب تک موجود ہے اور علمی دنیا میں ان کو اسی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے ——— وہ الزام یہ ہے کہ آپ ہر کسی کو کافر کہہ دیا کرتے ہیں ——— تاج العلماء نے اس الزام کا اس طرح ذکر کیا ہے:

> جب مسلمان بنے رہنے اور مسلمانوں کو اپنے دام تزویر سے پھانسنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مشہور کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے نے کافر کہہ دینا ایک امرِ عادی ہے۔ [1]

اس کے جواب میں تاج العلماء نے لکھا ہے کہ فتویٔ تکفیر پر کیا موقوف ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم مجلدات میں ایک ہی موضوع پر ہزاروں فتوے ہیں اگر طلاق ہی کے نے جائیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ بس آپ طلاق کے فتوے دیتے تھے ——— ایک حکیم کا رجسٹر اٹھایا جائے، اس میں ایک ہی مرض کے ہزاروں مریض اور نسخے ملیں گے تو کیا ان نسخوں کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس کو دیکھو بخار بتا دیا۔؟

تاج العلماء آگے چل کر بڑی دل لگتی بات فرماتے ہیں:

> دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں پر کفر کے فتوے دیے گئے ہیں آیا ان میں کوئی بھی ایک ایسا ہے کہ اس سے کفر کی کوئی بات سرزد نہ ہوئی ہو اور اس کو کافر کہہ دیا گیا ہو، مگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کو کفر کرنے سے منع کرنا چاہیے نہ کہ مفتی کو کافر کہنے سے۔

---

[1] السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ ص۸

نوٹ: حضرت مولانا انور شاہ کشمیری (اس وقت حیات تھے آپ نے ابن عبدالوہاب نجدی کو محض اس بناء پر جاہل لکھا ہے کہ وہ تکفیر میں تعجیل کرتا تھا (فیض الباری، جلد اول ص۱۷۱) مگر اس کے برخلاف فاضل بریلوی سے وہ متاثر نظر آتے ہیں بلکہ علم حدیث میں انہوں نے غائبانہ استفادہ بھی فرمایا ہے۔ (الہادی، دیوبند، شمارہ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ ص۲۱) (مسعود)

طبیب کے پاس جو بخار والا آئے گا وہ ضرور اس کی تپ کو تشخیص کرے گا اور بخار کا نسخہ لکھے گا، نہایت بے عقلی ہوگی اگر آپ مریض کو دوا اور پرہیز پر تو آمادہ نہ کریں لیکن طبیب کو بخار تجویز کرنے سے روکیں اور اس پر یہ الزام لگائیں کہ آپ نے اپنی عمر میں ہزارہا آدمیوں کو بخار بتایا ہے، یہ آپ کی عادت ہی ہوگئی ہے۔ ؎۱

حقیقت یہ ہے کہ کافر بنایا نہیں جاتا بلکہ انسان اپنے قول وعمل سے خود کافر بن جاتا ہے مفتی صرف اس کی نشاندہی کرتا ہے —— اب اگر اس کا قول وعمل صحیح ہے تو مفتی کے کہہ دینے سے کافر نہیں ہوجاتا، اس لئے تشویش وفکر نہ ہونی چاہیئے۔

تحریک خلافت کے زمانے میں مخالفت کے سیلاب نے نہ صرف فاضل بریلوی بلکہ ان کے صاحب زادگان اور خلفاء کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا تھا چنانچہ بریلی کی عیدگاہ میں حسب معمول فاضل بریلوی کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں صاحب نماز عید پڑھایا کرتے تھے لیکن تحریک کے دوران یکم شوال ۱۳۳۹ھ کو جو عید آئی تو مخالفین نے پوری پوری کوشش کی کہ آپ نماز نہ پڑھا سکیں لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بقول تاج العلماء اس مرتبہ پہلے سے زیادہ رونق رہی اور سارا انتظام جماعت رضائے مصطفےٰ نے کیا۔ ؎۲

؎۱ السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ ص ۱۰

؎۲ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۹ھ ۱۵، ۱۶

نوٹ:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین فاضل بریلوی، ان کے صاحبزادگان اور ان کے زیر اثر علمائے اہل سنت کے پیچھے پڑے رہے، چنانچہ ۱۹۱۹ء میں الہ آباد سے ایک کتاب افسانۂ عبرت شائع ہوئی جس میں علمائے اہل سنت کو خوب سخت وسست کہا گیا ہے (السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ ص ۱۳) ۲۴ دسمبر ۱۹۲۲ء کے اخبار الانصار (دیوبند) نے علمائے اہل سنت کی دل کھول کر تضحیک وتذلیل کی —— فاضل بریلوی کے

باقی اگلے صفحہ پر

اسی طرح اخبار مفید روزگار (بمبئی) کے شمارہ ۲ مئی ۱۹۲۰ء میں خلیفہ فاضل بریلوی مفتی آگرہ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ صاحب کے بارے میں توہین آمیز خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، کہیں آپ کو کفر وہابیت کا سول ایجنٹ بتایا ہے —— کہیں مثل الحمار یحمل اسفارا کا مصداق کہا ہے اور کہیں پوچھا ہے تم کون ہو، کافر، مجوسی، فرزند؟ —— ؎۱

بقیہ حاشیہ ص ۲۱۰ انتقال کے بعد یہ سلسلہ شدید تر ہوگیا چنانچہ اسی انتقامی جذبہ کے تحت مولوی محمد منظور نعمانی صاحب (ایڈیٹر رسالہ الفرقان بریلی) لے گئے اور وہاں ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ سے ۲۳ محرم ۱۳۵۴ھ تک جامعہ رضویہ (واقع مرزائی مسجد، بریلی) میں مولوی سردار احمد صاحب سے مناظرہ کیا جس کی روداد "قلعہ رضاخانیت پر فیصلہ کن حملہ" کے عنوان سے جامعہ برقی پریس دہلی سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی، اس روداد میں مناظرہ کے دوران مولوی محمد منظور نعمانی کا یہ جملہ بھی ملتا ہے:

میں نے ان کے فرزند اکبر اور آپ کے آقائے نعمت (مولوی حامد رضا خاں) کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ (ص ۷۰)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

آج بحمد اللہ منظور کے حقانی نعروں سے بریلی کی فضا گونج رہی ہے، حامیان باطل کے دل لرز رہے ہیں اور جو کفر وتکفیر کے علم بردار اس دنیا سے گزر گئے اگر دیدۂ بصیرت ہو تو دیکھو کہ اس وقت جب کہ میں آپ کے مرکز جامعہ رضویہ میں حق کا جھنڈا لئے کھڑا ہوں اور رضاخانیت کی دھجیاں اڑا رہا ہوں، ان کی قبروں میں کیسی واویلا مچ رہی ہے۔ (ص ۷۰)

اور ابھی چند سال ہوئے ۱۹۷۰ء میں مسلک دیوبند کے ایک بزرگ عبدالمالک مجبوری فاضل بریلوی کے دارالافتاء اور کتب خانہ کا جائزہ لینے پہنچے موصوف نے ایک رسالہ "فرزاروں کی جھلکیاں" لکھا ہے، اس میں اس طرح اپنے "تاثرات" قلمبند کئے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

؎۱ السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ ص ۳۱

مخالفین کی اس ناشائستہ حرکت کا تاج العلماء نے نہایت شائستہ اور معقول جواب دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

مسلمانوں کی تباہی کا یہی باعث ہے کہ ان کے زبان و قلم کی قوتیں اپنے ہی بزرگوں اور پیشواؤں کے ایذا رسانی میں صرف ہوتی ہیں، نامعلوم مضمون نگار نے کونسا بخار نکالا ہے، زمانہ کی نزاکت اور مسلمانوں کی حالت کیا اس قابل ہے کہ ان میں اس طرح تفرقہ اندازی کی جائے، مولانا دیدار علی صاحب ایک آبائی حنفائی متقی و متورع عالم ہیں ہندوستان کے بڑے حصے میں ان کا اثر ہے۔ [1]

تاج العلماء نے مضمون نگار کے ان توہین آمیز کلمات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک دن مخالفین کی طرف سے جامع مسجد آگرہ میں کسی شخص نے مولانا دیدار علی صاحب سے کہا کہ خطبے میں سلطان المعظم کا نام پڑھ دیجئے۔ مولانا نے جواباً فرمایا "نام تبادہ" بس یہ جرم ہے جس پر مولانا کو اسلام سے خارج کر دیا گیا ———

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تاج العلماء تحریر فرماتے ہیں:-

سلطان کے نام کو پردہ بنا کر اپنے دل کے پرانے پرانے بخار نکالے اور عوام کو مشتعل بنا کر مولانا کی طرف سے برافروختہ کرنے کی کوشش کی، وقت کی نزاکت سے خوب کام نکالا، اگر یہ وقت بھی اپنے پرانے تعصب نکالنے اور اپنے مخالفین کو زیر کرنے کی فکروں میں خرچ نہ کیا تو پھر ایسا وقت ہاتھ آنا مشکل ہے، اس وقت آپس میں کٹ مرنے کی خوب کوشش کر و اس سے سلطنت ترکی کو فائدہ پہنچے گا۔ کس قدر بد عقلی ہے کہ ہم بجائے اتحاد و اتفاق کے عداوت و حسد میں گرفتار ہیں، ہندو سے اتحاد کی فکریں اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱ گویا بریلی میں سوائے سفید جھوٹ کے کچھ اور نہیں ؟ ——— (المیزان بمبئی، امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء ص ۴۴۰، ۴۴۱) نامعلوم اہل علم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مہم کب تک جاری رہے گی۔

[1] السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ ص ۳۱

اپنے پیشوایانِ دین سے یہ سلوک! [1]

ان حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تحریک خلافت کے زمانے میں فاضل بریلوی اور ان کے صاحبزادگان و خلفاء نے مخالفت کے سیلاب سے کس بلند ہمتی سے مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس راہ پر چلایا جو پاکستان کی منزل تک پہنچتی تھی ———

چنانچہ ۲۲، ۲۳، ۲۴، شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو اہل سنت و جماعت کی تنظیم انصار الاسلام کی طرف سے بریلی میں شاندار اجلاس ہوئے [2] جس میں اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترکوں کی مدد موضوع رہا، مندرجہ ذیل حضرات نے خطاب فرمایا۔

۱- مولانا سید شاہ محمد میاں قادری برکاتی۔
۲- مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری، (خلیفہ فاضل بریلوی)
۳- مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ 〃
۴- پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری 〃
۵- مولانا سید دیدار علی شاہ 〃

ان حضرات نے ترکوں کی مدد، اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترک موالات کے موضوع پر مدلل تقریریں فرمائیں۔ لیکن ان کا مطمح نظر سیاسی نہیں بلکہ شرعی تھا اس

---

[1] السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ ص ۳۲

[2] جن مقاصد کے تحت "تنظیم انصار الاسلام" قائم کی گئی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے:-

۱- حفاظت مقامات مقدسہ و حمایت سلطنت اسلامیہ، ترکوں کی ہمدردی میں جائز و مفید کوشش کرنا اور ناجائز و نامفید راہوں سے مسلمانوں کو بچانا۔
۲- اسلام اور مسلمین کو بیرونی دشمنان دین کے حملوں سے بچانے کی حتی الوسع جائز تدابیر کرنا اور بالخصوص دشمنان اندرونی کے حملوں سے بچانا۔
۳- مسلمانوں کو ان کے اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی مفاد کی طرف رہنمائی کرنا اور ان میں حقیقی و خالص پابندی احکام شرعی کی راہ بنانا۔

(السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء ص ۹)

لئے مخالفین کی طرف سے ان جلسوں کو درہم برہم کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اس جذباتی دور میں معقولیت اور شریعت کی بات سننے کے لئے بہت کم لوگ تیار تھے کیونکہ سوء اتفاق کہ مخالفین کے رہبر بھی علماء ہی تھے ــــ فرق یہ تھا کہ وہ کفار و مشرکین کے ساتھ تھے اور یہ علیحدہ اور یہی بہت بڑا فرق تھا جو اس وقت محسوس نہیں کیا گیا۔ لیکن آج کا پاکستانی مؤرخ اس کو ضرور محسوس کرے گا۔

اس جلسے میں جو قرارداد منظور کی گئی اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ علمائے اہل سنت اور مسلمانانِ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃ العرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے باز رکھے۔

۲۔ یہ جلسہ گورنمنٹ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومین سمرنا وغیرہ کی مالی اعانت و ارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع ہمارے لئے بہم پہنچائے۔

۳۔ یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک وفد بھیجنا تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفود کی ذمہ داری کرے۔

۴۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ان مطالبات کے لئے گورنمنٹ کے پاس وفد بھیجا جائے۔

۵۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو آپس میں طے کرنے کے مجاز ہیں مطابق شرع شریف فیصل کر لیں اور پھر لوں کی مقدمہ بازی سے کہ فریقین کی تباہ کن ہوتی ہیں بچیں۔

۶۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ جو قانون ایسا بنائے جس سے کسی اسلامی مسئلے کو مضرت پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اس کی ضرور ترمیم چاہی جائے اور اس کی جائز کوشش انتہا تک پہنچائی جائے۔

۷۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کے بہم پہنچانے پر

توجہ دلاتا ہے جن سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

۸۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے[1] پر توجہ دلاتا ہے تاکہ مسلمان غیر مسلموں کے دست برد سے بچیں۔

۹۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجار اور رؤسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بماہ سال بہ سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے کہ "وقتاً فوقتاً" مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانت سلطنت اسلام و ضروریات اسلام میں کام آئے۔

۱۰۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

۱۱۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقے، ناجائز راستے، مضر و تیرے بغلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں۔ ان کی شناعت پر مسلمانوں کو "تحریراً تقریراً" مطلع کرے۔[2]

---

[1] ۱۹۲۰ء میں بریلی میں انصار الاسلام کے جلسے میں "اسلامی بینک" کا تصور جو بطور قرارداد پاس ہوا تھا اس پر نصف صدی بعد ۱۹۷۰ء میں عمل کیا گیا۔ چنانچہ اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی دوسری کانفرنس منعقدہ کراچی (دسمبر ۱۹۷۰ء) میں یہ تصور سامنے آیا۔ حکومت مصر نے اس مسئلے پر غور کر کے اجلاس قاہرہ (منعقدہ فروری ۱۹۷۲ء) میں تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ اس کے بعد مسلم وزرائے خارجہ کے اجلاس منعقدہ جدہ (۱۹۷۲ء) میں پیش کی گئی۔ اس کے بعد اسلامی سکرٹریٹ کے سپرد کر دی گئی اور دسمبر ۱۹۷۳ء میں اسلامی سکرٹریٹ کے ممبروں کے اجلاس منعقدہ جدہ میں اسلامی ترقیاتی بینک کی تجویز کو عملی طور پر منظور کرایا اور ایک علامیہ جاری کر دیا گیا ــــ اس "اسلامی بینک" نے مارچ ۱۹۷۵ء میں اپنا کام شروع کر دیا۔
(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں روزنامہ ڈان (کراچی) ۱۰، ۱۲ دسمبر ۱۹۷۶ء)

[2] السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ ص ۷، ۸

تقریباً تمام ہی تجاویز ان ہدایات پر مشتمل ہیں جو ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ارشاد فرمائی تھیں اور جس کو پیچھے مناسب مقام پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تاریخی، سیاسی اور معاشی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تجاویز نہایت ہی وقیع ہیں — اسلامی بینک قائم کرنے کی تجویز جو نصف صدی پہلے علمائے اہل سنت نے پیش کی تھی، عالم اسلام آج اس پر عمل پیرا ہے — ان تجاویز میں عقل و ہوش بھی ہے اور درد و سوز بھی — سمجھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں —

تجویز، تشخیص کے تابع ہوتی ہے، پہلے مرض تشخیص کیا جاتا ہے، پھر علاج کیا جاتا ہے، بغیر تشخیص کے علاج مہلک ثابت ہوتا ہے — ترکوں کی امداد سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ یہ انحطاط کن اسباب کی بناء پر آیا، کیا یہ حادثاتی و اتفاقی ہے یا ارتقائی — ان اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تاج العلماء نے انحطاط و زوال کے یہ اسباب بیان کیے ہیں:-

۱۔ ترکی میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں۔
۲۔ ترکوں کے بدخواہ ان کے اپنے حلقے میں پیدا ہو گئے جنھوں نے دشمن کی موافقت کی۔
۳۔ طوائف الملوکی، ہر شخص نے الگ راستہ اختیار کیا۔

ان امراض کا تاج العلماء نے یہ علاج پیش کیا ہے۔

۱۔ ترکوں میں اسلامی ہمدردی پیدا کرنے اور غداری سے تائب ہونے کی کوشش کرنا۔
۲۔ اسلامی اتحاد کا جوش پیدا کر کے انہیں سلطنت اسلامیہ کی حمایت میں کھڑا کرنا
۳۔ ملت فروشی کو عام نگاہوں میں ذلیل بنا کر اس زہریلی وبا کے اثر سے وہاں کے باشندوں کو محفوظ رکھنا۔
۴۔ مسلمانان دنیا کے جذبات کی ترجمانی کر کے ان میں نئی سرگرمی پیدا کرنا جس سے خود بخود سلطنت کے مردہ قالب میں جان آجاتی [1]

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۲۵

تشخیص اور تجویز کے بعد تاج العلماء نے تحریک خلافت کے پیروکاروں سے یہ سوالات کئے ہیں:-

۱۔ کیا اس مقصد کے لئے مسلمانوں کا کوئی وفد قسطنطنیہ پہنچا؟
۲۔ کیا عربوں کو ترکوں کے ساتھ موافق کرنے کے لئے کوئی جماعت گئی؟
۳۔ کیا عربوں کی باہمی کشمکش اور جنگجوئی کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر عمل میں لائی گئی؟
۴۔ "اگر دو مسلمان لڑیں تم ان میں صلح کرادو" — کبھی اس کے لئے کوئی فکر کی گئی؟ [1]

آخر میں تحریک خلافت کے رہنماؤں کو ہوشمندی اور دانشمندی اور عاقبت اندیشی سے کام لینے کی درخواست کرتے ہوئے لکھا ہے:-

مجھے اس وقت یہ غور کرنا ہے کہ ہمارے ان افعال سے ترکوں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟ امید ہے کہ اہل الرائے اپنے دماغوں کو عقل زائل کرنے والے جوش سے خالی کر کے اس پر غور فرمادیں۔ [2]

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۲۶
[2] ایضاً، ص ۲۶

تحریکِ خلافت کے دوران ترکوں کے ہاتھوں خود سلطان ترکی کی معزولی پر

مفتی اعظم ہند کے تاثرات

۱۹۲۲ء

اگرچہ چہرۂ پرنور ماہتاب صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں اور روئے آفتابِ حق پہ باطل کی سخت بھیانک اور خوفناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراؤنی بدلیاں آئیں مگر ہمارے قلوب بفضلہ تعالیٰ مطمئن تھے، ہم سمجھے ہوتے تھے کہ یہ بھی کچھ روز کی ہوا ہے جو دم میں ہوا ہے ـــ آخرکار وہی ہوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا وہ دن آ ہی گیا وہ تیرگی دور اور تاریکی کافور ہوئی اور حق کا جگمگاتا، چمکتا، دمکتا پرنور چہرہ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتا نکلا اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور جم نہ سکا، پتّا توڑ بھاگا، کب تک باطل حجاب حق کو چھپاتے؟ ملمع کے جھوٹے نقاب، صدق کی آڑ کر سکتے ـــ؟ آخر حق کی شعاعوں نے ان باطل پردوں کو خاکستر کر ہی دیا، جھوٹے نقابوں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلوہ جہاں تاب دکھا ہی دیا ـــ

ـــ وللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والاخرہ ـــ

مقدمہ دوام العیش مصنف امام احمد رضا خاں، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء، صـ ۳۲

(ج)

تحریکِ ترکِ موالات

اور

ہندو مسلم اتحاد

(ج) (۱) تحریکِ ترکِ موالات

تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے تحریکِ ترکِ موالات کا آغاز کیا، چونکہ انہوں نے نہایت دانشمندی سے تحریکِ خلافت کی حمایت کی۔ اس لئے تحریکِ ترکِ موالات میں ہندوستان کے مسلمان ذوق وشوق سے جوق در جوق شامل ہونے لگے اور مسٹر گاندھی کو اپنا حامی وناصر سمجھنے لگے۔

تحریکِ خلافت ایک جذباتی تحریک تھی جذباتی تحریکوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ایک دانا وبینا سیاست داں کا کام ہے۔ وہ آن کی آن میں ایسی تحریکوں کے سہارے اپنے مقاصد پورے کر لیتا ہے اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی تحریکِ ترکِ موالات میں یہی کچھ ہوا —— اس سلسلے میں حالاتِ حاضرہ کے عنوان سے صدرالافاضل نے جو کچھ لکھا وہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے نہایت اہم ہے، آپ نے فرمایا:۔

"ہندو ناداں نہیں، ان کی کوئی حرکت عبث وبے کار نہیں، وہ ہر کام کے لئے کوئی مقصد رکھتے ہیں، ان کا ہر عمل اسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے، جب تم نے انہیں پیشوا بنایا تو وہ اپنے مقصد کو مقدم رکھیں گے۔" [1]

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ ص ۱۷

میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ترکِ تعاون کا خیال مسٹر گاندھی کے دماغ میں مدت دراز سے مرکوز ہے، ان کے کارنامۂ زندگی سے اس کے دلائل ملیں گے لیکن وہ اپنے اس مقصد میں اپنی خواہش کے موافق کامیابی سے محروم رہے ہیں۔ [1]

پھر فرماتے ہیں:۔

ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں اور تم حق بجانب ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ —— دوسری طرف مسٹر گاندھی لب ولہجہ بدل کر یہ فرما دیتے ہیں کہ دیکھو خبردار قانون کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا، امنِ عامہ میں خلل اندازی کرنے سے باز رہنا ورنہ میں تمہارے ساتھ نہیں، جس سے گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریدہ سری اور قانون شکنی اور امنِ عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو امنِ عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔ [2]

صدرالافاضل کو تحریکِ خلافت سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلاف تھا تو مسٹر گاندھی کی قیادت سے —— تحریکِ خلافت اور مسٹر گاندھی کی قیادت، متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم، ۱۳۳۸ھ ص ۱۹

[2] ایضاً، ص ۲۰ **نوٹ**: مسلمان فطرتاً جاں باز وفدا کار ہے، جذباتی تحریکوں میں اس کا قانون کے دائرے میں رہنا بہت مشکل ہے، اس لئے ہندوستان میں جب کبھی ایسی تحریکیں چلیں مسلمانوں نے زیادہ نقصان اٹھایا۔ ۱۹۴۶ء میں جب Victory Week منایا گیا تو راقم دہلی میں تھا، عجیب مناظر دیکھنے میں آئے۔ مسلمانوں نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا، لیکن اس ہنگامہ میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مارشل لا لگ گیا اور دہلی تاریکی میں ڈوب گیا۔ مسعود

——— پھر تحریک ترک موالات سے مسلمانوں کو فوائد کے بجائے جو نقصانات متوقع تھے اس کے پیش صدر الافاضل کو اس تحریک سے اختلاف تھا ——— بادی النظر میں یہ شک ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ کہیں وہ انگریزوں کے ساتھ تو نہ تھے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی مخالفت آسان تھی، حمایت مشکل تو یہ شک رفع ہوجاتا ہے۔ کیونکہ انسان خصوصاً موقع پرست مشکلات سے زیادہ آسانیوں کو پسند کرتا ہے ——— اس کے علاوہ ماضی میں کوئی ایسی تاریخی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ صدر الافاضل یا اکابر علماء اہلسنت نے انگریزوں سے امداد قبول کی ہو اس کے برخلاف ان کے مخالفین کے بارے میں خود ان کی اپنی کتابوں سے ایسی شہادت مل جاتی ہے ——— پھر تقسیم ہند کے وقت ان آنکھوں نے خود دیکھا کہ انگریز ہندوؤں سے زیادہ ہمارا دشمن نکلا ——— اگر قائد اعظم یا ان کے ہم نوا علماء اہلسنت انگریزوں کے خیرخواہ ہوتے تو انگریز بھی ان کا خیرخواہ ہوتا، بدخواہی بتارہی ہے کہ قائد اعظم اور علماء اہلسنت کو انگریز اپنا خیرخواہ نہیں سمجھتا تھا ———

اب تحریک ترک موالات کے بارے میں صدر الافاضل کے تاثرات قلم بند کرتے ہیں جو نہایت بصیرت افروز اور مومنانہ نظر آتے ہیں ——— آپ فرماتے ہیں :۔

> حکومت کا تعلق ہمارے ساتھ تمدن میں اس قدر نہیں جتنا سیاست میں ہے ——— تمدن کو فاسد کرنے کا بڑا اثر ہم پر پڑے گا ——— برابر والے سے جنگ کرنے میں بھی پہلے اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے اسامان حرب مہیا کرنا پڑتا ہے اس کی تلاش اور حملہ کے موقع کی جستجو میں سرگردانی ہوتی ہے تب کہیں جاکر اس کو تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے۔ اس پر بھی اپنا غلبہ یقینی نہیں ——— جب زبردست سے مقابلہ ہو تو اپنے آپ کو کس قدر مصیبت برداشت کرنا پڑے گی اور اس کا برداشت کرنا ہم پر اتنا ہی دشوار ہوگا جتنا ہم میں ضعف ہے اور ہمارے حملے کا تحمل اور قوت برداشت مقابل بقدر اپنی طاقت

> کے ہوگا، نہیں تو پہلے حملہ کی تیاری ہی فنا کے دروازے تک پہنچا دے گی۔[۱]

صدر الافاضل نے ترک موالات کے موضوع پر ایک فاضلانہ اور محققانہ مقالہ لکھا تھا جو السواد الاعظم کے شمارے ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ اور جمادی الاول ۱۳۳۹ھ کے اہم صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہایت اہم اور مفید رسالہ ہے اور اس سے ان کے موقف کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے ——— رسالے کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ مذہبی حیثیت سے کفار کے ساتھ محبت ووداد، ربط واتحاد، دوستی و یک دلی تو مومن سے ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہے تو وہ مومن نہیں۔
۲۔ دوسری حیثیت شخصی وذاتی ہے، یہ محبت بھی اگر اتنی ہو کہ شعائر کفر کی نفرت دل سے کم ہوجائے اور شعائر اسلام کے ساتھ ان کے استہزاء پر راضی ہو تو یہ بھی منافی اسلام ہے۔
۳۔ اور اگر اس حد تک نہیں بڑھی جب بھی شانِ مومن کے خلاف و ممنوع ہے۔[۲]

"ترک موالات" سے متعلق ایک دوسرے مقالے میں صدر الافاضل محبت و عشق کا ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں :۔

> مجازی اور معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کو نفرت ہوجاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ مخالف دشمن سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ قرابتوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عشق الٰہی کی دولت سے مالا مال ہوکر کوئی دل کفار کی طرف مائل ہوسکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی گنجائش رہے۔[۳]

۱۔ السواد الاعظم، شوال المکرم، ۱۳۳۸ھ، ص ۱۸، ۱۹
۲۔ السواد الاعظم، ربیع الاوّل، ۱۳۳۹ھ، ص ۳، ۴، ۵، ۶، ۹
۳۔ السواد الاعظم، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ، ص ۱

(ج) (۲) تحریک ہندو مسلم اتحاد

تحریک ترک موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک ترک موالات کی تحریک سے زیادہ شدت سے جاری ہوئی ——— علماء کرام نے اس مسئلے کے موافق و مخالف لکھا لیکن علماء اہل سنت نے بحیثیت مجموعی اس اتحاد سے اختلاف کیا، اس کی وجوہات مذہبی بھی تھیں اور سیاسی بھی ——— اور وہ اتحاد کو فی نفسہٖ ناممکن سمجھتے تھے۔ دلائل و شواہد ایسے تھے کہ اگر ایک خالی الذہن غیر مسلم بھی سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کرتا تو اسی نتیجے پر پہنچتا جس نتیجہ پر علمائے اہل سنت خصوصاً فاضل بریلوی اور صدر الافاضل پہنچے، یہ محض ایک قیاس ہی نہیں حقیقت ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندو سیاست داں لالہ لاجپت رائے[1] کے تاثرات بیان کر دیے جائیں۔

ایک اور چیز جو ایک عرصہ سے میرے لئے وجہ اضطراب ہو رہی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوت غور و خوض دوں، گزشتہ چھ ماہ میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ہندو مسلم اتحاد ایک امر محال اور ناقابل عمل شئے ہے وہ مسلمان رہنما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے

---

[1] لالہ لاجپت رائے ۱۸۶۰ء میں قصبہ جگراؤں (ضلع لدھیانہ بھارت) میں پیدا ہوئے

باقی اگلے صفحہ پر

پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب ...... ہندو مسلم اتحاد کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔[1]

(مکتوب مطبوعہ ۱۲ فروری ۱۹۴۰ء)

مسئلہ "ہندو مسلم اتحاد" پر جب ہندو سیاست دانوں کا یہ انداز فکر تھا تو خود غور کیا جاسکتا ہے کہ صاحب بصیرت مسلم علماء کا انداز فکر کیا ہوگا۔؟

چنانچہ مسئلہ "ہندو مسلم اتحاد" پر صدر الافاضل نے جن تاثرات کا اظہار فرمایا وہ بڑے بصیرت افروز اور حقیقت پسندانہ ہیں ——— ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ مسٹر گاندھی نے اس تحریک کی حمایت کی، ہندو مسلم اتحاد کا یہی نقطۂ آغاز تھا اس حمایت کی اس قدر پذیرائی کی گئی جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا خصوصاً مسلم علماء کی طرف سے ——— صدر الافاضل اس پذیرائی پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمانوں نے ان مساعی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تاکہ ان کی صدا میں زور آئے اور سلطنت ان کی درخواست کان لگا کر سنے ——— مذہب کا فتویٰ اس کو ممنوع اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جد و جہد جواز میں رہتی۔

لیکن صورت حال کچھ اور ہے ——— ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان "آمین" کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبد الباری

بقیہ حاشیہ ص ۲۲۴ ۱۸۸۱ء میں قانونی پیشہ اختیار کیا اور حصار میں وکالت شروع کر دی، پھر ۱۸۹۲ء میں لاہور ہائی کورٹ سے منسلک ہوگئے۔ ۱۹۰۵ء میں کانگرس کی طرف سے ایک وفد میں شریک ہو کر فرنگیوں سے ملے (الیشری پرشاد: لالہ لاجپت رائے کی سوانح اور کارنامے مطبوعہ لاہور) فتنۂ ارتداد میں شردھانند کے ساتھ بھی کام کیا (مسعود)

[1] مصباح الحسن: کانگریسی مسلمان اور حقائق قرآن، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۷۵ھ ص ۳۰، ۳۱

کا فتویٰ مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔

پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں، اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ کی حمایت کی آڑ لیں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ [1]

سلطنت اسلامیہ کی اعانت اور مقامات مقدسہ کی حمایت وحفاظت کے لئے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں لیکن اپنے دین و مذہب کو محفوظ رکھیں، اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ دے ڈالیں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اپنے عقل وحواس کو معطل نہ کریں، اپنے ہوش و خرد کو کام میں لائیں، نہایت فرزانگی کے ساتھ اپنے نیک و بد اپنے انجام و مآل پر نظر ڈالیں۔

ایسی بے رائی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے، کچھ کام نہیں سکتی فرض کرو آج گاندھی تمہارے موافق ہیں اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو کل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے، تم کیا کرو گے؟ ـــــ

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہیئے۔ [2]

مسلمانوں کی اس بے رائی اور عاقبت نا اندیشی نے جو گل کھلائے اس کا نقشہ صدر الافاضل نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کے ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی

---

[1] السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، صہ ۱۵، ۱۶

[2] ایضاً صہ ۲۱

شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار اشرف بارک انمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ معاذ اللہ!

"کروروں سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں، مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا، مولانا سلیمان اشرف صاحب نے خوب فرمایا کہ "لعنت اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے" [1] ترکی کی سلطنت کی بقا کے لئے مسلمان کفر کرنے لگیں، شعائر اسلام کو مٹا دیں! ـــــ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! ـــــ اسلام ہی کے صدقے میں تو اس سلطنت کی حمایت کی جاتی ہے ورنہ ہم سے اور ترکوں سے واسطہ؟ ـــــ مطلب جو کوشش کی جائے اپنا دین محفوظ رکھ کر کی جائے۔" [2]

مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی، نصاریٰ کے ساتھ ہوئے نواندھے ہو کر موافقت کی، بلاد اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلواریں چلائیں ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلائے، اب اس خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور مشتے بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برباد کرنے پر تل گئے" ـــــ

دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بارہواں اجلاس حکیم اجمل خاں کی صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا، اس میں حکیم صاحب نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گاؤ کشی بند کر دیں [3] ـــــ صدر الافاضل نے اس کا تعاقب کیا

---

[1] علامہ اقبال نے اسی قسم کے خیالات سے متاثر ہو کر کہا تھا ؎
دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

[2] السواد الاعظم شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، صہ ۱۶، ۱۷

[3] السواد الاعظم، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ، صہ ۱۷، ۲۴

اور بڑی دل لگتی بات فرمائی :-

شرکت وطنی ہے تو وطنی امور میں شرکت و اتحاد کیجیے ، مذہب کو اس میں دخل دینا یقیناً ناصواب و ناروا ہے۔[1]

مسلمانوں کی اس ڈھیل سے ہندو اتنے جری ہو گئے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے واعظین مقرر کئے، مطالبے پیش کئے اور کہیں گاؤکشی کو حکماً بند کرا دیا گیا۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو اخبار ہمدم (دہلی) میں "آہنسا پرچارنی سبھا کاشی" کی طرف سے یہ اشتہار شائع کیا گیا :-

ایک مسلمان مولوی صاحب لکچرار چاہئیں واسطے آہنسا پرچارنی سبھا کاشی کے جو چھوٹی قوموں مثلاً کنجڑا، قصاب، کبڑیے وغیرہ میں جاکر پہلے مولود شریف کریں بعدہٗ رحم و ترک گوشت خوری پر لکچر بشہر دیں۔[2]

شاہ افغانستان امان اللہ خان بسیاحت یورپ کے دوران ہندوستان سے گزرے تو بمبئی میں جمعہ کی نماز کی امامت فرمائی اور خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

نہایت درجہ شرم کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان گائے کے سوال پر ہندوؤں کے جذبات کی عزت نہیں کر سکتے۔[3]

اس بیان کی پذیرائی کے لئے ہندو مہاسبھا کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں امان اللہ خاں کا شکریہ ادا کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ گاؤکشی قطعاً بند کر دیں۔[4]

---

[1] السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ۱۷/۲۲

[2] السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۳۹ھ، نوٹ :- اور ایک زمانہ وہ بھی آیا جب کلکتہ سے ایک اشتہار شائع ہوا کہ معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مورتیاں بنا کر فروخت کی جا رہی ہیں۔ شاید اس لئے کہ مسلمان ہندوؤں کے قریب تر آ گئے ہیں، اس بہانے ان کو بت پرستی کی طرف مائل کیا جائے۔ (السواد الاعظم محرم الحرام ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء صـ۷)

[3] روزنامہ ہمدم (دہلی) ۲۱ دسمبر ۱۹۲۷ء (السواد الاعظم رجب و شعبان ۱۳۴۶ھ/ صـ۲۱

[4] ایضاً، صـ۲۱، ۲۵

اور پر گزر چکا کہ حکیم اجمل خاں نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ترک گاؤکشی کیلئے ہدایت فرمائی ۔۔۔۔ مولوی عبد الباری فرنگی محلی بھی اس کی حمایت میں تھے چنانچہ السواد الاعظم میں اس مسئلے پر مولانا محمد میاں قادری برکاتی کی کھلی چٹھی مولوی عبد الباری فرنگی محلی کے نام شائع ہوئی ہے ۔۔۔۔[1]

لیکن طبقہ علماء اور عوام میں اس تحریک کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی گئی ۔۔۔۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترک گاؤکشی کی مخالفت میں ایک فاضلانہ فتویٰ السواد الاعظم میں شامل ہے ۔۔۔۔[2]

اس سلسلے میں بہت سے جلسے بھی ہوئے چنانچہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو قصبہ بیسلپور مدرسہ اسلامیہ جامعہ شائی میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت منشی احمد اللہ خاں صاحب رضوی نے فرمائی۔ اس جلسے میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

۱۔ یہ جلسہ مسٹر گاندھی، مسٹر شوکت علی، محمد علی اور مولوی عبد الباری وغیرہم کی پالیسی و طرز عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ گائے کی قربانی چھوڑنے کے واسطے تیار نہیں ہے اور ان لوگوں سے متنفر ہے جو اس شعار اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۳۔ یہ جلسہ جناب اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا مولوی حاجی قاری مفتی شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کے فتووں کو جو رسالہ حلت میں شائع ہوئے ہیں، وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کی پابندی ہر مسلمان پر ضروری سمجھتا ہے۔[3] (مقصود علی، سکرٹری، محمڈن کمیٹی، بیسلپور)

---

[1] السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۹ھ صـ۹ تا ۱۴

[2] السواد الاعظم، جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ/ صـ۱۳ تا ۱۷

[3] السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ صـ۲۲

حضرت صدر الافاضل اور فاضل بریلوی کی کوششوں سے[1] وہی مولوی عبدالباری جنہوں نے گاندھی کی متابعت پر فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ے

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی[2]

آج ان کو اللہ تعالےٰ نے توبہ کی توفیق عنایت فرمائی چنانچہ ۲۰ مئی ۱۹۱۹ء ، ۱۳۳۹ھ کو اخبار ہمدم (لکھنؤ) میں مولانا کی توبہ شائع کردی گئی جس سے باغیرت مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ہر طرف سے فاضل بریلوی کو مبارکباد کے تار بھیجے اور جلسے بھی کئے چنانچہ مراد آباد میں مسجد میر عباس علی اور مسجد چوکی حسن خاں میں اسی قسم کے جلسے ہوئے ـــــــ

مولانا عبدالباری کا توبہ نامہ السواد الاعظم کے صـ۱۹ سے صـ۲۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں :-

"اے اللہ! میں نے جو امور قولاً و فعلاً، تقریراً و تحریراً بھی کئے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا ہوں، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا ہے، ان سب سے اور ان کی مانند امور سے ـــــــ محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کرکے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! اے اللہ! توبہ قبول کرنے والے! میری توبہ قبول کر اور مجھے توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں۔[3]

---

[1] مولوی عبدالباری کی غلط روش پر فاضل بریلوی نے سخت تنبیہ فرمائی۔ یہ پوری تفصیل السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ صـ۲ سے صـ۲۰ تک پھیلی ہوئی ہے۔

[2] السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ، صـ۱۴

[3] السواد الاعظم ۱۳۳۹ھ ۔ نوٹ :- مولوی عبدالباری فرنگی محلی کی توبہ اور شکست توبہ کی داستان ملاحظہ کرنی ہو تو مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی کی مرتبہ کتاب الطاری الداری

وسط رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں بریلی میں جمعیۃ العلماء ہند کا ایک عظیم جلسہ ہوا اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا امجد علی (خلیفہ فاضل بریلوی) کے درمیان سیاسی امور پر گفتگو کرنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے مراسلت ہوئی جو بے نتیجہ رہی۔

اس کے بعد علماء اہلسنت نے یہ طے کیا کہ خود جلسہ میں پہنچیں چنانچہ دس بارہ علماء جلسہ گاہ میں پہنچے، صدر جلسہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے، چنانچہ اظہار خیال کے لئے ان سے وقت مانگا گیا، مولانا نے ۲۵ منٹ دیئے، فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ترک گاؤ کشی اور ترک موالات کے خلاف مدلل تقریر فرمائی اور اس مسئلے پر علماء اہلسنت کے موقف کو واضح کیا، ان کی تقریر سے مجمع کا رنگ بدل گیا، پروفیسر موصوف نے مسٹر گاندھی کو پیشوا بنانے والے اکابرین خلافت کمیٹی کی سخت و فاحش شرعی غلطیوں کی بھی نشاندہی فرمائی اور یہ کہا کہ علماء اہلسنت کو ترکوں کی مدد اور مقامات مقدسہ کی حفاظت سے انکار و اختلاف نہیں، اختلاف ہے تو ان حرکات سے جو دین اسلام کے منافی ہیں ـــــــ

سید سلیمان اشرف کی تقریر کے بعد مولانا آزاد نے تقریر فرمائی اور جلسہ کا رنگ دیکھتے ہوئے سید صاحب سے اپنے ذاتی مراسم کا ذکر کیا اور ان کی تقریر پر اظہار مسرت فرمایا، نیز فرمایا :-

---

بقیہ حاشیہ صـ۲۳۰ لفوات عبدالباری (مطبوعہ بریلی ۱۳۳۹ھ) چھپی ہیں اس کا تعارف کراتے ہوئے فاضل بریلوی نے کہا ہے :

زہ علم و فن جناب عبدالباری — خوش سکہ زن جناب عبدالباری
یک کودک من طاری داری نوشت — دندان شکن جناب عبدالباری

(الطاری الداری، حصہ ۱)

اس کتاب کے حصہ سوم میں فاضل بریلوی کے دو سو سے زیادہ فارسی و عربی ناصحانہ و ناقدانہ اشعار ہیں جو اب تک فاضل بریلوی کے کسی شعری مجموعے میں شائع نہ ہو سکے، اس کے

باقی صـ۲۳۱ پر

موالات جیسی نصاریٰ کے ساتھ حرام ہے، ہندو کے ساتھ بھی حرام ہے ___ ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندو، گاندھی ہو جائیں اور مسلمان ان کا اتباع کریں تو میں کہوں گا کہ وہ سب بت ہیں اور یہ بت پرست ___ کس ذمہ دار شخص نے ہندوؤں کے ساتھ موالات جائز کہی ہے ؟ ؎۱

پروفیسر سلیمان اشرف کی تقریر کے بعد فاضل بریلوی کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے خطاب فرمایا اور حرمین شریفین، مقامات مقدسہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت کو بقدر طاقت و وسعت فرض عین قرار دیا اور فرمایا کہ ہمیں ترک موالات سے اختلاف نہیں کرنا۔ اختلاف ان امور سے ہے جو اختیار کئے گئے۔

بقیہ حاشیہ ص۲۳۱ علاوہ فاضل بریلوی کے مولنا عبدالباری کے نام ۱۲ مکاتیب ہیں اور مولانا عبدالباری کے فاضل بریلوی کے نام ۱۶ مکاتیب ہیں اور بعض دوسری نہایت اہم تفصیلات ہیں۔
مسعود

؎۱ السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ، ص۱۵ نوٹ: مولانا آزاد نے ۱۹۲۱ء میں یہ بات فرمائی اور اسی سال جمعیۃ العلماء ہند کے جلسے منعقدہ بریڈلا ہال لاہور میں فرمایا۔

"مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ وجود کہ جس وجود کو اگر رائی برابر اللہ اور اس کی شریعت اور اس کا ایمان محبوب ہے وہ ایک منٹ کے لئے انگریزی گورنمنٹ کی غلامی کو، اس کی اطاعت کو، اس کی وفاداری کو، اس کے وجود کو، اس کی بقا کو قبول نہیں کر سکتا۔"

(خطبہ صدارت تقریری، مرتبہ مشتاق احمد، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۱ء، ص۲۷)

یعنی اس کے برخلاف مسلمان وہ ہے جو ہندو کی غلامی کو، اس کی اطاعت اس کی وفاداری، اس کے وجود کو، اس کی بقا کو قبول کر سکتا ہے ___ یہ محض قیاس نہیں بلکہ مولانا آزاد نے ہمارے قیاس کو اپنے عمل سے سچ کر دکھایا۔
مسعود

اس کے ساتھ ساتھ جماعت رضائے مصطفےٰ ؎۱ کی طرف سے ستر سوال بعنوان اتمام حجت کا بھی ذکر فرمایا اور مولانا آزاد سے اس کا جواب طلب کیا اور فرمایا کہ جب تک آپ ان حرکات سے باز نہیں آتے ہم آپ کے ساتھ شریک نہیں۔ اس کے بعد مولانا آزاد سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

مولانا حامد رضا خاں :- حضرت آپ کو بھی تو اپنی حرکات سے توبہ کرنی ہے ؟

مولانا ابوالکلام آزاد :- میری کیا حرکات ہیں ؟

؎۱ جماعت رضائے مصطفےٰ قریباً ۱۹۱۰ء میں بریلی میں قائم ہوئی، اس کے اہم مقاصد یہ تھے :-

۱۔ طالبان حق کو راہ حق دکھانا۔
۲۔ مسلمانوں کو بدمذہبوں سے محفوظ رکھنا۔
۳۔ رہزنان راہ حق سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو بیدار کرنا۔
۴۔ تمام دشمنان اسلام و ایمان سے ترک موالات کے لئے تیار کرنا۔
۵۔ اتحاد مومنین اور ترقی اسلام کے لئے کوشش کرنا۔

(بحوالہ تحقیقات قادریہ، بریلی ۱۹۱۹ء، ص۵۰)

جماعت رضائے مصطفےٰ نے بہت سی علمی اور سیاسی خدمات بھی انجام دیں۔ سیاسی خدمات کا پیچھے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ علمی خدمات کے سلسلے میں اس کی بہت سی مطبوعات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے جن میں سے چند یہ ہیں :-

۱۔ احمد رضا خاں : المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء، بریلی۔
۲۔ محمد عبدالعظیم : صحیح دماغ مجنون (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) بریلی
۳۔ محمد مصطفےٰ رضا خاں : الطاری الداری لھفوات عبدالباری ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء بریلی
۴۔ احمد رضا خاں : احکام شریعت (۱۹۲۰ء) بریلی
۵۔ احمد رضا خاں : الرمد المذصف علی سوال مولانا السید آصف ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء بریلی

وغیرہ وغیرہ۔ مسعود

مولانا حامد رضا خاں :۔ آپ نے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف پڑھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد :۔ میری طرف یہ نسبت کذب ہے۔ [1]

مولانا آزاد نے جلسہ گاہ میں تمام غیر شرعی امور سے توبہ کرنے اور ان سے اپنی بیزاری شائع کرنے کا وعدہ فرمایا (بقول فاضل مدیر السواد الاعظم)

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے پُر آشوب دور نے علماء و صوفیہ کی عقل و شعور کو متاثر کیا تھا، ان کے فیصلے بھی حالات [2] سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مولوی عبدالباری اور مولانا آزاد کا حال اوپر گزر چکا، خواجہ حسن نظامی [3] مرحوم نے بھی اس زمانے میں مجالس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کو ہندوؤں کی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی بند کر دیں [4] ——— ایک جگہ انہوں نے جھٹکے کے گوشت کو ذاتی طور پر جائز تحریر فرمایا ہے [5] ——— اور ایک دوسری جگہ استنجے کے لئے ڈھیلے کے استعمال کو عرب کی وقتی ضرورت قرار دیا ہے [6] ——— اس طرزِ عمل پر گرفت کرتے ہوئے تاج العلماء نے مسلمانوں کو غیر شرعی اور غیر اسلامی روش اختیار کرنے سے روکا ہے اور سخت تنبیہ کی ہے۔" [7]

---

[1] السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ، صہ ۱۵، ۱۶ ——— **نوٹ** :۔ یہ خبر اخبار فتح (دہلی) ج۔ ۲۰ صہ ۲۲ میں شائع ہوئی تھی۔ جس کے عینی شاہد مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی تھے اور جس کو فاضل بریلوی نے اپنے رسالے المحجۃ الموتمنۃ (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء) میں نقل فرمایا ہے، صہ ۸۵۔ مسعود

[2] السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء، صہ ۱۹، ۲۰

[3] خواجہ حسن نظامی مرحوم اردو کے مشہور ادیب ہیں اور ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ شاہ و گدا، کافر و مشرک اور مسلمان سب ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہیں ۱۹۵۴ء میں دہلی میں انتقال فرمایا، مزار درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء میں واقع ہے۔ مسعود

[4] اخبار حق (لکھنؤ) ۱۹ اگست ۱۹۲۹ء/ ۱۳۴۸ھ۔ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء صہ ۱

[5] اخبار جمہور (کلکتہ) بحوالہ السواد الاعظم رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ صہ ۹

[6] اخبار منادی (دہلی) یکم فروری ۱۹۲۹ء بحوالہ السواد الاعظم شعبان ۱۳۴۷ھ صہ ۱

اسی طرح ناظم جمعیۃ العلماءِ ہند مولوی احمد سعید [1] نے اپنے ایک مضمون میں کرشن کو خراج عقیدت پیش کیا [2] ——— تاج العلماء نے اس کا تعاقب کیا ہے۔ [3] ———

جمعیۃ العلماءِ ہند کے صدر مفتی محمد کفایت اللہ [4] نے شردھانند کے قاتل غازی عبدالرشید کیلئے فتوٰے دیا کہ وہ جنت سے محروم ہے ——— انہوں نے فرمایا :

"کافر معاہد کا قاتل جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا۔" [5]

ایک طرف حضرت مفتی صاحب نے یہ فتوی عنایت فرمایا اور دوسری طرف جب مسلمانوں نے شردھانند کے قصاص میں غازی عبدالرشید کی شہادت پر ماتم کیا اور فاتحہ خوانی کی مجلسیں منعقد کیں تو ہندوؤں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس کا برملا اظہار کیا [6] ——— غالباً ہندوؤں کی خواہش یہ تھی کہ جس طرح انہوں نے

بقیہ حاشیہ صہ ۲۲۴ [7] السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء صہ ۹

[1] مولوی احمد سعید مرحوم مسلک دیوبند کے عالم ہیں مگر سیاسی حیثیت سے زیادہ ممتاز رہے ——— مرنے سے پہلے رات کے ایک دوست سے فرمایا "دل تو یہ چاہتا ہے کہ میری نماز جنازہ امام صاحب (مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ) پڑھائیں، مگر ان کے ساتھ بدعت کا دم چھلا لگا ہوا ہے، خیر مولوی یوسف (ابن مولوی محمد الیاس مرحوم) سے پڑھوا دینا، لیکن اگر وہ نہ ملیں تو پھر امام صاحب سے ہی پڑھوا دینا ——— ایک اور عزیز سے فرمایا "میاں کچھ بھی کہو سچی بات تو یہ ہے کہ مرتے وقت ہر دیوبندی کو بدعتی ہونا ہی پڑتا ہے"۔ (مسعود)

[2] روزنامہ تیج (دہلی) کرشن نمبر ۱۹۳۰ء

[3] السواد الاعظم ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ صہ ۲۵

[4] مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم مسلک دیوبند کے ممتاز عالم تھے، ابتداء میں سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن بعد میں سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر درس و تدریس اور فتوی نویسی میں وقار و سنجیدگی سے گزار دی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء میں دہلی میں انتقال فرمایا، اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ پر مدفون ہوئے۔ مسعود

(باقی اگلے صفحہ پر)

شردھانند کے شہید نمبر نکالے، اسی طرح مسلمان بھی نکالیں۔

اسی طرح راجپال نے جب اپنی کتاب "رنگیلا رسول" شائع کی اور مسلمانوں کے احتجاج پر اس کے خلاف مقدمہ چلا اور عدالت عالیہ پنجاب نے اس کو بری کر دیا تو تاج العلماء نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا[۱] ــــــ پھر جب پنجاب کے ایک نوجوان غازی علم الدین نے اس کو قتل کیا تو ابھی مقدمہ زیر سماعت تھا لیکن قوم پرست پریس نے علم الدین کو مرتکب جرم قرار دیا اور اس فعل کو بزدلانہ قرار دیا[۲] ــــــ

قوم پرستی اور مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر نوازش و عنایت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے حوصلے بڑھ گئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب دل کی بات زبان پر آئی، بڑے سلیقے سے تنظیمیں بنائیں اور مسلمانوں کو شہید کیا۔ مثلاً سیوا سمیتی کے نام سے ایک ہندو تنظیم وجود میں آئی۔ اس کے رضاکار ریلوے اسٹیشنوں پر مسافروں کو پانی پلاتے اور ان کو آرام و آسائش پہنچانے میں مدد دیتے، اسی تنظیم نے جبل پور میں مسلمانوں کے خلاف زبردست فساد کیا۔[۳]

۱۹۲۸ء میں بیہڑ (ضلع مراد آباد) میں ہندو مسلم فسادات ہوئے، السواد الاعظم نے ہندوؤں کے مظالم کے چشم دید واقعات لکھے ہیں۔ اس سلسلے میں ۲۵، نومبر ۱۹۲۸ء کو انجمن اہل سنت و جماعت، مراد آباد نے ایک کمیٹی تشکیل دی اور ۶، دسمبر ۱۹۲۸ء کو تاج العلماء تحقیقات کے لیے جائے واردات پہنچے جس سے معلوم ہوا۔

بقیہ حاشیہ صہ ۲۲۵ و۔ السواد الاعظم، رجب المرجب ۴۵ ۱۳ھ، صہ ۱۷

ب۔ اخبار ہمدم۔ لکھنؤ ۸ جنوری ۱۹۲۷ء

[۱] السواد الاعظم، جمادی الآخر ۱۳۴۶ھ صہ ۱۰، ۱۱

[۲] (و) السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۴۸ھ، صہ ۹ ب۔ السواد الاعظم ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ صہ ۸، ۹

[۳] السواد الاعظم، ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ، صہ ۱ [۳] مضمون سید احمد بلگرامی مطبوعہ اخبار ہمدم لکھنؤ ۲۴ جولائی ۱۹۲۱ء بحوالہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۹ھ، صہ ۶ تا ۸

۱۴، نومبر ۱۹۲۹ء کو سنگھٹن سورماؤں نے یہ فساد کیا، آگ لگائی، مسلمانوں کو زندہ جلایا، عورتوں اور بچوں کو بھی زخمی کیا، کلام مجید جلائے، مسجد کو آگ لگا دی ــــــ وغیرہ وغیرہ[۱]

اس زمانے میں جو کچھ ہوا اس کی ایک جھلک السواد الاعظم کے ان تاثرات میں نظر آتی ہے۔ :۔

ہر دوار میں مسلمانوں کی دکانیں لٹیں اور بے غم لیڈر اتحاد ہی کے نعرے بلند کرتے رہے۔ بنارس، مرزا پور، اوناؤ، کانپور، آگرہ وغیرہ مقامات میں ہندوؤں نے کیا طوفان برپا نہ کئے، کیسے کیسے لرزہ خیز مظالم نہ توڑے ــــــ اسی زمانے میں کٹار پور کی ستم رانیاں بروئے کار آئیں زندہ مسلمان جلا دیے گئے۔[۲]

یہ سب کچھ ہوا مگر ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کی جا رہی تھیں مگر قوم پرست مسلمان اس سے چشم پوشی کئے ہوئے تھے ــــــ جو کچھ ہو رہا تھا اس کی کہانی تاج العلماء کی زبانی سنیئے۔

ان کا طیش اور فتنہ انگیزی و جذبہ مسلم آزاری پہلے سے بدرجہا زیادہ ہو گیا ہے۔ ان کے لیڈر عام مجمعوں میں اپنی قوم میں اشتعال انگیزی کرتے ہیں اور انہیں مسلمانوں پر جور و ستم کرنے پہ آمادہ کرتے ور ابھارتے ہیں، ہندوؤں کی جماعتیں کی جماعتیں فن سپہ گری اور نبرد آزمائی کی مشقیں کر رہی ہیں، تقریباً تمام کی تمام قوم عداوت اسلام کے جذبے

---

[۱] السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۴۷ھ، صہ ۶ تا ۱۰

رپورٹ قاضی احسان الحق نعیمی، ناظم محکمۂ تبلیغ دار العلوم اہل سنت و جماعت، مراد آباد

[۲] السواد الاعظم، شوال و ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ صہ ۱۲

میں سرشار ہے ادنیٰ درجہ کے شخص سے لے کر اعلیٰ درجہ کے ہندو تک سب کے سب ایک ذہنیت رکھتے ہیں، روزانہ قتل و غارت کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ [1]

۱۹۳۰ء کے جس ماحول کا اوپر نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان راقم نے بچشم خود دیکھا ـــــ علماء اہل سنت و جماعت نے اس دور پُر آشوب میں جس سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ ان کے معاصرین سیاست دان اور قوم پرست علماء میں اس کا فقدان نظر آتا ہے چنانچہ تحریک خلافت و تحریک ترک موالات میں جو حضرات ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے وہ بعد میں یہ سوچنے پر آمادہ ہوئے جو کچھ انہوں نے کیا اس میں عقل سے زیادہ جذبات کی آمیزش تھی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تاج العلماء فرماتے ہیں :۔

---

[1] السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ ص۹

نوٹ :۔ فسادات کو ہوا دینے کے لئے ہندوؤں نے نفسیاتی حربے بھی استعمال کئے۔ مثلاً ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں دہلی میں ایک فوٹو چھاپ کر بکثرت تقسیم کیا گیا۔ اس میں دو بچوں کی تصویر دکھائی گئی، جنہیں لاہور کا مسلمان سرہند، دیوار میں زندہ چنوا رہا ہے ـــــ اس مرقع کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے :۔

۱۷۰۴ء میں سات اور چھ برس کے بالک دھرم پر بلدان۔ اورنگ زیب عالمگیر کے راج میں لاہور کے سرہند نے گرو گوبند سنگھ کے دو بالکوں سے کہا کہ تم مسلمان بنو :۔

زور آور سنگھ، فتح سنگھ : مسلمان نہیں بنیں گے، اسلام میں کونسی اچھی بات ہے، ویدک دھرم سے ؟

سرہند :۔ تمہاری بیگماتوں سے شادی، لونڈیاں خدمت میں حکومت کے لئے اورنگ زیب کے پاس۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

۲۱-۱۹۲۰ء میں جب خلافت کمیٹیاں کانگرس میں ضم ہو گئی تھیں، اس وقت بھی بتایا گیا تھا کہ ہندوؤں کی دوستی پر اعتماد خلاف قرآن، خلاف عقل، خلاف تجربہ ہے۔ مگر خود رائے لیڈر کب مانتے تھے، علمائے دین کے درپے آزار ہو گئے، ان کی زندگی اور عزت کے لئے خطرے پیدا کر دیئے، انہیں طرح طرح کے بہتانوں سے متہم کیا، ان کے ساتھ وہ عناد برتا جو کسی سخت سے سخت کافر کے ساتھ بھی برتنا انہیں اپنی زندگی میں کبھی نصیب نہ ہوا لیکن چند سال کے تجربوں نے انہیں یقین دلا دیا کہ علماء برسر حق تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور ان پر اعتماد خطرناک اور تباہ کن غلطی تھی۔ آج اس اتحاد کے علمبردار مسٹر محمد علی، شوکت علی، سید

بقیہ حاشیہ ص۲۲۸ زور آور سنگھ :۔ بیگماتیں، لونڈیاں، حکومت نہیں چاہتے۔ ۱۷۳۲ء میں گرو تیغ بہادر نے سر دیا تھا۔

سرہند :۔ تم کو زندہ دیوار میں چنوا دیا جائے گا

زور آور سنگھ :۔ دھرم پر تیار ہیں۔

(السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۵۰ھ، ص۱۴)

آپ نے دیکھا مسلمانوں کی تاریخ و کردار کو مسخ کرنے اور ہندوؤں اور سکھوں کو ان کی جانیں لینے کے لئے تیار کرنے کے لئے کیا کیا جتن کئے گئے۔ ایسی تصویر آگ لگانے کے لئے کافی تھی، جذباتی دور میں جمہور کا تنقیدی شعور تقریباً ختم ہو جاتا ہے اور دشمن جو چاہتا ہے ان سے کام لے سکتا ہے ـــــ

غالباً اسی زمانے میں مولانا آزاد نے سرمد شہید کی مختصر سوانح لکھی جس میں اورنگ زیب عالمگیر کے کردار کو مسخ کر کے قاری کو دارا شکوہ کی طرف مائل کیا ہے اور سرمد کا ہمدرد و غمخوار بنایا ہے۔ یہ سوانح "حالات سرمد" کے عنوان سے رحمانی پریس، دہلی میں طبع ہوئی۔

مسعود

جیب اور دوسرے لیڈر ہندوؤں کی بے وفائیوں کا رونا رو رہے ہیں
اور جو حضرات علماء نے فرمایا تھا ہو بہو ویسا ہی پاکر اتحاد کے زہریلے
اثر سے دور بھاگ رہے ہیں، وہی مولوی اور لیڈر جو گاندھی کی اطاعت
فرض سمجھتے تھے، آج گاندھی کو مسلمانوں کا بدخواہ مان رہے ہیں۔ [1]

۱۹۳۰ء میں تاج العلماء نے علماء حق کی جس ہدایت و نصیحت کی طرف اشارہ
فرمایا ہے، اس کے وہ خود بھی داعی تھے، چنانچہ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے مسلمانوں کو اس
انداز سے متنبہ کیا تھا۔

مسلمانو! ہوشیار! اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، صراط مستقیم
پر قائم رہو، جو علماء بلاد اسلامیہ کے ہم عقائد و ہم خیال ہیں، ان کے دامنوں
کو تھامو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو کسی آندھی کا جھونکا کسی
طوفان کی لہر، تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے، دوستوں کے لباس میں آنے والے
دشمن، ہمدردی و محبت کے گیت گا کر دل بھانے والے خوں خوار
تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں۔ تم کو اپنے دام فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں۔ [2]

اور ۱۹۲۹ء میں پھر متنبہ کیا:

مسلمانو! اسلامی احکام کے سامنے گردن جھکاؤ، شریعت کا احترام اور
پاسداری تمہارا فرض ہے، وقت کی نزاکت کو پہچانو! اپنی حالت کو دیکھو
اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو تباہ نہ کرو، شریعت کے مجرم نہ بنو، اپنی
آبرو، پیسہ، وقت ضائع نہ کرو۔ ہر اخلاق خراب کرنے والی مجلس سے
دور بھاگو۔ [3]

حقیقت میں شریعت کی محبت حضرات اہل اللہ اور علماء حق کی صحبت میں

۱۔ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ، ص ۱۰، ۱۱
۲۔ السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰، ۱۱ ۳۔ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۸ھ، ص ۶

بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بیشک اسلامی قانون کا مطالعہ بھی یہ محبت پیدا کر سکتا ہے
لیکن صحبت سے جو بات پیدا ہوگی، مطالعہ سے نہیں ہو سکتی، شخصیات میں ان کے
فکری اور معاشرتی پس منظر میں ہم اس فرق کو نمایاں طریقے سے دیکھ سکتے ہیں، اس
نفسیاتی اور عمرانی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں:

مگر یہ تنگی ایک مرض ہے، دل کی بیماری ہے، اس کا علاج ہونا ہے،
انبیاء اولیاء، مشائخ، علماء صلوات اللہ تعالےٰ علیٰ سید انبیائہ و علیہم اس
کے طبیب و معالج ہیں، [1] وہ تنگ دل کو وسعت عطا فرماتے ہیں [2] وہ
تاریک دل کو منور کرتے ہیں، اسی کو ہدایت ارشاد کہتے ہیں [3] مبارک
وہ دل ہے جو حبیب کی جلوہ گاہ ہو، حسن عالم افروز اس میں جلوہ کرے،
عرش الٰہی کہلانے کا مستحق ہو [4] وہ جمیل بے نیاز اس میں بسے، جس کی
سمائی آسمان و زمین میں نہ ہو سکے۔ وہ ہو اور بے شمار صدق و نیاز کے
ولولے اس پر فدا ہوں، عابدانہ اخلاص کی کروڑ ہا ادائیں اس کے حضور
فرائض عبدیت پیش کریں [5] تمام جہان سے وسیع دل قدوس قدیر کی پاکی
سے بھرا ہوا ہو اور اس کی عظمت و جلال اس میں نمودار ہوں، تمرد و بغاوت

۱۔ علامہ اقبال نے اس شعر میں اسی روحانی علاج کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎
خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے! یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

۲۔ علامہ نے اس شعر میں اسی وسعت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
علیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر انہوں نے خود محسوس کی ؎
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

۳۔ علامہ نے اس مصرع میں اسی فیض تربیت کا ذکر کیا ہے۔ ع
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی؟

۴۔ حدیث میں آتا ہے: قلب المومن عرش اللہ

۵۔ علامہ نے لذت عبدیت کا اس مصرع میں ذکر کیا ہے۔ ع
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

کا اس پاک عالم میں[1] نام و نشان نہ ہو ا صدق و وفا کی کائنات ، آئینِ عبدیت کے ساتھ مشغول سجود و رکوع و خشوع و خضوع ہو ، حی قیوم کے عشق و محبت میں یہ دل وہ حیات پائے جو دست بُرد فنا سے امین[2] ہو

آمین ![3]

---

[1] صدر الافاضل نے جشن "پاک عالم" اور جشن "آئینِ عبدیت" کا ۱۹۳۰ء میں ذکر فرمایا وہ "عالم پاک" ۱۹۴۷ء میں وجود میں آیا جس کے لیے یہی آئینِ عبدیت تجویز کیا گیا۔ —— چوہدری رحمت علی نے ۱۹۳۳ء میں اسی پاک عالم کا نام پاکستان تجویز کیا۔ (مسعودؔ)

[2] علامہ اقبال نے اس زندہ حقیقت کو اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

جذبات کی بیداری اور ہے ، دل کی بیداری اور ہے —— جذبات جاگ کر بہت جلد سو جاتے ہیں مگر دل جاگ کر پھر نہیں سوتا خدا دل کو یہ زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔ (مسعودؔ)

[3] السواد الاعظم ، رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ ، ص ۱-۵

(د)

اَلجَمعیة العَالیة المَرکزیة

مارچ ۱۹۲۵ء میں مرادآباد (بھارت) میں علمائے اہل سنت کی چار روزہ کانفرنس[1] ہوئی جس میں اہل سنت وجماعت کی تنظیم "الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ" (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس کے ناظم اعلیٰ صدرالافاضل ہوئے اور صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

اس تنظیم کے حسب ذیل مقاصد تھے۔

۱۔ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم کرنا اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک ربط پیدا کر کے متحدہ قوت بنانا۔

۲۔ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیت عالیہ کے ساتھ مربوط کرنا۔

۳۔ تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ وسیع کرنا اور اس کے لئے مفید ذرائع اختیار کرنا۔

۴۔ تبلیغ کی تعلیم دینے کے لئے خاص مدارس کھولنا۔

---

[1] یہ کانفرنس ۱۶ شعبان تا ۱۹ شعبان ۱۳۴۳ھ (۱۶ مارچ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء) کو جامعہ نعیمیہ کے میدان میں منعقد ہوئی۔ صدر مجلس استقبالیہ مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ تھے جن کی طرف سے خطبہ صدارت پڑھا گیا جس میں ان تمام امور کی نشاندہی کر دی گئی تھی جو ۱۹۴۶ء تک منظر عام پر آئے (خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء)

۵. مذہبی تعلیم عام کرکے مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر اور شائستہ بنانا۔
(الف) انگریزی خواں طلبہ کے لئے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام اور آسان ذرائع بہم پہنچانا۔
(ب) مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کے لئے مدارس شبینہ جاری کرنا۔
۶. مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔
۷. مسلمانوں سے قرض کی عادت چھوڑوانا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر اقوام کے سامنے قرض کے لئے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔
۸. مقروض مسلمانوں کے لئے وہ تدابیر اختیار کرنا کہ وہ ایک محدود مدت میں قرض سے سبکدوش ہوجائیں۔
۹. بے کار مسلمانوں کے لیے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔[1]

آل انڈیا سنی کانفرنس کی تشکیل کے بعد ہندوستان کے طول وعرض میں اس کے اجلاس ہوئے اور بہت سی مفید قرار دادیں پاس کی گئیں — ۱۶ مئی تا ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء کو پوکھریار (ضلع مظفر پور، صوبہ بہار) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا جس کے مستقل صدر مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ تھے اور صدر جلسہ مولانا سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ اس میں مذہبی، اقتصادی اور سیاسی اہمیت کی بہت سی قرار دادیں پاس ہوئیں۔[2]

۳ اگست ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس مراد آباد میں ہوا جس میں جموں وکشمیر میں محدث علی پوری، پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے داخلے پر پابندی گجراتی اخبار (ہندو، سورت) کی دریدہ دہنی اور اس کے جواب میں سلیمان ابراہیم

---

[1] السوادالاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ ص۵
[2] السوادالاعظم، ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ ص۱۲، ۱۳

مدیر رسالہ آفتاب اسلام (احمد آباد) کی کتاب کے بارے میں قرار دادیں پاس ہوئیں۔[1]
۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مراد آباد ہی میں ایک اور اجلاس ہوا جس میں شرعی کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف قرار داد پاس ہوئی اور لازمی تعلیم کے ساتھ جزوی طور پر مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے حق میں بھی قرار داد پاس ہوئی۔[2]

۱. انجمن اہل سنت وجماعت کی بنیاد قصبہ نبی پور (ضلع بھڑوچ، گجرات) میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کو زیر صدارت پیرزادہ بڑا صاحب میاں سجادہ نشین علامہ شاہ وجیہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ نبی پور میں رکھی گئی — بروقت ضرورت جمعیۃ العالیہ آل انڈیا سنی کانفرنس (مراد آباد) کے مشورے کام میں لئے جائیں۔[3]
۲. راج کوٹ (کاٹھیاواڑ) میں مولوی ابوالکمال مراد آبادی کی کوشش سے ۱۱ محرم ۱۳۴۹ھ کے اجلاس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی شاخ قائم کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔[4]

آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس ملک کے طول وعرض میں کئے گئے اور اس کا مقصد وحید وہ تھا جس کا اظہار تاج العلماء نے اس طرح کیا ہے:

"ہندوستان کے لئے مراعات طلب کرنے میں اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کی پروا نہیں کی تو مسلمان اپنی آواز خود علیحدہ کیوں نہ اٹھائیں، اپنے لئے ضروری اور مناسب مراعات کیوں نہ طلب کریں، اپنے حقوق کے مطالبہ سے کیوں زبان روکیں۔"[5]

---

[1] السوادالاعظم، صفر المظفر ۱۳۴۷ھ ص۱۸ [2] السوادالاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۷ھ ص۲
[3] السوادالاعظم، جمادی الاول ۱۳۴۷ھ، ص۱۸
[4] السوادالاعظم، محرم الحرام ۱۳۴۹ھ، ص۱۴
[5] السوادالاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ ص۱۲

اس مقصدِ عظمیٰ کا اظہار ۱۹۳۰ء/۱۳۴۹ھ میں کیا گیا، یہی وہ زمانہ ہے جب علامہ اقبال اس طرف متوجہ ہوئے۔ اور قائدِ اعظم نے عملی طور پر ۱۹۳۲ء میں مسلم لیگ میں دوبارہ شامل ہونے کے بعد مسلمانوں کی ملی وحدت کے لیے کام کیا۔

۲۰ مئی سے ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کو بہار (ضلع مالدہ بنگال) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا۔ ۲۰ مئی کو تاج العلماء اور صدر الافاضل کے شیخ طریقت حضرت شاہ ابو احمد محمد علی حسین اشرفی جیلانی (سجادہ نشین کچھوچھہ شریف) بحیثیت صدر کانفرنس تشریف لائے ـــــ ۲۱ مئی کو حضرت صدر الافاضل تشریف لائے ـــــ روزانہ دو اجلاس ہوتے تھے، صبح سے ۱۱ بجے تک اور پھر عصر سے رات گئے تک (ماسوائے وقفہ نماز) ـــــ آخری اجلاس میں صدر الافاضل نے چار گھنٹے تقریر فرمائی[۱]

اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل ریزولیشن پاس کیا گیا۔ اس کی زبان ذرا سخت معلوم ہوتی ہے لیکن چونکہ ایک تاریخی دستاویز ہے اور اس سے علماءِ حق کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہم بغیر کسی تبصرے کے یہ ریزولیشن پیش کرتے ہیں:

۱۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کانگرس کی تحریکات سے علیحدہ رہنا ضروری ہے، مذہب کا یہی حکم ہے اور اقتصادی مصالح کا بھی یہی اقتضاء ہے۔

۲۔ یہ جلسہ جمعیۃ العلماء کی گمراہ کن پالیسی پر اظہار نفرت کرتا ہے جو اس نے ہندوؤں کے اشارے سے مسلمانوں کو کانگرسی تحریکات کی تائید پر ابھارنے میں اختیار کر رکھی ہے، اور ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ جمعیۃ العلماء صرف چند خود غرض شخصیتوں کا نام ہے جو کٹھ پتلی کی طرح بالکل ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں ـــــ یہ جماعت مسلمانوں کی نمائندہ نہیں، نہ مسلمان اس کو اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

۱؎ السواد الاعظم، محرم الحرام ۱۳۴۹ھ ص ۳۵۔

۳۔ یہ جلسہ فلسطین کانفرنس بمبئی کی منظور شدہ تجاویز کی تائید کرتا ہے۔[۱]

یہ قرارداد ناظم محکمہ تبلیغ آل انڈیا سنی کانفرنس قاضی محمد احسان الحق نعیمی نے پیش کی۔

بنگال کی اس سہ روزہ کانفرنس کے بعد صدر الافاضل دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے ۳ جون ۱۹۳۰ء کو بھاگلپور تشریف لائے اور یہاں کانگریسی تحریکات کے ساتھ اشتراکِ عمل کے مضر پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور جامع و مدلل تقریر فرمائی ـــــ آپ نے فرمایا:

"جمعیۃ العلماء نے کانگریسی تحریکات کی شرکت منظور کر کے مسلمانوں میں ایک نئے تفرقہ و اختلاف کی بنیاد ڈالی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان آپس میں کٹ مریں گے اور ان کی قوتیں باہمی مخالفت پر ضائع ہو جائیں گی۔"

حضرت صدر الافاضل نے جس اندیشہ کا اظہار فرمایا، گردشِ دوراں نے سچ کر دکھایا، اور آج تک ہم اس فتنے کے اثرات سے کلیۃً محفوظ نہ رہ سکے۔

۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ قصبہ نبی پور (گجرات) کی جامع مسجد میں انجمن اہل سنت و جماعت کا جلسہ ہوا، جس کی صدارت قاضی اسماعیل نے کی۔ اس جلسے میں یہ قرارداد منظور کی گئی:

۱۔ یہ جلسہ گاندھی کی موجودہ تحریک آزادی وسول نافرمانی میں موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہندوؤں کے ظلم و ستم کا خیال کرتے ہوئے، مسلمانوں کو گاندھی کی آندھی میں شرکت کرنے سے منع کرتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند دہلی جو دیوبندیوں، وہابیوں پر مشتمل ہیں اور

۱؎ السواد الاعظم، محرم الحرام ۱۳۴۹ھ، ص ۳-۴

آجکل کے گاندھی نما شکلوں کے ہاتھ کھلونا بنی ہوئی ہے اور جنہوں
نے ہندوؤں کے ساتھ اس موقع پر اتحاد کیا اور وہ کانگرس اور
گاندھی کی تحریک آزادی وسول نافرمانی میں جذب ہوگئے اس کو ہم
انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ؎۱

۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں مولوی عبدالرشید صاحب نے بنارس میں
آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقد کئے اور پاک و ہند کے تمام
خانقاہوں اور آستانوں کو اپنے اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی، یہ دعوت
السواد الاعظم شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ میں شائع ہوئی ——— اس پر فاضل مدیر
تاج العلماء نے جو دردمندانہ تبصرہ فرمایا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

آج دنیا کی ہر قوم اپنی ترقی کے لیے دشوار ترین منزلیں حوصلہ مندی
کے ساتھ طے کر رہی ہے، اگر ہم ایک جسم مردہ کی طرح بے حس و حرکت
پڑے ہیں، ہم مٹتے جا رہے ہیں اور ہمیں اپنی حفاظت کا خیال تک بھی
نہیں آتا، کاش کے ہم میں آثار حیات عود کریں، ہماری آنکھ کھلے، ہمارے
ہوش درست ہوں ہم میں جذبۂ عمل پیدا ہو وہ اسلاف جن کے ناموں
پر فخر کیا کرتے ہیں، جن کے کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کر کے
اپنے وقار و افتخار کے سکے جمایا کرتے ہیں، اے کاش ہم ان کی راہ پر
دو چار ہی قدم چل سکیں ——— مبارک ہے وہ شخص جس کے
دل میں درد ملت ہو! ؎۲

جس کسمپرسی کے عالم میں آل انڈیا سنی کانفرنس قائم کی گئی اور اس کے اجلاس
بلائے گئے اس کا کچھ اندازہ اس پر سوز اپیل سے ہوتا ہے جو تاج العلماء نے ان
الفاظ میں پیش کی تھی:۔

؎۱ السواد الاعظم صفر المظفر ۱۳۴۹ھ ص ۱۵ ؎۲ السواد الاعظم شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ ص ۲

ظاہر ہے کہ دنیا کا سر و سامان ہمارے پاس نہیں، ہمارا طبقہ کا طبقہ غریب
ہے، نادار ہے، بے زر ہے، ہم دوسروں کی طرح کثیر اموال خرچ
کرنے کے قابل نہیں، ہم میں وسعت نہیں کہ اپنے اکابر و رہنمایان
ملت کو جمع کرنے کے لئے ان کے مصارف سفر کا تکفل بھی کر سکیں۔
ہم میں طاقت نہیں کہ ہم ان کی شان کے لائق میزبانی کی خدمتیں
انجام دے سکیں۔ اس لئے ہم دردمندان ملت سے التجا کرتے ہیں
کہ اگر وہ اس اجتماع کو دین و ملت کے لئے نافع خیال فرمائیں تو
زحمت سفر برداشت کریں۔ ؎۱

آل انڈیا سنی کانفرنس کا آغاز ۱۹۲۵ء میں مرادآباد کی سرزمین پر جس
سادگی سے ہوا، اس کا انجام ۱۹۴۶ء میں سرزمین بنارس میں نہایت ہی شاندار ہوا
گو اس کا ذکر السواد الاعظم سے غیر متعلق ہے لیکن چونکہ آغاز کا ذکر السواد الاعظم
میں موجود ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کے انجام کا بھی ذکر کر دیا جائے۔
اس کانفرنس سے کچھ قبل ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو پھپھوند ضلع اٹاوہ بھارت
میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس ہوا، جس میں مفتی سید مصباح الحسن صاحب
سجادہ نشین آستانہ صمدیہ، پھپھوند اور صدر جماعت استقبالیہ سنی کانفرنس کا خطبۂ
صدارت پڑھ کر سنایا گیا اس میں مفتی صاحب نے صدر الافاضل کی خدمات کو
سراہتے ہوئے فرمایا ہے:۔

مقام مسرت ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے عالی قدر ناظم حضرت
صدر الافاضل مولانا حافظ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی مدظلہ اور کانفرنس
کے دوسرے اکابر و کارکنان نے تین سال سے حالات کا گہری نظر سے
مطالعہ کرنے کے بعد سنی کانفرنس کی تشکیل کا مبارک آغاز فرمایا اور آج

؎۱ السواد الاعظم شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ ص ۲

الحمدللہ اس ادارے کی ہر صوبے کے اندر شاخیں قائم ہو چکی ہیں اور سنی کانفرنس کی اہمیت و ضرورت کا احساس طبقۂ اہل سنت میں پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ ؎۱

سیاست حاضرہ کے عنوان سے اس خطبے میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

عصر حاضر میں مسلمانان ہند کی سیاست نے ۱۹۴۲ء سے جو نئی کروٹ بدلی ہے اور مسئلہ پاکستان یعنی قیام حکومت اسلامیہ کا جو جذبہ عوام و خواص میں پیدا ہو رہا ہے، اسے ہمارے طبقۂ علمائے اہلسنت نے یہی نہیں کہ دور بیٹھ کر صرف مطالعہ ہی کیا بلکہ ہماری جماعت کے محترم علماء مجاہدانہ حیثیت سے از اول تا آخر اس جذبہ کے محرک و مؤید بنے ہوتے ہیں اور کانگریس جیسی ہندو جماعت کے مقابلے پر دس سال کے طویل زمانے سے بے پناہ خدمات انجام دے کر کانگریس کی ہر تحریک کو مردہ کر چکے ہیں۔ ؎۲

مفتی مصباح الحسن صاحب نے علماء اہلسنت کی جن مجاہدانہ کارگزاریوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کا نقطۂ عروج بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس کے وہ چار روزہ اجلاس تھے جو تحریک پاکستان میں نہایت موثر اور انقلاب انگیز ثابت ہوئے ـــــ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے مختصر حالات و کوائف پیش کر دیئے جائیں۔

۲۴ جمادی الاولیٰ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ / ۲۷ اپریل تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے، چاروں دن اجلاس کی صدارت محدث علی پوری حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب (۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) نے فرمائی۔

؎۱ مصباح الحسن، خطبہ صدارت، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۴

؎۲ ایضاً، ص ۶، ۷

ان اجلاس میں پاک و ہند کے تقریباً دو ہزار علماء کرام اور ۶۰ ہزار دوسرے عوام حاضرین شریک تھے خطبہ صدارت حضرت مولانا شاہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) نے دیا، یہ خطبہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے نہایت اہم ہے اور اس قابل ہے کہ کوئی سنجیدہ مؤرخ و سیاست داں گہری نظر سے اس کا مطالعہ کر کے اس کی اصل قدر و قیمت سے محبانِ وطن کو آشنا کرے۔ اس میں پاکستان اور مسلمانوں کے معاشی و علمی و سیاسی مسائل کے بارے میں جو انقلاب انگیز اور صاف ستھرے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ توجہ کے قابل ہیں اور ہم اب بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس میں جو تجاویز منظور ہوئیں ان میں نظریہ پاکستان کی خاص طور پر حمایت کی گئی ہے چنانچہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو بوقت ۹ بجے تا ایک بجے دوپہر باغ فاطماں میں جو اجلاس ہوا اس میں پاکستان کے بارے میں یہ قرارداد منظور کی گئی ہے

> آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن حکیم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔ ؎۱

اسلامی حکومت کے مستقل دستور و لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے مندرجہ ذیل علماء کی ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جس کا اسی قرارداد میں ذکر موجود ہے۔

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا

؎۱ مختصر رپورٹ خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹

بمنہ تعالیٰ وکرمہ

وہ حقائق افروز باطل سوز خزینۂ ہدایت صحیفۂ بلاغت

مختصر رپورٹ

خطبۂ صدارت

جمہوریۂ اسلامیہ

جو

حضرت حامی سنت ناصر شریعت سحبانِ ہند راس المحدثین رئیس المتکلمین
مولانا الحاج السید الشاہ سید محمد صاحب محدث اشرفی جیلانی کچھوچھوی
صدر جماعت استقبالیہ جمہوریت اسلامیہ دامت برکاتہم نے

آل انڈیا سنی کانفرنس

کے بےنظیر عدیم المثال تاریخی اجلاس منعقدہ ۲۳ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء دو ہزار مشائخ وعلماء اور ساٹھ ہزار سے زائد عام حاضرین کے عظیم الشان مجمع میں پڑھ کر سنایا اور مجمع لفظ لفظ اور فقرے فقرے پر جھوم جھوم گیا تحسین ومرحبا ونعرہائے تکبیر سے فضائے آسمانی گونج اٹھی اور بہت سے جملوں کے بار بار اعادہ اور تکرار کی استدعائیں کی گئیں، اکابر علماء نے اس خطبہ کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا شاہکار قرار دیا

باہتمام جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین احمد صاحب اہل سنت برقی پریس مراد آباد میں چھپ کر شائع ہوا

سرورق : خطبہ صدارت، جمہوریۂ اسلامیہ مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء

لے کے رہیں گے، مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے اس لفظ میں پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے، اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے۔ اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہوگیا۔ اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو اس کے معنی مشکوک ہوجاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتادے۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ ہوگا جس کی مشنری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری ذہنیں جھجکتی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہو تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے۔ لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جو یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی قرآن کی آزاد حکومت ہو جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امن دیا جائے۔ ان کو ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ جائیں ان کا دھرم جانے۔ ان کو اکفوا الیہم عہدہم سنا دیا جائے اور بجائے جنگ جدل کے صلح و امن کا اعلان کردیا جائے۔ ہر انسان اپنے پرامن ہونے پر مطمئن ہوجائے۔ اگر سنیوں کے اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کریگا۔ ان سنیوں نے نہ دستور اساسی پڑھا ہے نہ تجاویز پڑھی ہیں۔ نہ اخبارات کے ہفواتی اڈیٹوریل دیکھے ہیں، نہ غیر ذمہ داروں کے لکچر سنے۔ وہ صرف اتنا سمجھ کر کہ قرآنی حکومت اسلامی اقتدار لیگ کا مقصد ہے اس کے ساتھ ہوگئے ہیں، اور ان کو چھوڑ کر لیگ باقی ہی نہیں رہتی۔ اس کے دستور اساسی کا کیا سوال ہے۔ اب تو تمام سنیوں نے جو یقین کرلیا ہے وہی دستور اساسی بھی ہے، وہی تجاویز منعقدہ بھی ہیں لیگ ان کے لیے کوئی نیا دین نہیں ہے جس کو سوچ سمجھ کر ٹھونک بجا کر قبول کیا جائے بلکہ لیگ کے جذبات کی محض ترجمانی ہے جس کو وہ ہر معترض سے زیادہ خود سمجھ رہے ہیں۔ خیر یہ تو لیگی زبان

میں پاکستان کی بحث تھی۔ لیکن آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر طور پر یوں کہیے کہ خلافت راشدہ کا نمونہ ہو ہماری آرزو ہے کہ اسی وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے لیکن اگر عالم اسباب میں رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ حصہ بحصہ تھوڑا تھوڑا کر کے پاکستان بنا جائے تو اس کو بنایا جائے کسی حصہ زمین کو پاکستان بنا اس کے سوا دوسرے حصہ کے ناپاک رہنے پر رضامندی نہیں ہے بلکہ عالم اسباب میں حکمت تدریج ہے۔ ہندوستان تک صحابہ کرام نہیں پہنچے تو وہ اس لیے نہ تھا کہ ہندوستان کے کفریات و شرکیات سے راضی تھے۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ الاہم فالاہم مؤنتہ بلاد و قاتلوا صلح خدیبیہ کا یہ ترجمہ کسی جانور نے بھی نہیں کیا کہ اس میں مکے کے کفر و کفار سے رضامندی پائی جاتی ہے۔ بلکہ عالم اسلامی کو صاف نظر آنے لگا کہ مکہ جلد پاکستان ہونے والا ہے۔ معاہدے اور صلحنامے واعدوا لهم ما استطعتم کی تعمیل میں ہوتے ہیں اور بعد استطاعت خود ختم ہو جاتے ہیں آل انڈیا سنی کانفرنس کے پاکستان کے خلاف زبان کھولنے اور قلم چلانے سے پہلے خوب سوچ لیا جائے کہ داور حشر کے سامنے کیا ثنے کر جائینگے۔ پاکستان میں اس مجرم کو نہ بخشا جائیگا جو کلمہ پڑھ کر اپنے کو سنی کہہ کر اسلامی اقتدار کے تصور سے چڑھتا ہو۔

ہاں یہ عرض کرنا رہ گیا کہ حال میں وزارتی مشن کے سامنے سنا جاتا ہے کہ ڈاکٹر خان بھی پاکستان کا نعرہ لگا گئے ہیں لیکن یہ پاکستان ایسا ہے جس کو سن کر پاکستان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی ناراض نہیں۔ کیا عجب ہے کہ ۲۰ گز کے پاجامے پہننے والوں کے لیے لنگوٹیہ پاکستان بنانا منظور ہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

حضرات سطور بالا میں مسلم لیگ کا نام آ گیا ہے۔ اور اس طرح آیا ہے کہ وہ سنی کانفرنس سے بالکل جداگانہ ایک نظام ہے یہی حقیقت بھی ہے مسلم لیگ کا پروگرام عارضی ہے جو صرف پاکستان پر ختم ہو جاتا ہے

مفید تصانیف مرتب کرے اور بہم پہنچائے۔

مجلس سوم ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء بوقت ۹ بجے صبح تا ایک بجے دوپہر اندرون باغ خاں ساماں حسب ذیل تجاویز باتفاق آرا منظور ہوئیں

پاکستان

(۱) — آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں۔ اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

(۲) — یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لئے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کیلئے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ سید ابو المحامد سید محمد صاحب محدث اعظم ہند کچھوچھوی۔ حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب۔ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مولوی شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب۔ حضرت صدر الشریعہ مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب۔ حضرت مبلغ اعظم مولانا مولوی عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی۔ حضرت مولانا مولوی عبد الحامد صاحب قادری بدایونی۔ حضرت مولانا مولوی سید شاہ دیوان آل رسول علی خاں صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف۔ حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد صاحب لاہور۔ حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف۔ حضرت پیر سید شاہ عبد الرحمٰن صاحب بھرچونڈی شریف (سندھ)۔ حضرت مولانا شاہ سید زین الحسنات صاحب مانکی شریف۔ خان بہادر حاجی بخشی مصطفےٰ علی صاحب (مدراس)۔ حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد صاحب لاہور۔

(۳) — یہ اجلاس کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ مزید نمائندوں کا حسب ضرورت و مصلحت اضافہ کرے۔ یہ لازم ہوگا کہ اضافہ میں تمام صوبجات کے نمائندے لیے جائیں۔

عبدالعلیم میرٹھی صدیقی، مولانا عبدالحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف، ابوالبرکات مولانا سید احمد الوری، مولانا قمرالدین سیالوی، مولانا شاہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف، زین الحسنات پیر مانکی شریف، ابوالحسنات مولانا محمد احمد الوری[1]

---

[1] ایضاً۔ ص۲۹

نوٹ:۔ سید آل رسول علی خاں (سجادہ نشین درگاہ خواجہ معین الدین چشتی) کے ایماء پر ۵، اور ۶، رجب ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی نے مطالبہ پاکستان پر اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، اکابرین تحریک پاکستان لاہور ۱۹۷۶ء (مرتبہ محمد صادق قصوری) ص۲۱۴ تا ۲۲۱

مسعود

(۵)

تحریکِ سوراج اور کانگرس

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات نے جو جوش و جذبہ اور بیداری پیدا کی اسی نے تحریک سوراج اور تحریک کانگریس کو فروغ بخشا، اس تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے تاج العلماء فرماتے ہیں :-

گزشتہ زمانے میں تحریک سوراج نہایت زور شور سے چلی اور ملک نے عاقبت بینی و دور اندیشی کو بالائے طاق رکھ کر ایک غوغا مچا دیا اور مدہوش ہو کر ایسے غیر عاقلانہ افعال کئے جس کے تلخ ثمرات اب تک اٹھانے پڑ رہے ہیں۔ سوراج کے معنی ہندو راج تھے۔ اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو حکومت سے لڑوانے کے لئے مورچہ پر رکھ لیا تھا حتی کہ گورنمنٹ سے مقابلے کے لئے جو تحریک تھی اس کا نام عربی "ترک موالات" تجویز کر کے یہ بات گورنمنٹ کے خاطر نشین کرنی چاہی تھی کہ حکومت سے جنگ و مقاطعہ مسلمانوں کی طرف سے ہے ——— اور حکومت کے لئے جو لفظ تجویز کیا تھا وہ اپنی پرانی غیر رائج زبان کا لفظ "سوراج" تھا جس کا یہ مطلب تھا کہ حکومت کے مستحق تو ہندو اور بھینٹ چڑھانے کے لئے مسلمان ——— کتنے مسلمان ان ہنگاموں میں مارے گئے۔ کتنے اپنے اختیار سے بے روزگار ہو گئے۔ ان کی معاش خراب ہو گئی، اور ہندوؤں نے ان کی جگہ پر قبضے جمائے۔ طالب علموں نے اسکول چھوڑ دیے اور پھر چلتے چلاتے ایک ہجرت شعشعہ چھوڑ کر کتنے ہی کو بے خانماں کر دیا اور اس سوراج کی بدولت مسلمانوں

نے وہ ناکردنی افعال کئے کہ خدا کی پناہ۔[1]
لیکن مسلمان بھی "سوراج" حاصل کرنے کے لئے کانگرس کے ساتھ شریک ہو رہے تھے اور اس سے بے خبر تھے کہ یہ ان کے لئے مفید ہوگا یا مضر — اس موقع پر تاج العلماء اور صدر الافاضل نے مسلمانوں کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ چنانچہ "کانگرس اور مسلمان" کے عنوان سے اپنے مضمون میں انہوں نے مسلمانوں کو کانگرس میں شرکت سے روکا — اس مضمون میں پہلی بار ان اسباب کا ذکر کیا جن کی وجہ سے شرکت ضروری سمجھی جاسکتی تھی۔ پھر اس کا تدارک کرتے ہوئے وضاحت کی۔

سوالات

۱۔ مسلمانوں کو کانگرس کے ساتھ متحد العمل ہونے کے لئے کونسی ضرورت داعی ہے؟
۲۔ ان کے حق میں اس کا کیا ثمرہ ہوگا ؟
۳۔ ہندوؤں سے ہمیں کیا توقعات ہیں ؟

جوابات

۱۔ مسلمانوں کے لئے ہندوؤں کی شرکت کچھ ضروری نہیں۔
۲۔ اگر مسلمان اس وقت ہندوؤں کی شرکت کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں انگریزوں سے لڑا کر برباد کردیں گے، ان کے لئے یہ بھی "سوراج" ہوگا — ایک دشمن ہلاک ہوا تو مراد حاصل۔ پھر انگریزوں سے یارانہ کرلیں گے۔[2]
۳۔ جو قوم بدیشی اور غیر ملکی ہونے کی بناء پر حکمراں کو بھی ملک بدر کرنے پر تلی

---

[1] السواد الاعظم، ربیع الاول ۴۶ ۱۳ھ، ص ۱۲
[2] السواد الاعظم، ذیقعدہ ۴۸ ۱۳ھ، ص ۳، ۴

نوٹ :۔ انگریزوں سے یارانہ والی بات کھل کر سامنے آگئی، تقسیم ہند کے وقت ۱۹۴۷ء میں اسی "یارانہ" نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور سقوط ڈھاکہ کے وقت بھی (۱۹۷۱ء) اسی "یارانہ" نے مسلمانوں کو برباد کیا — (مسعود)

ہوئی ہے — وہ حکومت و اقتدار حاصل کرکے مسلمانوں کو ایک لمحہ کیلئے بھی ہندوستان میں نہ رہنے دے گی — ہندوؤں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ان کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی گنجائش پیدا ہوسکے گی، واقعات کی تکذیب اور خیال خام ہے، ہندو اپنا دھرم "اہنسا" بتاتے ہیں لیکن مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں —[1]
تمام ہندوستان کے مسلمان اس تحریک سے علیحدہ ہیں، معدودے چند اشخاص غلط فہمی یا کسی اثر کا شکار ہوگئے ہیں، ان کی شرکت، مسلمانوں کی شرکت نہیں سمجھی جاسکتی، مگر ہمیں ان سے بھی عرض کرنا ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں، فکر صائب سے کام لیں اور مسلمانوں کی جمہوریت سے علیحدہ نہ ہوں، ہندوؤں کی ذہنیت پر نظر ڈالیں۔[2]
تاج العلماء "کانگریسی تحریکات" کے عنوان سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔
اس گروہ کا دین و مذہب ملک پرستی ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ملک کی تمام آسائشیں اور راحتیں صرف انہیں کے لئے ہیں اور یہاں کی طویل و عریض فضا میں کسی دوسرے کو چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔[3]
"سوراج" کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ہندوستان سے ہر اس شخص کو نکال

---

[1] السواد الاعظم، ذیقعدہ ۴۸ ۱۳ھ، ص ۴
[2] ایضاً، ص ۵
[3] السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ، ص ۸

نوٹ :۔ ملک پرستی کا یہ نظریہ جو ہندو ذہنیت کی پیداوار ہے اس وقت صوبہ پرستوں کی ذہنیتوں کو مسموم کئے ہوئے ہے، اس کا علاج صرف دین و مذہب اسلام کے پاس ہے جو دلوں میں وسعت و سمائی پیدا کرتا ہے اور دشمن کو بھی رام کرسکتا ہے — (مسعود)

دیا جائے جس کو ہندو اپنے خیال میں غیر ملکی سمجھتے ہیں، یا تہ تیغ کر ڈالا جائے، دین و ملت سے مرتد کر کے غلام بنا لیا جائے، اور اچھوت قوموں کی طرح کتوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے "یہ سوراج" آریہ قوم کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ ایسے سوراج کا حصول مسلمانوں کی موت نہیں تو اور کیا ہوتا؟

——— اسی لئے تاج العلماء بڑی دل سوزی کے ساتھ دعا فرماتے ہیں:-

خدا نہ کرے کہ ایسا منحوس سوراج کا وقت کبھی آئے ورنہ مسلمانوں کی وہی حالت ہو گی جو ہندوؤں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستان کی قدیم اقوام کی کر رکھی تھی۔ بلکہ تجویز تو یہ ہے کہ جس طرح بدھ مت کو ہندوؤں نے ہندوستان سے نیست و نابود کر دیا اس طرح مسلمانوں کا بھی نام و نشان مٹا دیں۔ ہندوؤں کی یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی، اگر مسلمانوں میں سے زر خرید لوگ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو گمراہ نہ کریں۔ مگر بدقسمتی سے ہندوؤں کو ایسے افراد اور ایسی جماعت ہاتھ آ گئی، جمعیۃ العلماء نام کی جماعت شب و روز ہندو مقصد کی اشاعت میں سرگرم ہے اور اس کے اراکین اسلام اور مسلمانوں کے خون میں غوطہ لگا رہے ہیں۔

---

۱ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۹

تاج العلماء نے جو کچھ لکھا ہے اس کو خود ہم نے ۱۹۴۷ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھا، انگریز غیر ملکی تھا، نکال دیا گیا۔ مسلمان عرب سے آئے تھے، غیر ملکی تھے، ہزاروں لاکھوں تہ تیغ کر دیئے گئے، ہزاروں کو مرتد بنا لیا گیا، ——— دہلی کے کوچہ و بازار میں مسلمان ہندو کے برتن کو چھو نہ سکتا تھا، گویا اس کا حال بھی اچھوت سے کم نہ تھا، گو سیاسی سطح پر بلند نظر آتا تھا۔ ——— مسعود

مسلمانان ہند کو ہوشیار ہونا چاہیئے، خاموشی اور سستی کا وقت نہیں ہے ہر جگہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسی جماعتوں سے بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کریں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے نمائندے نہیں اور مسلمان ان کی آواز سے متفق نہیں ہیں۔[۱]

تاج العلماء نے ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ ایک عرصہ سے جمعیۃ العلماء کے نام سے ہندوستان میں ایک جماعت قائم ہے، جس کے صدر مولوی کفایت اللہ اور ناظم مولوی احمد سعید ہیں، ۳۰ مئی تا ۵ مئی ۱۹۳۰ء کو اس جمعیت کا امروہہ میں سہ روزہ اجلاس ہوا جس میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو شریک تھے۔ مراد آباد کانگریس کمیٹی کے ہندو اراکین و عہدہ داران زیادہ نمایاں نظر آ رہے تھے۔ اس اجلاس میں سول نافرمانی میں کانگریس کے ساتھ تعاون کی قرارداد منظور کی گئی ——— ارباب جمعیت پر تنقید کرتے ہوئے تاج العلماء لکھتے ہیں:-

ارباب جمعیۃ نے ہندوؤں کے ساتھ وداد و محبت کو قائم رکھا اور نہ ارتداد کا سیلاب روکا، نہ شردھانند کو اسلام سوز حرکات سے باز رکھا نہ ہندوؤں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی، نہ خلافت کمیٹی کے زمانے میں جب مسلمان قشقے لگاتے تھے، بتوں کی نقاب کشائی کے لئے جاتے تھے ہولی میں گلال ملتے اور رنگ کھیلتے تھے" اس وقت کوئی حکم اسلام کا انہیں سنایا؟ ——— بلکہ اس کے علی الرغم جب غازی عبدالرشید نے شردھانند کو قتل کیا تو اس غازی کو جنت کی خوشبو سے محروم گردانا۔[۲]

امروہہ کے جس اجلاس کا اوپر ذکر کیا گیا اس میں شرکت کے لئے مفتی محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ العلماء ہند) نے صدر الافاضل کو کئی خطوط لکھے اور پھر دعوت نامہ بھیجا،

---

۱ السواد الاعظم، محرم الحرام، ۱۳۵۰ھ، ص ۱۲

۲ السواد الاعظم، ذیقعد ۱۳۴۸ھ، ص ۲۷، ۲۸

لیکن صدر الافاضل نے مندرجہ ذیل معذرت نامہ ارسال فرمایا جو مومنانہ سیاسی بصیرت پر شاہد ہے:۔

عنایت فرمائے من جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء زاد عنایتہ[1]

ما ہو المسنون کے بعد گزارش ہے میرے پاس جناب کے خطوط اور دعوت نامے پہنچے، میں جناب سے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس فرمائیں کہ گزشتہ تجربوں نے یقین دلا دیا ہے کہ ہندو، مسلمانوں کی تباہی و بربادی کو "سوراج" سے زیادہ عزیز جانتے ہیں، انہیں کسی طرح گوارہ نہیں کہ سرزمین ہند میں مسلمانوں کا وجود رہے، اگر یہ تجربے نہ ہوتے تو بھی مسلمانوں کو قرآن پاک پر یقین ہے مشرکین کی شدت عداوت قرآن پاک میں وارد ہے، ان سے نفع کی امید اور وفاداری کی توقع خیال باطل ہے، اسی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بالعموم گاندھی اور کانگرس کی تحریکوں سے اس وقت تک قطعاً علٰحدہ ہیں۔

آپ جمعیۃ کو ایسے طریق عمل سے بچایئے جو گاندھی کی تحریک کے ہم معنی یا اس کی تائید ہو، اگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا تو علاوہ ان مصائب کے جو ہندو پرستی کی بدولت اٹھانے پڑیں گے، مسلمانوں کی جماعت کے انتشار اور ان کے اس نئے اختلاف کا وبال بھی آپ کی گردن پر ہوگا جو اس نئی تحریک سے پیدا ہو۔

اگر جمعیۃ نے قانون شکنی میں گاندھی کی روش اختیار کی تو یقیناً مسلمانوں کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے اور آپس میں کٹ مریں گے، آپ کو نہایت دانائی اور احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ۔ [1]

اس مکتوب کے مندرجات سے جو سیاسی بصیرت اور گہرائی مترشح ہے وہ اہلِ

[1] السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ صہ ۲۹

نظر پر ظاہر ہے۔ لیکن مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور وہ راستہ اختیار کیا جو مسلمانوں کے لئے مفید نہ تھا گو وہ خود مفید سمجھتے تھے —

حضرت صدر الافاضل سے — مسٹر گاندھی کی تحریک عدم تعاون اور قانون شکنی میں مسلمانوں کی شمولیت سے متعلق جب فتوٰی لیا گیا تو آپ نے تحریر فرمایا:۔

کانگرس یا گاندھی کی تحریک کی شرکت یا علٰحدہ کوئی ایسی ہی تحریک جو گاندھی کی شرکت کے ہم معنی ہے، مسلمانوں کے لئے ہرگز روا نہیں۔
ان سے اتحاد اور ان پر اعتماد اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے
لہٰذا مسلمان، گاندھی اور کانگریس کی تحریکات اور ان تحریکات کو تائید پہنچانے والی حرکات سے قطعاً مجتنب رہیں — واللہ سبحانہٗ اعلم

محمد نعیم الدین۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ[1]

کانگرس کے ساتھ اتحاد فی نفسہٖ بُرا نہ تھا لیکن جب ایک کمزور قوم، طاقت ور قوم کے ساتھ اتحاد کرتی ہے تو گو بظاہر وہ قوی ہو جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس طاقت ور قوم کے ہاتھ اس کا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے، اس اتحاد کے لئے بڑی دانائی، اور دور اندیشی اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے — اس زمانے میں مسلمان قوم کا جو حال تھا اس کا نقشہ تاج العلماء نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

گورنمنٹ برطانیہ کی قلم رو میں بہ لحاظ تعداد دو بڑی قومیں آباد ہیں۔ — ہندو اور مسلمان — ان میں ایک کی تعداد کثیر ہے دوسرے کی اس سے چہارم، پہلی قوی ہے دوسری نہایت کمزور۔ پہلی میں نظم و ارتباط ہے، دوسری میں کمال بد نظمی و انتشار، پہلی میں ہر ایک فرد دوسرے کا معین و مددگار ہے، دوسری میں بھائی بھائی کا دشمن اور

[1] السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ صہ ۳۴

خونخوار، پہلی مالدار ہے، اور دوسری نادار — پہلی حکام رس ہے دوسری بے زبان، پہلی کا عنصر حکومت کے ہر دفتر میں کثرت سے ہے اور اپنی قوم کی ہر ممکن اعانت کے لئے ہر وقت مستعد اور دوسری کے افراد حکومت کے محکموں میں برائے نام۔ پہلی قوم دوسری قوم کو کھائے جا رہی ہے اور دوسری قوم کی بے کسی اس درجہ پہنچ گئی کہ وہ فریاد کے لئے بھی آواز نہیں اٹھا سکتی، شکایت کرتے بھی ہمسایہ کے ظلم سے ڈرتی ہے۔ [1]

ایسی حالت میں مسٹر گاندھی کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنانا کہاں تک صحیح تھا؟

یہ بات کسی نے نہ سوچی، اس طرف علماء اہلسنت نے متوجہ فرمایا کہ گاندھی کی پیروی کرنا اور ہندوؤں کا ساتھ دین اسلام کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس بات کو نہ صرف علماء اہلسنت بلکہ خود ہندو لیڈروں نے بھی محسوس کیا، چنانچہ — لالہ لاجپت رائے آنجہانی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

ایک اور چیز جو ایک عرصے سے میرے لئے وجہ اضطراب ہو رہی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوت غور و خوض دوں۔ گزشتہ چھ ماہ میں، میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ہندو مسلم اتحاد ایک امر محال اور ناقابل عمل شئے ہے۔ وہ مسلمان راہنما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز ہندو مسلم اتحاد کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔ [2]

---

[1] محمد عمر نعیمی : تفرقۂ اقوام، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۲۶ء ص ۸

[2] اخبار مرتبہ ۱۲ فروری ۱۹۴۰ء مکتوب بنام مسٹر سی۔ آر۔ داس۔

اس واضح حقیقت کے باوجود جس کو علماء حق اور خود ہندوؤں نے محسوس کیا، ہندو مسلم اتحاد کی بات کی گئی اور مسلمانوں کے لئے مسٹر گاندھی کی پیروی کو ضروری قرار دیا گیا، چنانچہ ۱۹۴۰ء میں جب ابوالکلام آزاد آل انڈیا نیشنل کانگرس کے صدر بنے تو انہوں نے صدارتی خطبے میں کامیابی کے لئے مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر "اعتماد" کو ضروری قرار دیا۔ [1]

لیکن مسٹر گاندھی کی رہنمائی کی حقیقت کیا تھی؟ — وہ ایک فلسفۂ حیات تھا جس کی بنیاد ہندو مذہب پر قائم تھی کیونکہ گاندھی جی اول و آخر ایک سچے اور راسخ العقیدہ ہندو تھے۔ ایسے شخص سے کسی دوسرے مذہب کے مفاد کی توقع رکھنا عبث تھی — مسلمانوں سے ہندوؤں کا اتحاد اسی وقت ممکن تھا جب وہ فلسفۂ اسلام کو چھوڑ کر "فلسفۂ گاندھی" کو اپنا لیتے کیونکہ بقول لالہ لاجپت رائے "ہندو مسلم اتحاد" میں اسلام سب سے بڑی رکاوٹ ہو سکتا ہے —

"فلسفۂ گاندھی" والی بات جو اوپر کہی گئی محض قیاسی نہیں بلکہ یقینی ہے جس کی شہادتیں موجود ہیں چنانچہ مشہور ہندو لیڈر اچاریہ کرپلانی نے کانگرس کے لائحہ عمل کے متعلق اپنے بیان میں یہ صراحت کی ہے جو قابل توجہ ہے وہ فرماتے ہیں :۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ کانگرس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفے کے ماتحت چلائی جائے گی، یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آپ کسی اسکیم اور کسی اور فلسفۂ زندگی کے اصول پر چلا سکیں۔ کانگریسی اسکیموں کا قلم کسی اور فلسفہ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ فلسفۂ زندگی دنیا کے کسی اور فلسفۂ زندگی کے ماتحت نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس — سوشلسٹوں کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سوشلزم اور گاندھی ازم بالکل جدا جدا چیزیں ہیں جن میں کوئی مطابقت پیدا نہیں کی جا سکتی۔

---

[1] اخبار انصاری (دہلی) ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء

بہر حال گاندھی جی کا فلسفہ زندگی ایک ایسا مکمل فلسفہ ہے جس سے اجتماعاً قوم بھی صحیح رہبری حاصل کر سکتی ہے اور فرداً فرداً اشخاص بھی اس سے سیدھا راستہ پا سکتے ہیں۔ [1]

اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر اخبار مدینہ لکھتا ہے :۔

کانگرس کے ہر لیڈر کے لئے ضروری ہے کہ وہ گاندھی جی کے فلسفہ زندگی کو دنیا کے تمام دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے بہتر سمجھے اور کانگرس کے پروگرام کو گاندھی کے فلسفہ کی روشنی میں دیکھے۔ جو شخص ایسا نہیں کر سکتا وہ کانگرس کا ممبر نہیں بن سکتا۔ [2]

بحیثیت مسلمان یہ انداز فکر کتنا غیر اسلامی ہے۔ مگر مسلمانوں کے عقل و شعور پر کچھ ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ انہوں نے اسلام کے ایک زندہ فلسفہ حیات کے ہوتے گاندھی جی کے فلسفے کو ترجیح دی —— چنانچہ ابوالکلام آزاد نے اپنے صدارتی انتخاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

میرا انتخاب صدارت کے لئے درحقیقت مہاتما گاندھی کی قیادت پر اعتماد کا آئینہ دار اور اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ ملک ان کے پروگرام سے بالکل متفق ہے۔ [3]

گاندھی جی کے پروگرام سے متفق ہونا درحقیقت "فلسفہ گاندھی" کو اپنانا تھا، جو بقول اچاریہ کرپلانی دنیا کے دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے قطعاً مختلف ہے اور بقول مدیر اخبار مدینہ تمام فلسفوں سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے جو یہ فلسفہ اپناتا ہے وہ عملاً مسلمان نہیں رہتا چنانچہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بالکل ٹھیک کہا :۔

---

[1] اخبار مدینہ (بجنور) ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء
[2] ایضاً ،
[3] اخبار اسٹیٹس مین ، ۱۹ فروری ۱۹۴۰ء

جو مسلمان کانگرس میں شریک ہیں، وہ مسلمان ہیں کب ؟ میاں صاحب ! اگر اپنے ایمان کی خیر منانا چاہتے ہیں تو مسلمانوں کی کانگرس، مسلم لیگ میں جائیں۔ [1]

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ کانگرس کسی سیاسی تحریک کا نام نہ تھا بلکہ آخر میں یہ ایک مذہبی تحریک بن گئی تھی [2] —— اس لئے جب کانگرس میں کھل کر فلسفہ گاندھی کی بات ہونے لگی تو مسلمانوں نے عموماً اور علماء اہلسنت نے خصوصاً فلسفہ اسلام کی بات کی اور حقیقت میں اس طرح ہندوستان اور پاکستان دو متضاد اور مختلف مذہبی ذہنیتوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

ہندوستان کے مسلمان علماء حق کی کوششوں سے فلسفہ اسلام سے پہلے متعارف تھے اور اسلامی تحریک کے لئے راہ ہموار ہو چکی تھی۔ لیکن سیاسی سطح پر غالباً سب سے پہلے دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانان ہند کو علامہ اقبال نے اس طرف متوجہ فرمایا اور موصوف ہی نے قائد اعظم کو بھی اس طرف متوجہ کیا جنہوں نے اسی فکر سے خود بھی قوت حاصل کی اور پوری قوم کو طاقت ور بنا کر منزل تک پہنچایا۔

---

[1] اخبار انقلاب (بمبئی) ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء
نوٹ :۔ سردار پٹیل نے میاں افتخار الدین (صدر کانگرس پنجاب) کے کسی بیان کے جواب میں یہ اظہار خیال فرمایا۔

[2] ظاہر ہے گاندھی کا یہ فلسفہ اسلامی ہونے سے تو رہا کیونکہ وہ ایک راسخ العقیدہ ہندو تھے اس لئے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے فلسفہ کی بنیاد خالصۃً ہندو مذہب پر ہوگی —— دوسری طرف جب مسلمان فلسفہ اسلامی کی بات کرتے تو کہا جاتا :۔

" پولیٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجئے "۔

(مضامین آزاد ، حصہ دوم ۱۹۱۲ء)

علامہ اقبال فکری طور پر دسویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے بے حد متاثر تھے۔ تاثر کی انتہا ہے کہ انہوں نے اپنے تصورِ خودی کی بنیاد حضرت مجدد کے تصورِ وحدۃ الشہود پر رکھی۔[1] اور پھر جس طرح حضرت مجدد مسلمانانِ ہند کو دورِ اکبری کی پستی سے نکال کر عالمگیری دور کی بلندیوں پر لے گئے اسی طرح علامہ اقبال مسلمانانِ ہند کو برطانوی دورِ حکومت اور سوراج کی پستیوں سے نکال کر پاکستان کی بلندیوں پر لائے۔

اور یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ علامہ اقبال معاصرین میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۹۲۱ء) سے بھی بے حد متاثر تھے چنانچہ غالباً اسی سال علی گڑھ میں ایک دعوت کے موقع پر پروفیسر محمد سلیمان اشرف علیہ الرحمہ (م ۱۹۳۲ء) کی موجودگی میں علامہ نے فاضل بریلوی کی علمیت اور فقاہت کو خوب خوب سراہا[2] — قرائن بتاتے ہیں کہ وہ برابر ان کے افکار و خیالات سے مستفید ہوتے رہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ وہ "السواد الاعظم" بھی پڑھتے رہے ہوں کیوں کہ اس دورِ پر آشوب میں یہی ایک رسالہ تھا جو ان کے افکار و خیالات کے معیار پر پورا اتر سکتا تھا، بہرکیف اس سمت تحقیق کی جا سکتی ہے —

---

[1] راقم نے اپنے مندرجہ ذیل تحقیقی مقالات میں اس پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۱۔ علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ اقبال ریویو، کراچی اپریل ۶۴ء

۲۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں مقامِ عبدیت، مطبوعہ اقبال ریویو، کراچی، جولائی ۶۴ء

۳۔ شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں، مطبوعہ اقبال ریویو، کراچی، جنوری ۶۵ء

یہ تینوں مقالات کتابی شکل میں علامہ اقبال کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر شرقپور (پنجاب) سے شائع ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالےٰ۔ (مسعود)

[2] یہ انکشاف جناب عابد احمد علی مرحوم (مہتمم بیت القرآن، پنجاب، پبلک لائبریری لاہور) نے اپنے ایک تحریری بیان محررہ یکم اگست ۱۹۶۸ء میں کیا ہے، جس کا فوٹو اسٹیٹ راقم کے پاس محفوظ ہے، مرحوم اس دعوت میں شریک تھے جس کا ذکر متن میں کیا گیا ہے۔ — مسعود۔

(۹)

تقسیمِ ہند
اور
پاکستان

بالعموم تقسیم ہند کا ذمہ دار قائد اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ کو قرار دیا جاتا ہے یہ ایک تاریخی غلط فہمی ہے جو مخالفین کی طرف سے پیدا کی گئی ہے ۔ حقیقت حال یہ ہے کہ انگریز حاکموں کی جانب داری، ہندو ہم وطنوں کی تنگ دلی، علیحدگی پسندی و نفرت نیز ہندو لیڈروں بالخصوص مسٹر گاندھی کے سیاسی طرز عمل نے تقسیم ہند کے لئے راہ ہموار کی، پھر جب "فلسفۂ گاندھی" کی بات ہونے لگی تو مطالبہ تقسیم ہند، پاکستان کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

جیسا کہ "پس منظر" میں عرض کیا گیا سب سے پہلے محمد عبدالقدیر نے تقسیم ہند کے سلسلے میں مفصل تجاویز ۱۹۲۵ء میں مسٹر گاندھی کے سامنے رکھیں، یہاں ان تجاویز کے اہم نکات کا ہم پھر اعادہ کرتے ہیں۔

۱۔ ہندوستان کی تقسیم از سر نو قومیت کی بناء پر اس طرح کی جاوے کہ ہر قوم کیلئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علیحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقۂ اثر قرار دیا جائے۔ مثلاً مسلمانوں کے لئے حسب ذیل تین صوبہ جات بنائے جا سکتے ہیں:۔

(الف) صوبہ سرحدی (سرحد) بلوچستان اور مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی، اٹک، جہلم، گجرات، شاہ پور، میانوالی، جھنگ، مظفر گڑھ ڈیرہ غازی خان، اور ملتان کو یکجا کر کے ایک صوبہ بنایا جائے۔[1]

---

[1] محمد عبدالقدیر: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء صہ ۵۵

(ب) بنگال میں بوگرا، رنگ پور، ناج پور، جیسور، ندیا، فرید پور، ڈھاکہ، راجشاہی، پبنا، میمن سنگھ، باقر گنج، نواکھالی، چٹاگانگ، کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنا دیا جائے۔

(ج) سندھ کو بمبئی پریسیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنا دیا جائے۔

۲۔ یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ ملک کا نظم و نسق اس کے کثیر التعداد رعایا کے مفاد کے لئے کیا جائے گا۔

۳۔ قلیل التعداد اقوام کی حفاظت اور ادائے مراسم مذہبی و حقوق ملازمت وغیرہ کے لئے قواعد مرتب کر لئے جائیں ——

۴۔ تبادلہ آبادی کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقۂ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیل سکونت کر سکیں۔

۵۔ کمیشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبے کے عمل درآمد کے لئے پیش کیا جائے[۱]۔

۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر محمد اقبال نے الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم سے اسی تجویز کو آگے بڑھایا، پھر یہی تجویز ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کی گئی۔

حضرت صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی طبقہ علماء میں غالباً "پہلے عالم" ہیں جنہوں نے ۱۹۳۱ء میں "السواد الاعظم" میں اس تجویز کی پرزور تائید کی، انہوں نے فرمایا:

ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے، ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار، دوسرا مسلمانوں کے —— ہندوؤں کو کسی قدر اس پر غیظ آیا۔ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔

[۱] محمد عبدالقدیر: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء ص ۵۶، ۵۷

کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اس نسبت سے نفع ملتا تھا۔ کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برانگیختہ کرتی رہی اور انہیں اسی میں اپنا کیا ضرر نظر آیا بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقا کی ایک صورت اس میں نظر آتی تھی اور انہیں تھوڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا۔ اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور کرے گا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا۔ لیکن ہندو اس وقت ایسی خالی بات بھی نوک زبان پر لانے کے لئے تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو۔ اس حالت میں بھی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس!

کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں، مسلمانوں کی طرف سے ایک مطالبہ ہو اور ایک آواز گو اس میں اندیشہ ہے کہ بعض صاحبوں کی لیڈری اور پیشوائی کا علم بلند ہونے سے رہ جائے گا، مگر وہ اپنی اس خواہش کو کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھیں۔[۱]

ان تاثرات میں صدرالافاضل نے بعض حقائق بیان کئے ہیں اور بعض ہدایات و نصائح کئے ہیں —— سب سے بڑی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ ہندو فطری طور پر کسی ایسے خیال کے بھی روادار نہیں جس میں بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی بھلائی ہو —— اور پھر یہ ہدایت فرمائی کہ قوم پرست علماء اور مسلمان ایسے نازک وقت میں کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش رہیں تاکہ مسلمانوں کے سچے بہی خواہوں کی راہ میں کاوٹ تو پیدا نہ ہو —— لیکن لیڈری کا ذوق و شوق بہت برا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا نشہ

[۱] السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء، ص ۱۳، ۱۴

ہے جب لگ جاتا ہے چھوٹنا مشکل ہوجاتا ہے ـــــــ اسی لئے یہ نصیحت کی کہ مسلمان قوم پرست لیڈر ایثار و قربانی سے کام لے کر کچھ عرصہ کے لئے بیٹھ جائیں۔

صدرالافاضل نے تقسیم ہند کی تائید کرتے ہوئے ایک اور جگہ لکھا ہے:

"جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہوجائیں اور اپنے حدود علیحدہ کرلیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیئے دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اسی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کرلیں یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے ہر علاقہ میں اسی علاقہ والوں کی حکومت ہو، مسلم علاقہ مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی۔" [1]

۱۹۳۳ء میں چودھری رحمت علی (م ۱۹۵۱ء) نے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کی تجویز کی تائید کی اور غالباً سب سے پہلے انھوں نے سنہ مذکور ہی میں اس جدید اسلامی ریاست کا نام "پاکستان" تجویز کیا، ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ ۱۹۴۶ء میں علماء اہلسنت کی تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں ہزاروں علماء و عوام نے قرارداد پاکستان کی زبردست حمایت و تائید کی جس پر ہم تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ المختصر قائد اعظم اور دیگر سیاسی قائدین نیز علماء اہل سنت کی مشترکہ جدوجہد سے حقیقتاً پاکستان وجود میں آیا، علماء اہل سنت شریک نہ ہوتے تو قیام پاکستان مشکل ہی نہیں ناممکن ہوجاتا۔

قائد اعظم کی استقامت مسلمانان ہند کی پرجوش حمایت کی مرہون منت ہے، اور مسلمانوں کی یہ حمایت ذنابہان علماء اہل سنت کی انتھک مساعی کی مرہون منت

---

[1] السوادالاعظم، شوال المکرم و ذیقعد ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء، ص ۱۳۰، ۱۴۰

ہے جنھوں نے اس نازک دور میں ہندو مسلم اتحاد کے داعی علماء اور قوم پرستوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہوکر مسلمانان ہند میں جذبۂ اسلامی کو بیدار کیا جو تعمیر پاکستان کی تمہید ثابت ہوا ـــــــ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، مورخین کو اس نظر سے پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ پاک و ہند کے مورخین نے بالعموم سلاطین و قائدین پر علماء و صوفیہ کے اثرات کو یا تو نظرانداز کردیا یا سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ لیکن ہماری تاریخ حضرات علماء و صوفیہ کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی اور نہ مکمل سمجھی جاسکتی ہے ـــــــ ہم جسم کا ذکر کرتے ہیں، روح کو فراموش کر جاتے ہیں۔ حالانکہ جسم کے اندر روح ہی ایک زندہ حقیقت ہے ـــــــ اس کا ذکر کیا جانا چاہیئے ـــــــ ہم معمار کو بھول جاتے ہیں، تعمیر کا ذکر کرتے ہیں ـــــــ ہم ان دماغوں کو فراموش کردیتے ہیں جہاں سلطنتیں جنم لیتی ہیں اور قومیں بنتی ہیں:

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر!
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر!
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کفِ خاک
روح اس تازہ جہاں کی اسی کی تکبیر!

اقبالؒ

جب ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو حضرت بریلوی اور آپ کے مریدین و معتقدین کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ ان میں علماء و صوفیہ سب ہی شامل تھے جو تحریک پاکستان کی حمایت کے لئے فرد واحد کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تحریک پاکستان میں حضرت بریلوی کی خدمات علامہ اقبال اور قائد اعظم سے کسی طرح کم نہیں ——

جب مسلمانوں کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں مثلاً احرار، خاکسار، جمعیۃ العلماء ہند، قوم پرست مسلمان، دیوبندی حضرات (چند مستثنیات کے علاوہ) اور اہل حدیث پاکستان کی مخالفت کر کے پاکستان کے دشمنوں ہندوؤں اور انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے تو یہ حضرت بریلوی کے معتقدین ہی تھے جو تحریک پاکستان کی مدد کے لئے کھلے دل اور کامل یقین کے ساتھ آگے بڑھے ——

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان کو سب کچھ دیا اور اب انہیں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنائیں۔

(ترجمہ انگریزی)

(میاں عبدالرشید: اسلام، برصغیر پاک و ہند میں مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۶۷)

مآخذ و مراجع

کتب

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱	آزاد، ابوالکلام	مضامین آزاد (حصہ دوم)		۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۲	"	خطبۂ صدارت (تقریری)	دہلی	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۳	"	ترجمان القرآن		
۴	ابرار الحق	اسعد الابرار	بارہ بنکی	
۵	ابوالاحسان	تذکرہ فقیہ اعظم	لاہور	
۶	احمد رضا خاں، مولانا	احکام شریعت (حصہ سوم)	بریلی	
۷	احمد رضا خاں، مولانا	الاستمداد	لاہور	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۸	"	تدبیر فلاح و نجات و اصلاح	کلکتہ	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۹	"	حدائق بخشش (حصہ سوم)	بدایوں	
۱۰	"	المحجۃ المؤتمنہ	بریلی	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۱۱	"	اعلام الاعلام بان ہندستان دارالاسلام	بریلی	۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء
۱۲	احمد نوری، ابوالحسن	سراج العوارف	بدایوں	۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء
۱۳	اشتیاق حسین، ڈاکٹر	دی اسٹرگل فور پاکستان	کراچی	۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء
۱۴	"	علماء ان پالیٹکس	کراچی	۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء
۱۵	اشرف علی تھانوی، مولوی	تحذیر الاخوان عن الربوٰ الہندوستان	تھانہ بھون	۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
۱۶	اصغر حسین	حیات شیخ الہند	دیوبند	۱۳۷۸ھ/۱۹۴۶ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۱۷	اقبال احمد فاروقی	حواشی الاستمداد	لاہور	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۱۸	الطاف حسین حالی	حیات جاوید		
۱۹	انور شاہ کشمیری، مولانا	فیض الباری شرح صحیح البخاری	قاہرہ	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
۲۰	انوار الحسن، محمد	حیات امداد	کراچی	
۲۱	ایشری پرشاد، ڈاکٹر	لالہ لاجپت رائے کے سوانح اور کارنامے	لاہور	
۲۲	بشیر احمد ڈار	انوار اقبال	کراچی	۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
۲۳	جمیل الرحمٰن، محمد	پاسبان مذہب و ملت (تحقیقات قادریہ)	بریلی	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۴	جواہر لال نہرو	میری کہانی		
۲۵	محمد مصطفٰے رضا خاں	الطاری الداری	بریلی	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۶	حسن نظامی، خواجہ	مہاتما گاندھی کا فیصلہ	دہلی	
۲۷	" "	خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامی	"	۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
۲۸	حسین احمد مولوی	سفرنامہ شیخ الہند	لاہور	۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء
۲۹	" "	نقش حیات	دہلی	۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
۳۰	حشمت علی خاں، مولوی	راز سیرت کمیٹی	بمبئی	۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
۳۱	"	تقریر منیر قلب	لکھنو	۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء
۳۲	خدا بخش اظہر امرتسری	مسلم لیگ	لاہور	۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
۳۳	خلیل اشرف، مولوی	طمانچہ	ساہیوال	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۳۴	رشید احمد صدیقی، پروفیسر	گنج ہائے گراں مایہ	حیدرآباد دکن	
۳۵	رفیع اللہ صدیقی، پروفیسر	فاضل بریلوی کے معاشی نکات	لاہور	"

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۳۶	رازی، مولانا	متحدہ قومیت اور اسلام	لاہور	۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
۳۷	رحمان علی، مولانا	تذکرہ علمائے ہند	لکھنؤ	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۵ء
۳۸	سروجنی نائیڈو	گوکھلے من حیث الانسان (مترجمہ سید خورشید علی)	حیدرآباد دکن	۱۳۳۴ھ ۱۹۱۵ء
۳۹	سید محمد محدث کچھوچھوی	تنوی انقلاب	مین پور	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۴۰	" " "	اتمام حجت	کلکتہ	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۴۱	" " "	خطبہ صدارت جمہور اسلام	مراد آباد	۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء
۴۲	سید محمد سہسوانی	جناب محمد کی روایت کی دستاویز	دیوبند	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۴۳	سی۔ ایچ۔ فلپ	دی پارٹیشن آف انڈیا	انگلستان	
۴۴	صلاح الدین ناسک	تحریک آزادی	لاہور	۱۹۷۳ء
۴۵	صدیق علی خاں	بے تیغ سپاہی	کراچی	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۴۶	ضیاء الدین احمد برنی	جمال الدین افغانی	کراچی	۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء
۴۷	طاہر مراد آبادی	مہاتما گاندھی	مراد آباد	
۴۸	عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری	رسائل رضویہ (جلد دوم)	لاہور	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۴۹	عبد الحی حکیم	نزہۃ الخواطر جلد ہشتم	کراچی	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۵۰	عبد الحکیم شرف قادری	تذکرہ اکابر اہلسنت	لاہور	" "
۵۱	عبد الغنی، خواجہ	جمال الدین افغانی	علی گڑھ	
۵۲	عبد الرشید میاں	برصغیر پاک و ہند میں اسلام	لاہور	۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
۵۳	عبد السلام خورشید	صحافت پاکستان و ہند میں	لاہور	۱۹۶۳ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۵۴	عبدالغفار، قاضی محمد	حیات اجمل	علی گڑھ	
۵۵	عبدالقادر بدایونی	احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام	پٹنہ	
۵۶	عبدالقادر بدایونی، ملّا	منتخب التواریخ	کلکتہ	۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء
۵۷	عبدالقدیر بدایونی	ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام	علی گڑھ	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۵۸	عبدالقیوم	تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند	لاہور	۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء
۵۹	عبدالنبی کوکبؔ، قاضی	حیات سالک	لاہور	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۶۰	عبدالوحید خاں	مسلمانوں کا ایثار اور جنگِ آزادی		
۶۱	" " "	کانگرس کا برتاؤ مسلمانوں سے		
۶۲	غلام معین الدین مولانا	حیات صدر الافاضل	لاہور	
۶۳	مجلس خلافت پنجاب	تحریک عدم تعاون اور احکام دین	لاہور	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۶۴	محمد ابرار صدیقی	ترک موالات	بجنور	
۶۵	محمد ابراہیم بدایونی	احتراز الابرار عن شرور الاشرار	پٹنہ	۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
۶۶	محمد اسلم، پروفیسر	حضرت شیخ احمد سرہندی	لاہور	
۶۷	محمد اقبال، ڈاکٹر	ارمغان حجاز	لاہور	۱۳۷۸ھ/۱۹۴۸ء
۶۸	" "	مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان	لاہور	

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۶۹	محمد امین زبیری	ضیائے حیات	کراچی	
۷۰	محمد ایوب قادری، پروفیسر	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	"	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۷۱	محمد بہاء الحق امرتسری	نجدی تحریک پر ایک نظر	امرتسر	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۷۲	محمد حسن علی، مولانا	قہر خداوندی	لاہور	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۷۳	محمد رمضان علی قادری	تاریخ وہابیہ	لائلپور	" "
۷۴	محمد سرور، پروفیسر	مولانا عبید اللہ سندھی	لاہور	۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء
۷۵	محمد سلیمان اشرف، پروفیسر	الرشاد ۔ النور	علی گڑھ	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۷۶	محمد شفیع، مفتی	امداد الفتاویٰ		
۷۷	محمد صادق قصوری	اکابر تحریک پاکستان	لاہور	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۷۸	محمد عبد العظیم، ابوالمسعود	مصحح دماغ مجنوں	بریلی	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء
۷۹	محمد عمر نعیمی، مفتی	تفرقۂ اقوام	مراد آباد	۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء
۸۰	محمد مسعود احمد، پروفیسر	مواعظ مظہری	کراچی	۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
۸۱	" " "	فاضل بریلوی اور ترک موالات	لاہور	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۸۲	" " "	مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد دہم جزء پنجم	لاہور	
۸۳	محمد مسعود احمد، پروفیسر	سیرت مجدد الف ثانی	کراچی	۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
۸۴	" " "	تذکرہ مظہر مسعود	"	۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء
۸۵	محمد مصطفےٰ رضا خاں، مفتی	الطاری الداری لہفوات عبد الباری	بریلی	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۸۶	محمد مظہر اللہ، مفتی	فتاویٰ مظہری (جلد اول)	کراچی	۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
۸۷	محمد میاں قادری، مولانا	ردّ سیرت شبلی		۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء
۸۸	" "	خطبہ صدارت جماعت انصار الاسلام	سیتاپور	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مقام طباعت	سنہ طباعت
۸۹	محمود احمد قادری، مولانا	تذکرہ علمائے اہلسنت	کانپور	۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۹۰	محمود دھرم پال	انوار عالم		
۹۱	مصباح الحسن، مفتی	کانگریسی مسلمان اور حقائق قرآن		۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
۹۲	〃	خطبہ صدارت	مراد آباد	۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء
۹۳	معین الدین اجمیری، علامہ	معین المنطق	کراچی	۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء
۹۴	منور حسین	ملفوظات امیر ملت	لاہور	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۹۵	منظور حسین خاں	حالات گوکھلے	حیدرآباد دکن	۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
۹۶	نور محمد قادری	اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت	لاہور	۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء
۹۷	قاضی عبدالوحید	دربار حق وہدایت	بریلی	۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
۹۸		ندوہ کا ٹھیک فوٹوگراف	بریلی	۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء
۹۹	محمد علی	محمد علی، زندگی اور خدمات	مدراس	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۱۰۰	محمد زکی دیوبندی	مکالمۃ الصدرین	دیوبند	۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء

رسائل

نمبر شمار	رسالہ	مقام اجراء	ماہِ اجراء	سال اجراء
۱	الرشید	لاہور	مارچ	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۲	السواد الاعظم	مراد آباد	ربیع الآخر تا شوال المکرم (۷ شمارے)	۱۳۳۸ھ/۱۹-۲۰
۳	〃	〃	محرم الحرام تا ذی الحجہ (۱۱ شمارے)	۱۳۳۹ھ/۳۰-۲۱
۴	〃	〃	محرم الحرام و صفر المظفر (۲ شمارے)	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۵	〃	〃	جمادی الاول تا ذی الحجہ (۸ شمارے)	۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء
۶	〃	〃	محرم الحرام تا ذی الحجہ (۱۱ شمارے)	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷-۲۸ء
۷	〃	〃	محرم الحرام تا ربیع الثانی (۴ شمارے)	۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء
۸	〃	〃	محرم الحرام	۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء
۹	〃	〃	ربیع الاول	〃
۱۰	〃	〃	جمادی الاول	〃
۱۱	〃	〃	رجب المرجب	〃
۱۲	〃	〃	رمضان المبارک	۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء
۱۳	〃	〃	ذی قعدہ و ذی الحجہ (۲ شمارے)	〃
۱۴	〃	〃	محرم الحرام تا ربیع الاول (۳ شمارے)	〃
۱۵	〃	〃	رجب المرجب تا رمضان المبارک (۳ شمارے)	۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰-۳۱ء
۱۶	〃	〃	شعبان المعظم تا ذی الحجہ (۵ شمارے)	۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱-۳۲ء

نمبر شمار	رسالہ	مقام اجراء	ماہ اجراء	سال اجراء
۱۷	السواد الاعظم	مرادآباد	محرم الحرام	۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء
۱۸	"	"	جمادی الاوّل	" " " "
۱۹	"	"	صفر المظفر و ربیع الاول (۲ شمارے)	۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء
۲۰	"	"	محرم الحرام و صفر المظفر (۲ شمارے)	۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء
۲۱	"	"	رمضان المبارک و شوال المکرم	۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴-۳۵ء
۲۲	الفرقان	بریلی	ستمبر تا اپریل	۱۹۶۱ء/۱۹۶۲ء
۲۳	المیزان	بمبئی	(امام احمد رضا نمبر)	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۲۴	الہام	بہاولپور	۲۱ر نومبر	" "
۲۵	ترجمان اہلسنت	کراچی	نومبر	" "
۲۶	توحید	"	مئی، جون	۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء
۲۷	ضیائے حرم	لاہور	اکتوبر	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۲۸	" "	"	اگست	" "
۲۹	طلوع اسلام	دہلی	فروری	۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
۳۰	فکر و نظر	اسلام آباد	ستمبر و اکتوبر	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۳۱	"	"	نومبر	" "
۳۲	قومی زبان	کراچی	دسمبر	" "
۳۳	معارف	اعظم گڑھ	جون تا فروری	۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء
۳۴	مہران	جام شورو	جولائی تا ستمبر	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

اخبارات

نمبر شمار	اخبار	مقام اجراء	تاریخ اجراء	سال اجراء
۱	اتفاق	دہلی	۲۷ر اکتوبر	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲	اسٹیٹسمین	کلکتہ	۱۹ر فروری	۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
۳	الجمعیۃ	دہلی	۲ر ستمبر	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۴	"	"	رجب المرجب	۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء
۵	"	"	۴ر دسمبر	۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
۶	الہام	بہاولپور	۲۸ر دسمبر	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۷	"	"	۷ر مارچ	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۷ء
۸	انصاری	دہلی	۱۹ر مارچ	۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء
۹	انقلاب	بمبئی	۱۷ر ستمبر	۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء
۱۰	ایمان		جولائی	۱۳۵۲ھ/۹۳۳ء
۱۱	"		۲۳ر مئی	۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء
۱۲	پیسہ اخبار	لاہور	۱۸ر نومبر	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۱۳	تنظیم	امرتسر		
۱۴	جامعہ	دہلی	اکتوبر	۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء
۱۵	جنگ	کراچی	۲۲ر اگست	۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء
۱۶	"	"	۱۷ر ستمبر	۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۱۷	"	"	۹ر اگست	۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء

نمبر شمار	اخبار	مقام اجراء	تاریخ اجراء	سال اجراء
۱۸	جنگ	کراچی	۲۹ اپریل	۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء
۱۹	″	″	۲۳ مارچ	۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
۲۰	دبدبۂ سکندری	رام پور	یکم نومبر	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۱	ڈان	کراچی	۱۰ دسمبر	۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
۲۲	″	″	۲۸ دسمبر	″ ″
۲۳	″	″	۱۲ دسمبر	″ ″
۲۴	″	″	۲۹ دسمبر	″ ″
۲۵	رسالت	بمبئی	۱۲ اگست	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۲۶	زمیندار	لاہور	۲۷ نومبر	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۷	″	″	۱۱ صفر المظفر	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۲۸	فتح	دہلی	۲۲ نومبر	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۲۹	کوہستان	راولپنڈی	۱۲ جولائی	۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
۳۰	مدینہ	بجنور	۲۱ جنوری	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۳۱	″	″	یکم اپریل	″ ″
۳۲	″	″	۹ اپریل	″ ″
۳۳	″	″	۴ اگست	″ ″
۳۴	″	″	۲۸ اگست	″ ″
۳۵	″	″	یکم دسمبر	″ ″
۳۶	″	″	۲۱ فروری	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
۳۷	″	″	۱۸ اگست	۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
۳۸	مشرق	گورکھپور	۱۴ جنوری	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

نمبر شمار	اخبار	مقام اجراء	تاریخ اجراء	سال اجراء
۳۹	ملاپ	لاہور		۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۴۰	نظام الملک	مراد آباد	۲۵ اگست	۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء
۴۱	نیشنل کال		۲۰ ستمبر	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
۴۲	ہریجن		۲۹ اکتوبر	۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء
۴۳	ہمدرد		اکتوبر	″ ″
۴۴	″		۱۲ صفر المظفر	۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء
۴۵	ہمدم		۱۲ فروری	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۴۶	″		۸ جون	″ ″
۴۷	ہندوستان ٹائمز		۵ ستمبر	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
۴۸	″		۱۹ ستمبر	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
۴۹	ہند	کلکتہ	۲۶، ۲۹ فروری	۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء

متفرقات

استفتاء ، محررہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء ، مرسلہ محبوب علی ، و عبدالغفور از آرہ

استفتاء ، محررہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء مرسلہ نذیر احمد از الہ آباد

استفتاء ، محررہ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء مرسلہ رحیم بخش از میرٹھ

استفتاء ، محررہ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء مرسلہ حافظ شیر محمد خاں ، از میرٹھ

استفتاء ، محررہ ۲۴ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء مرسلہ ، حکیم عبدالرحمن از میرٹھ

استفتاء ، محررہ ۷ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء مرسلہ ، خلیل الرحمن ، از بنارس

اشتہار ، منجانب یوسف برادر گورکھپوری ، مطبوعہ الہ آباد

اشتہار ، "مہاتما گاندھی کی آمد" مطبوعہ بریلی ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء

سپاسنامہ ، (منظوم) مطبوعہ بریلی ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء

مکتوب محررہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء مرسلہ قائداعظم محمد علی جناح از شملہ۔

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ

کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر (زیر طبع)

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ **ضیاء المصنفین**

بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء، علامہ محمد اکرم الازہری

علامہ محمد سعید الازہری، علامہ محمد الطاف حسین الازہری

سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

انشاءاللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

جلد اس علمی کارنامے کو منصہ شہود پر لانے کا

شرف حاصل کرے گا۔